ماہنامہ
حنا
دسمبر 2013

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماهنامه حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! حنا کا شمارہ دسمبر 2013ء پیش خدمت ہے۔

یہ سال جاتے جاتے سانحہ راولپنڈی کی المناک یاد اہل پاکستان کو دے گیا، یوم عاشور پر برپا ہونے والے اس اندوہناک سانحے کے بعد ملک کے متعدد شہروں میں احتجاج کا سلسلہ شروع ہوا اور اس میں بھی انسانی جانیں ضائع ہوئیں، اس وقت بھی جب یہ سطور لکھی جا رہی ہیں، کشیدگی اپنی جگہ موجود ہے، کشیدگی کی اس فضا پر جلد از جلد قابو پانا ضروری ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ تحقیقاتی کمیشن کی رپورٹ جلد از جلد منظر عام پر لائی جائے اور اس سانحے کے ذمہ داروں کا تعین کر کے انہیں قرار واقعی سزا دی جائے، اس کے ساتھ ساتھ یہ شعور عام کرنے کی بھی ضرورت ہے کہ دنیا کے تمام دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی طرح مسلمانوں میں بھی مسلکی اختلافات موجود ہیں، لیکن یہ اختلاف بنیادی نہیں بلکہ فروعی ہیں، یہ آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے ہیں اور ہمیں اپنے اسلاف کی طرح تحمل سے کام لیتے ہوئے دوسروں کے مسلک کا احترام کرتے ہوئے جینا سیکھنا ہوگا، ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان اختلافات کو ہوا دینے والے دراصل اسلام دشمنوں کے مقاصد اور عزائم کی تکمیل کر رہے ہیں۔ عالمی سطح پر مختلف تھنک ٹینکوں کی ایسی رپورٹس منظر عام پر آئی ہیں جن میں مسلم دنیا میں اپنے مفادات کے حصول کے لئے مسلم اُمہ میں پائے جانے والے مختلف اختلافات کو ہوا دے کر انہیں آپس میں لڑا کر کمزور کرنے کی سفارشات کی گئی ہیں۔ مشرق وسطیٰ کے ممالک میں یہ تجربہ جاری ہے اور لگتا ہے کہ یہی کوشش یہاں بھی کی جا رہی ہے۔

اک جہاں اور ہے:۔ دسمبر کے شمارے سے آپ سب کی پسندیدہ مصنفہ سدرۃ المنتہٰی کا نیا سلسلے وار ناول "اک جہاں اور ہے" شروع کیا جا رہا ہے، سدرۃ المنتہٰی نے اگرچہ کم لکھا لیکن جو بھی لکھا وہ اپنی جگہ شاہکار کہلایا، ہمیں امید ہے کہ ان کی دیگر تحریروں کی طرح یہ ناول بھی آپ سب کے ذوق پر پورا اترے گا، انشاءاللہ۔

اس شمارے میں:۔ "اک دن حنا کے نام" میں ملیے فوزیہ غزل سے، حمیرا خان، ہما عامر کے مکمل ناول، سندس جبیں اور عزہ خالد کے ناولٹ، نازیہ ضیاء، ہمیرا عثمان، حیاء بخاری، عمارہ حامد، قرۃ العین رائے اور کنول ریاض اور یسمیٰ کرن کے افسانے، اُم مریم اور سدرۃ المنتہٰی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

اندھیرے چیر کر ان میں اجالا تو ہی کرتا ہے
ہر ایسا کام اے اللہ تعالیٰ تو ہی کرتا ہے

شکست فاش دیتا ہے ہمیشہ تو ہی باطل کو
ہر اک موقع پہ حق کا بول بالا تو ہی کرتا ہے

جہاں میں وقت پیدائش سے لے آخری دم تک
ہر انسان اور ہر حیوان کو پالا تو ہی کرتا ہے

بسا اوقات ہم مایوس ہو جاتے ہیں گھبرا کر
ہر ایسے وقت میں مشکل کو ٹالا تو ہی کرتا ہے
مسلمان ہوں اگر کمزور اور کفار طاقت ور
تو اعدا کے دلوں میں رعب ڈالا تو ہی کرتا ہے

زمیں پر گل شگفتہ آسماں پر نجم رخشندہ
ہے یہ کام تیرے کرنے والا تو ہی کرتا ہے

جو تو چاہے تو پتھر میں بھی کیڑے کو غذا بخشے
یہ ایسا کام انوکھا اور نرالا تو ہی کرتا ہے

یہ بزمی اور اس جیسے کروڑوں ہی بشر ہوں گے
بچا کر جن کو گرنے سے سنبھالا تو ہی کرتا ہے

خالد بزمی

نعت رسول مقبول ﷺ

جب نظر کے سامنے روضہ کا منظر آئے گا
خود بخود میری زباں پر ذکر سرورؐ آئے گا

دیکھنا ہے سایہ احمدؐ تو دیکھو عرش پر
آسماں کا سایہ آخر کیوں زمیں پر آئے گا

مجھ کو نسبت ہے محمدؐ سے نہیں دنیا کا خوف
مجھ سے ٹکرائی تو گردش کو بھی چکر آئے گا

تیرگی کو کاٹ دے گی جنبش نوک قلم
روشنی کے ہاتھ میں کرنوں کا خنجر آئے گا

آنکھ میں بھر لوں گا میں تو شربت دیدار کو
جام بھرنے جب میرا ساقی کوثر آئے گا

میں ہوں مداح نبیؐ ممکن نہیں مجھ کو زوال
دیکھنا کس اوج پر میرا مقدر آئے گا

جس کے دل میں آئے گا کب محمدؐ کا خیال
بخت کی تاریکیوں میں مثل خاور آئے گا

کوکب مظہر خان

سید اختر ناز

عرب دور جاہلیت میں

دور جاہلیت میں عرب اپنی فطری صلاحیتوں اور بعض عادات و اخلاق میں تمام دنیا میں ممتاز تھے، فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا، آزادی وخودداری ان کو جان سے زیادہ عزیز تھی، شہسواری و شجاعت میں وہ بے بدل تھے، عقیدہ کے پرجوش صاف گو اور جفاکشی کے عادی، ارادے کے پکے، زبان کے سچے، وفا داری اور امانت داری میں ضرب المثل تھے۔

لیکن انبیاء اور اُن کی تعلیمات سے دوری اور ایک جزیرہ نما میں صدیوں سے مقید رہنے کی وجہ سے اور باپ دادا کے دین اور قومی روایات پر سختی سے قائم ہونے کے سبب وہ دینی و اخلاقی حیثیت سے بہت گر چکے تھے، چھٹی صدی میں زوال اور انحطاط کے آخری نقطہ پر تھے، کھلی ہوئی بت پرستی میں مبتلا اور اس میں دنیا کے امام تھے، اخلاقی واجتماعی امراض، ان کے معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہے تھے، مذہب کی اکثر خوبیوں سے وہ محروم اور جاہلیت کی زندگی کی بدترین خصوصیتوں میں مبتلا تھے۔

عرب میں ہر گھر کا بت جدا تھا، جس کی گھر والے پرستش کرتے تھے، جب کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا تو روانگی کے وقت گھر پر اس کا آخری کام یہ ہوتا کہ اپنے بت کو حصول برکت کے لئے چھوتا اور جب سفر سے واپس آتا تو گھر پہنچ کر پہلا کام یہ کرتا کہ اپنے بت کو تبرکاً ہاتھ لگاتا۔

کسی نے ایک بت خانہ بنا رکھا تھا، کسی نے بت تیار کر لیا تھا، جو بت خانہ نہیں بنا سکتا تھا یا بت نہیں تیار کر سکتا تھا وہ حرم کے سامنے ایک پتھر گاڑ دیتا یا حرم کے علاوہ جہاں بہتر سمجھتا پتھر گاڑ کر اس کے گرد اس شان سے طواف کرتا جس طرح بیت اللہ کے گرد طواف کیا جاتا ہے، ان پتھروں کو وہ انصاب کہا کرتے تھے اور اگر اچھی قسم کا پتھر مل جاتا وہ پہلے پتھر کو پھینک کر اس نئے پتھر کو لے لیتے اور اگر پتھر نہ پاتے تو مٹی کا ایک ڈھیر بناتے اور اس پر بکری کو لا کر دوہتے پھر اسی کا طواف کرتے۔

مشرکوں کا ہر زمانہ اور ہر ملک میں جو حال رہا ہے، وہی حال عرب کا تھا، ان کے متعدد اور مختلف معبود تھے جن میں فرشتے، جن، ستارے سب شامل تھے، فرشتوں کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے ان سے شفاعت کے طلب گار ہوتے، ان کی پرستش کرتے اور ان کو وسیلہ بناتے، جنوں کو اللہ کا شریک کار سمجھتے، ان کی قدرت اور اثر اندازی پر ایمان رکھتے اور ان کی پرستش کرتے۔

اخلاقی اعتبار سے ان کے اندر بہت سی بیماریاں پائی جاتی تھیں، شراب عام طور پر پی جاتی تھی اور ان کی گھٹی میں پڑی تھی، شراب کی دکانیں عام تھیں اور علامت کے طور پر ان دکانوں پر جھنڈا لہراتا، جوا بہت بڑائی اور خوبی کی بات تھی اور اس میں شرکت نہ کرنا بزدلی اور خوبی

کی علامت تھی، زمانہ جاہلیت میں ایک شخص اپنے گھر بار کو داؤ پر رکھ دیتا، پھر حیرت سے اپنے گئے ہوئے مال کو دوسروں کے ہاتھ میں دیکھتا، اس سے نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکتی اور جنگوں کی نوبت آتی، حجاز کے عرب اور یہودی سودی لین دین اور سود در سود کا معاملہ کرتے، اس سلسلے میں بڑی بے رحمی اور سخت دلی کے مظاہرے ہوتے۔

عورت کے ساتھ ظلم و بدسلوکی عام طور سے روا سمجھی جاتی تھی، اس کے حقوق پامال کیے جاتے، اس کا مال مرد اپنا مال سمجھتے، وہ ترکہ اور میراث میں کچھ حصہ نہ پاتی، شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد اس کو اجازت نہیں تھی کہ اپنی پسند سے دوسرا نکاح کر سکے، دوسرے سامان اور حیوانات کی طرح وہ بھی وراثت میں منتقل ہوتی رہتی تھی، مرد تو اپنا پورا پورا حق وصول کرتا لیکن عورت اپنے حقوق سے مستفید نہیں ہو سکتی تھی، کھانے میں بہت سے ایسی چیزیں تھیں جو مردوں کے لئے خاص تھیں اور عورتیں ان سے محروم تھیں، لڑکیوں سے نفرت اسی درجہ بڑھ گئی تھی کہ انہیں زندہ دفن کرنے کا بھی رواج تھا، بعض ننگ و عار کی بنا پر، بعض خرچ و مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرتے، عرب کے بعض شرفا اور روسا ایسے موقعوں پر بچیوں کو خرید لیتے اور ان کی جان بچاتے، مصعصہ بن ناجیہ کا بیان تھا کہ اسلام کے ظہور کے وقت میں تین سو زندہ در گور ہونے والی لڑکیوں کو فدیہ دے کر بچا چکا تھا، بعض اوقات کسی سفر یا مشغولیت کی وجہ سے لڑکی سیانی ہو جاتی اور دفن کرنے کی نوبت نہ آتی، تو ظالم باپ دھوکہ دے کر اس کو لے جاتا اور بڑی بے دردی سے زندہ دفن کر دیتا، اسلام لانے کے بعد بعض عربوں نے اس سلسلے میں بڑے اندوہناک اور رقت انگیز واقعات بیان کیے ہیں۔

عرب کے سفاکانہ اعمال میں سب سے زیادہ بے رحمی و سنگ دلی کا کام معصوم بچوں کو مار ڈالنا اور لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا تھا کیونکہ لڑکیاں شرم و عار کا باعث سمجھی جاتی تھیں۔

اہم خصوصیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک کتاب (قرآن پاک) اس علانیہ دعوے کے ساتھ پیش کی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو مجھ پر نازل ہوا ہے، اس کتاب کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو یقینی طور پر محسوس ہوتا ہے کہ اس میں کوئی آمیزش نہیں ہوئی ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا قول بھی اس میں شامل نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال کو اس سے بالکل الگ رکھا گیا ہے، بائبل کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے حالات اور عربوں کی تاریخ اور زمانہ نزول قرآن میں پیش آنے والے واقعات کو اس میں کلام الٰہی کے ساتھ غلط ملط نہیں کر دیا گیا، یہ خالص کلام اللہ (WORD OF GOD) ہے، اس کے اندر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا ایک لفظ بھی شامل نہیں ہوا ہے، اس کے الفاظ میں سے ایک لفظ بھی کم نہیں ہوا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے جوں کا توں یہ ہمارے زمانے تک منتقل ہوا ہے، یہ کتاب جس وقت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کسی کاتب کو بلاتے اور اسے لکھوا دیتے تھے، لکھنے کے بعد وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنایا تھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اطمینان کر لیتے تھے کہ کاتب نے اسے صحیح لکھا ہے، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے محفوظ جگہ رکھ دیتے تھے، ہر نازل شدہ وحی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کاتب کو یہ ہدایت بھی فرما دیتے تھے کہ اسے کس سورہ میں کس آیت سے پہلے اور کس کے بعد درج کیا جائے، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن پاک کو ترتیب بھی دیتے رہے تھے، یہاں تک کہ وہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

پھر نماز کے متعلق آغاز اسلام ہی سے یہ ہدایت تھی کہ اس میں قرآن مجید پڑھا جائے، اس لئے صحابہ کرام اس کے نزول کے ساتھ ساتھ اس کو یاد کرتے جاتے تھے، بہت سے لوگوں نے اسے پورا یاد کر لیا اور ان سے بہت زیادہ بڑی تعداد ایسے صحابہ کی تھی، جنہوں نے کم و بیش اس کے مختلف حصوں سے اپنے حافظے میں محفوظ کر لیے تھے، ان کے علاوہ وہ متعدد صحابہؓ جو پڑھے لکھے تھے، قرآن کے مختلف حصوں کو بطور خود لکھ بھی رہے تھے، اس طرح قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں محفوظ ہو چکا تھا،

پس یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ آج جو قرآن ہمارے پاس موجود ہے، یہ لفظ بہ لفظ وہی ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلام اللہ کی حیثیت سے پیش فرمایا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تمام حافظوں اور تمام تحریری نسخوں کو جمع کر کے اس کا ایک مکمل نسخہ کتابی صورت میں لکھوایا۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اس کی نقلیں سرکاری طور پر دنیائے اسلام کے مرکزی مقامات کو بھیجی گئیں، ان میں سے دو نقلیں آج بھی دنیا میں موجود ہیں، ایک استنبول میں دوسری تاشقند میں، جس کا جی چاہے قرآن مجید کا کوئی مطبوعہ نسخہ لے جا کر ان سے ملالے، کوئی فرق نہ پائے گا اور فرق ہو کیسے سکتا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک ہر پشت میں لاکھوں اور کروڑوں حافظ موجود رہے ہیں، ایک لفظ بھی اگر کوئی شخص بدلے تو یہ حفاظ اس کی غلطی پکڑ لیں گے، پچھلی صدی کے آخر میں جرمنی کی میونخ یونیورسٹی کے ایک انسٹی ٹیوٹ نے دنیائے اسلام کے مختلف حصوں سے ہر زمانے کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے قلمی اور مطبوعہ بیالیس ہزار نسخے جمع کیے تھے، پچاس سال تک ان پر تحقیقی کام کیا گیا، آخر میں جو رپورٹ پیش کی گئی وہ یہ تھی کہ ان نسخوں میں کتاب کی غلطیوں کے سوا کوئی فرق نہیں ہے، حالانکہ یہ پہلی صدی ہجری سے چودھویں صدی تک کے نسخے تھے اور دنیا کے ہر حصے سے فراہم کیے گئے تھے، افسوس کہ دوسری جنگ عظیم میں جب جرمنی پر بمباری کی گئی تو وہ انسٹی ٹیوٹ تباہ ہو گیا لیکن اس کی تحقیقات کے نتائج دنیا سے ناپید نہیں ہوئے۔

ایک اور بات قرآن کے متعلق یہ بھی نگاہ میں رکھیے کہ جس زبان میں یہ نازل ہوا تھا، وہ ایک زندہ زبان ہے، عراق سے مراکو تک کروڑوں انسان آج بھی اسے مادری زبان کی حیثیت سے بولتے ہیں اور غیر عرب دنیا میں بھی کروڑوں افراد اسے پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، عربی زبان کی گرامر، اس کی لغت، اس کے الفاظ کے تلفظ اور اس کے محاورے چودہ سو برس سے جوں کے توں قائم ہیں، آج ہر عربی داں اسے پڑھ کر اسی طرح سمجھ سکتا ہے جس طرح چودہ سو برس پہلے کے عرب سمجھتے تھے۔

یہ ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اہم خصوصیت جو ان کے سوا کسی نبی اور کسی پیشوائے مذہب کو حاصل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نوع انسانی کی ہدایت کے لئے جو کتاب ان پر

نازل ہوئی تھی، وہ اپنی اصل زبان میں اپنے اصل الفاظ کے ساتھ بلا تغیر و تبدل موجود ہے۔

ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ کا ہاتھ جماعت کے اوپر ہوتا ہے جو جماعت سے الگ ہو گا وہ آگ میں جا پڑے گا۔

بھائی سے مراد مسلمان بھائی ہے، ظالم کی مدد اس طرح کہ اسے ظلم سے روکا جائے۔

مظلوم کی بددعا سے ڈرو، اس لئے کہ اس کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔

انسان اپنے بھائی کے سبب بہت کچھ بن جاتا ہے، یعنی زیادہ لگتا ہے۔

اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے اور سب سے پہلے اسے وہ جس کی تم پر ذمہ داری آتی ہے۔

بہترین کمائی کرنے والا وہ مزدور ہے جو نیک نیتی سے محنت کرے۔

جب تم میں سے کوئی کام کرے تو اسے پختہ طریقے سے انجام دے۔

اللہ کے نزدیک بہترین کام وہ ہے جس میں باقاعدگی ہو۔

کسی قوم کی زبان سیکھ لو، اس کے شر سے محفوظ ہو جاؤ گے۔

مومن وہ ہے جسے اپنی برائی سے افسوس ہو اور اپنی نیکی سے مسرت حاصل ہو۔

دو آدمیوں کا کھانا تین کے لئے اور تین کا کھانا چار کے لئے کافی ہوتا ہے۔

فراخی و خوش حالی کی امید رکھنا بھی عبادت ہے۔

انسان کے اسلام کا حسن یہ بھی ہے کہ وہ فضول باتوں کو چھوڑ دے۔

لوگوں کو تم دولت سے اپنا گرویدہ نہیں کر سکو گے، اس لئے انہیں اپنے اخلاق سے گرویدہ کرو۔

وہ نعمتیں ایسی ہیں جن سے بہت سے لوگ محروم ہوتے ہیں، صحت و فراغت۔

اگر تم بولنے کی بہترین صلاحیت کے مالک ہو تو ان صلاحیتوں کو اپنے اس بھائی کی ترجمانی میں صرف کرو جو گفتگو پر قادر نہیں تو یہ بھی صدقہ ہے۔

بھلائی تو بہت ہے مگر اسے کرنے والے بہت تھوڑے ہیں۔

نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے۔

دل کا اندھاپن سے بڑا اندھاپن ہے۔

راستوں میں مت بیٹھو، اگر بیٹھنا ہی ہو تو پھر نظریں جھکا کر رکھو، سلام کا جواب دو، بھٹکے ہوئے کو راستہ دکھاؤ اور کمزور کی مدد کرو۔

اگر انسان کے پاس دو سونے کی وادیاں بھی ہوں تو وہ تیسری وادی کا طلب گار بن جائے گا۔

جس کا کھانا بہت ہو، اس کی بیماری بہت ہو اور جس کی غذا کم ہو اس کی دوا کم ہو۔

دو چہروں والا (منافق) اللہ کے نزدیک کبھی معزز نہیں ہو سکتے۔

ایمان میں وہی کامل ترین ہے مومن، جو اخلاق میں سب سے بہتر ہے۔

مومن تو اپنے حسن اخلاق ہے، روزہ اور نماز گزار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

زبان کی تیزی سے بڑھ کر انسان کو کوئی بری چیز نہیں دی گئی۔

دنیا اور اس کی زینت کے بارے میں فرمایا، موسم بہار جو کچھ اگاتا ہے، اس میں ایسے پودے بھی ہوتے ہیں جن کے کھانے سے

جانوروں کے پیٹ پھول جاتے ہیں اور وہ مر جاتے ہیں۔

بحران کا شدت اختیار کرنا اس کا حل ہوتا ہے۔

مومن کی مثال شہد کی مکھی سی ہے جو پاکیزہ کھاتی ہے اور شہد کی شکل میں پاکیزہ کھلاتی ہے۔

عمل کی مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔

جھوٹ کے ثبوت کے لئے یہ کافی ہے کہ انسان جو کچھ سنے اس کو بیان کرتا پھرے۔

جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکریہ بھی ادا نہ کیا۔

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مشورہ کر لینے کے بعد کوئی انسان تباہ نہیں ہوگا۔

مجھے بلند اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا۔

متکبر کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ ہے۔

چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

ہر نیکی صدقہ ہوتی ہے۔

انسان کا حسن اس کی زبان میں پوشیدہ ہے۔

دین اخلاص و خیر خواہی کا نام ہے۔

بھلائی کا راستہ بنانے والا اس کے کرنے والے کی طرح ہے۔

امیری دل کی امیری ہے۔

اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

مانگنا ذلت ہے۔

اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم۔

ظلم قیامت کے دن تاریکی ہی تاریکی ہو گا۔

جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ امین ہوتا ہے۔

مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔

طاقتور مومن، کمزور مومن سے بہتر ہے۔

آدمی کی جنت اس کا گھر ہوتا ہے۔

ندامت بھی توبہ ہے۔

شر کا دامن چھوڑ دینا بھی صدقہ ہے۔

قیامت کے دن

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا، اے قوم کے بیٹے! میں بیمار تھا تو نے میری عیادت نہیں کی، وہ کہے گا، اے پروردگار! میں تیری کیسے عیادت کرتا تو تو رب العالمین ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، کیا تجھے نہیں معلوم کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، تو نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا، اے آدم! کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، وہ کہے گا، اے پروردگار! میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا تو تو خود رب العالمین ہے، اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا، کیا تجھے نہیں معلوم کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا، اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، وہ کہے گا، اے پروردگار! میں تجھے کیسے پانی پلاتا تو تو خود رب العالمین ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے اس کو پانی نہیں پلایا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

☆☆☆

اب گھوڑے کو باپ

ابن انشاء

لوگ وقت پڑنے پر گدھے کو تو باپ بنایا ہی کرتے ہیں اور یہ بالکل جائز اور محاورے کے مطابق ہے، لیکن کیا زمانہ آن لگا ہے کہ گھوڑے کو بھی باپ بنانے لگے ہیں، بات یہ ہے کہ فی زمانہ گدھے گھوڑے کی تمیز اٹھ گئی ہے، کہاں گدھا ذات شریف، مسکین، بوجھ اٹھانے والا اور کان تک نہ ہلانے والا، کہاں گھوڑا جسے سوائے بحر ظلمات میں دوڑنے اور لید کرنے کے کوئی کام نہیں، یہ خیالات زریں، حکمت آمیز اور عبرت انگیز ہمارے ذہن میں اخبار کی ایک سرخی دیکھ کر آئے کہ "باپ رے باپ" کے جیتنے کا چانس بہت ہے۔" پہلے تو ہم چکرائے کہ اس نئی تہی اور جزیشن گیپ کے زمانے میں باپ کے جیتنے کا ذکر، معلوم ہوا کہ ہماری نگاہیں پھسلتی پھسلتی گھوڑ دوڑ کی خبروں پر ٹکی تھیں، باپ رے باپ، کسی نے اپنے ریس کے گھوڑے کا نام رکھا ہے، گھوڑے کے نام آج کل فصیح و بلیغ عربی، فارسی میں رکھنے کا رواج ہے، مثلاً دست صبا، بال جبریل، منطق الطیر، شان قلندری، ازالہ اوہام، فک الرہن، مکبر الصوت، وجع المفاصل وغیرہ، اس لئے اتنے سلیس اور عام فہم نام پر ہمیں تعجب بھی ہوا، پھر خیال آیا کہ یہ عربی گھوڑا نہیں ہوگا، یہیں کا ہوگا، فقط یہاں کی زبان سمجھتا ہوگا اور یہیں کے محاوروں کا وقوف رکھتا ہوگا، مثلاً باپ پہ پوت پتا پہ گھوڑا، بہت نہیں تو تھوڑا تھوڑا، کیا عجب کہ اس کا باپ بھی گھوڑا ہی رہا ہو۔

☆☆☆

ہمیں گھڑ دوڑ سے رغبت نہیں کہ یہ فن شریف فلمچیوں، اسمگلروں، بلیک مارکیٹوں اور ناکام سیاستدانوں کا ہے، یا پھر کراچی کی ایک بیگم کے بارے میں اسی ہفتے خبر آئی کہ لاہور ریس کورس میں ایک روز میں دو لاکھ ہار کر بھی ان کی پیشانی پر بل نہ آیا، بلکہ جیتنے والوں کو اپنی کار میں ان کے گھر پر چھوڑنے گئیں، ان ہی لوگوں کے لئے سال دو سال پہلے قلعہ لاہور کے دامن میں کتوں کی دوڑ شروع کی گئی تھی، یہ کتے دوڑتے جاتے تھے اور مینار پاکستان پر بھونکتے جاتے تھے، گھوڑوں اور کتوں کے علاوہ انسانوں کی بھی دوڑیں ہوتی ہیں، پانچ سو گز یا ہزار گز کی دوڑ کے علاوہ بھی، مثلاً عہدے کی دوڑ، منصب کی دوڑ، امارت کی دوڑ، سفارت اور وزارت کی دوڑ، پھر ایک گردش ایام کی دوڑ بھی ہوتی ہے، اسے پیچھے کی طرف دوڑاتے ہیں اور ماضی مرحوم کی چراگاہ میں پہنچاتے ہیں، ہمارے قبلہ نسیم حجازی مصنف کتب کثیرہ اسلامی و تاریخی کا اس خصوص میں بڑا نام ہے، کیونکہ ان کی شب و روز یہی کام ہے، اپنے اشہب خیال کو مہمیز ولولہ انگیز دے کر گداتے ہیں تو قاری کے خون کو یک دم جوش میں لاتے ہیں، خون کی جولانی اور جذبہ جہاد کی فراوانی سے اکثر تماشائیوں کی نکسیر بھی پھوٹ جاتی ہے، اس ریس کو دیکھنے سے پہلے ایمبولینس کا انتظام کر لینا مستحسن ہے۔

☆☆☆

ایک دوڑ ملا کی بھی مشہور ہے، پہلے ملا کی

دوڑ مسجد تک ہوا کرتی تھی، لیکن جب سے یہ لوگ جماعتیں اور جمعیتیں بنا کر دوڑنے لگے ہیں، اسمبلی تک ہو گئی ہے، کوئی کوئی تو کنگرہ وزارت کو بھی چھو آتا ہے، جو ملا محض دو پیازے ہیں، ان کو بھی یہی آرزو کرتے دیکھا ہے کہ یا اللہ بقیہ عمر دین کی خدمت کا دم بھرتے اور جھنڈے والی کار میں سفر کرتے گزرے، پھر مسجد کا حجرہ ان کو نہیں بھاتا، کیونکہ ائیر کنڈیشنڈ نہیں ہوتا، ویسے بھی ایسے نہیں ہوتے۔

☆☆☆

ہمارا اشارہ نہ ہویں میں نہ شیوں میں، نہ ہم دین کی دوڑ کے قابل، نہ دنیا کی دوڑ کے، بلکہ کسی بھی قسم کی دوڑ کو خفیف الحرکتی سمجھتے ہیں، ہماری مثال بنیئے کے کٹے کی ہے، کٹا کہتے ہیں پنجابی میں بھینس کے لخت جگر کو، صاحبزادے کو، برخوردار کو، بنیئے کا کٹا اور جاٹ کا کٹا ہم عمر اور دوست تھے، جاٹ کے کٹے نے کہا، آؤ بھئی کھیلیں، بنئے کے کٹے نے کہا، ایسا کھیل کھیلیں جس میں دو پیسے کا منافع ہو اور اگر یہ نہ ہو تو کم از کم کوئی نقصان تو نہ ہو، جاٹ کے کٹے نے کہا، "دوڑنا دوڑنا" کھیلیں، بنیئے کے کٹے نے کہا، نا بھئی نا، دم پھول جائے گا، اب جاٹ کے کٹے نے کہا، اچھا کودنا کودنا کھیلیں، بنئے کے کٹے نے اس سے بھی ناک کی اور کہا ناحق کو گھر گھسیں گے، آخر جاٹ کے کٹے نے کہا، تم ہی بتاؤ کیا کھیلیں، بنئے کے کٹے نے کہا، کوئی بھلے مانسوں کا کھیل ہونا چاہیے، لیٹنا لیٹنا کھیلیں، صاحبو، لیٹنا لیٹنا قومی کھیل بھی ہے، بے شک لیٹنے اور لیٹے رہنے اور لیٹنا لیٹنا کھیلنے والا آج کل کی اصطلاح میں ترقی نہیں کرسکتا، لیکن یہ خوبی کیا کم ہے کہ اس کا دم نہیں پھولتا اور گھر نہیں گھستے۔

☆☆☆

بعض لوگ گھوڑوں کی ریس کو جوا سمجھتے ہیں، ہمارا یہ خیال نہیں ہے بے شک اس میں شرطیں لگتی ہیں اور لاکھوں کا ہیر پھیر ہوتا ہے، لیکن یہ بھی تو دیکھنا چاہیے کہ گھوڑوں کی ورزش ہوتی ہے اور ان کی صحت ٹھیک رہتی ہے، پھر اس سے ٹیکس کی صورت میں کچھ آمدنی بھی کسی نہ کسی کو ہوتی ہو گی اور یہاں آنے کے لئے اکثر لوگ شراب پی کر آتے ہیں یا یہاں سے جا کر شراب پیتے ہیں، جیت کر خوشی منانے اور ہار کر غم غلط کرنے کے لئے تو اس سے مزید آمدنی ہوتی ہے، کیونکہ شراب پر بھی بھاری ٹیکس ہے، جس چیز سے قوم کو مالی یا کوئی اور قسم کا فائدہ پہنچتا ہو، وہ کیسے مضر یا حرام ہو سکتی ہے۔

☆☆☆

شراب کے باب میں لوگوں کے دلوں میں ناحق کے شکوک ہیں، لاہور میں کسی کو شراب پینی ہو تو ذمہ دار ڈاکٹر باقاعدہ سرٹیفکیٹ دیتے ہیں کہ حامل ہذا کی صحت تبھی قائم رہ سکتی ہے اگر یہ شراب پیتا رہے اور پرمٹ دینے والے پرمٹ دیتے ہیں کہ نہ دیا تو بے چارہ خرابی صحت سے مر جائے گا، اپنے بچوں کو یتیم کر جائے گا، آپ نے لاہور کے نرگس سمیرا ہوٹل چھلانگ کیس کی خبروں میں دیکھا ہو گا کہ ملزموں کے پاس شراب پینے کے باقاعدہ پرمٹ تھے، یعنی ان کی صحتیں خراب تھیں، غالباً وہ ان بیبیوں سے علاج کرانا چاہتے تھے کہ پکڑے گئے، جوئے کے متعلق بھی یہ مسئلہ ہم نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ بغدادی اور کلاکوٹ قسم کے پسماندہ علاقہ میں تو ناجائز ہے، معیوب ہے، بلکہ قابل دست اندازی پولیس جرم ہے، لیکن ریس کورس ہو یا کلب میں ہو یا کیسینو میں ہو اور اس کی چونگی نکالی جائے، یعنی ٹیکس وغیرہ دیا جائے، تو یہ جائز ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

قاری کا منصف سے دلی و جذباتی تعلق ہوتا ہے، ایسا تعلق جو ان کے دلوں کو جکڑے رکھتا ہے، ہماری قارئین بھی مصنفین سے ایسی ہی دلی وابستگی رکھتی ہیں اور وہ مصنفین کے بارے میں جاننا چاہتی ہیں کہ ان کی ذاتی زندگی، خیالات، احساسات وہ جاننا چاہتی ہیں کہ کیا مصنفین بھی عام لوگوں کی طرح ہوتے ہیں یا ان کے شب و روز میں کچھ انوکھا ہے ہم نے قارئین کی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک سلسلہ شروع کیا ہے "ایک دن حنا کے نام" جس میں ہر ماہ ایک مصنفہ اپنے ایک دن کا احوال لکھیں گی کہ صبح آنکھ کھلنے سے لے کر رات نیند کو خوش آمدید کہنے تک وہ کون کون سی مصروفیات ہے لکھنے کے علاوہ جو وہ انجام دیتی ہے، امید ہے آپ کو یہ سلسلہ پسند آئے گا۔

فوزیہ شفیق

مہمان — فوزیہ غزل

السلام علیکم! آپ سب کی عافیت، صحت، سلامتی کی دعا کے ساتھ اپنے روٹین لائف سے ایک دن کا احوال لے کر حاضر ہوں، حنا اور فوزیہ کے ساتھ میرے سفر کا آغاز 2000ء میں ہوا ماشا اللہ چودہ سال ہونے کو آئے اور میں اسی دوستی و ساتھ، تعلق و انسیت اور حد درجہ اپنائیت کی وجہ سے خواہ لاکھ مصروف ہوں حنا کے لئے ضرور ٹائم نکالتی ہوں، فوزیہ شفیق سے فون پہ بات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ ہم رائٹرز کے انٹرویو کا نیا سلسلہ شروع کر رہے ہیں کہ اپنے روز و شب کی روٹین میں دن کے آغاز سے رات ہونے تک ان کی کیا مصروفیات ہوتی ہیں اور اس میں لکھنے کے لئے وقت کیسے نکالتی ہیں، آپ اس کے لئے لکھ کر بھیجیں، سو حسب خواہش و فرمائش زندگی کی ہنگامہ آرائیوں سے ایک دن کا احوال۔

اپنی ساڑھے چھ سالہ میرڈ لائف پر نظر دوڑاؤں تو ڈیلی روٹین بڑی سہل اور سست ہے، بیچلر لائف کے برعکس۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ شادی سے پہلے نماز و تلاوت کے بعد میں گھنٹہ دو گھنٹہ سوتی تھی پھر ناشتہ، سکول، واپسی پہ کھانے کے بعد دو گھنٹہ سونا، پھر ٹیوشن والے بچوں کو ٹائم دینا، مغرب کی نماز کے بعد کھانا اور پھر لکھنا شاعری، افسانے، کالمز، فیچرز رات کے بارہ ایک بج جاتے اور میں لکھنے میں مگن، اس دور میں رسالے، کتابیں، اخبار، ڈائریاں سنجیدہ و کلاسک ادب کا انتخاب، میں ہوتی، میرے اردگرد کتابوں کا ڈھیر نائیٹ بلب کی روشنی میں لکھے پڑھے جاتی اور یہ سب کچھ میری ڈیلی روٹین کا حصہ تھا، مجھ پہ کوئی ذمہ داری نہ تھی سارا کام میری امی یا بہن کرتی

تھیں، گھر، جاب، لکھنا، پڑھنا موڈ میں ہوتا تو گھر کا کوئی کام کر لیتا ورنہ نہیں بہت مصروف، اچھی اور بیلنس لائف تھی، "فکر نہ فاقہ عیش کر کاکا" والا ماحول۔

شادی ہوئی تو سمجھیں خواب سے حقیقت کی تیز تر تلخیوں، ذہنی انتشار اور فرسٹڈ ماحول ایڈجسٹمنٹ مشکل ہو گئی، ڈیلی روٹین کیا پوری لائف ڈسٹربنس کا شکار بننے لگی، صبح شام کب ہوئے کچھ پتا نہ چلا لکھنا پڑھنا کتابوں کے شوق سب ہوا ہو گئے، لیکن اللہ مسبب الاسباب ہے اچھی بات یہ رہی کہ میاں نے لکھنے سے نہیں روکا بلکہ اچھا، بامقصد اور بہتر لکھنے کی تحریک دی، مجھے کبھی ڈانٹا یا رعب نہیں دکھایا، ان کے ساتھ اور حوصلے نے گزشتہ سال مجھے فرسٹریشن زدہ ماحول سے نکالا اور میں اب اپنے روز و شب میں جو خاص یا عام وقت گزار رہی ہوں اس کا ایک دن کچھ یوں ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ بچپن سے نماز پنجگانہ کی عادت ہے اور اذان فجر کے ساتھ ہی اٹھ کر وضو نماز تلاوت شروع، میرے میاں مسجد سے آ جائیں تو ہم مارننگ واک پہ جاتے ہیں، واپس آ کر وہ عموماً ٹی وی دیکھتے ہیں اور میں سب سے پہلے ڈسٹنگ صفائیاں کر کے چینج کرتی ہوں پھر ناشتہ تیار کر کے ہم ساتھ کھاتے ہیں اور ساڑھے آٹھ نو بجے تک وہ کام پہ، پھر میں اکیلی برتن دھو کر ٹی وی آن کر لیتی ہوں، اگر کوئی کپڑا دھونے یا پریس کرنے والا ہو تو میں صبح صبح کر لیتی ہوں، ورنہ اپنے لکھنے کا کام کرتی ہوں، لکھنے کا موڈ نہ بنے تو سو جاتی ہوں اور سونا بھی نہ ہو تو اپنی امی یا بہنوں سے فون پہ گفتگو ہوتی ہے، لنچ ایک سے دو بجے کے درمیان، میرے میاں دوپہر کا کھانا گھر آ کر میرے ساتھ کھاتے ہیں، میں کھانا بھی دوپہر کو بناتی ہوں، سو شام کو فراغت ہوتی ہے اگر شام کو طلب ہو تو ہلکا پھلکا کھا لیا ورنہ میں اکیلی کھانے والی ہوتی ہوں میرے میاں رات کو کھانا کبھی کبھار کھاتے ہیں، زیادہ تر، سلاد یا جوس رات کو انہیں پسند ہے اور شام نو سے دس بجے ہم پارک جاتے ہیں گھنٹہ بھر گھوم پھرنے کے دوران ہم اپنی ڈیلی روٹین یا کوئی مسئلہ ہو تو وہ شیئر کرتے ہیں۔

آئسکریم، دہی بھلے یا کوئی فاسٹ فوڈ رات کو میں فرمائش کر کے اکثر گھر یا باہر جا کے ضرور کھاتی ہوں اور واپس آ کر نماز عشاء ادا کر کے قرآنی دعائیں یا کوئی سورۃ تلاوت کرتی ہوں اور ساڑھے گیارہ تک سو جاتی ہوں، ایسی ڈیلی روٹین میں ملنے والے بھی آ جاتے ہیں کبھی سہ پہر تو کبھی شام کو اور اکثر اتوار کو مجھ سے ملنے کے لئے کوئی نہ کوئی شخصیت حلقہ احباب سے موجود ہوتی ہے، مجھے کہیں جانا ہو تو میں جمعہ کو نماز جمعہ کے بعد اپنے میاں کے ساتھ ہی جاتی ہوں، اگر شاپنگ کا موڈ ہو تو کسی دوست، کزن کو بھی لے گئی ساتھ ورنہ اکیلی جاتی ہوں، ہاں مطالعہ گزشتہ سات سال سے میری ڈیلی روٹین سے غائب ہے میں کتابیں، رسالے سب چھوڑ چکی ہوں اور ہر نماز کے بعد قرآن بمعہ ترجمہ و تفسیر پڑھنا بھی میری ڈیلی روٹین کا حصہ ہے اور اس سے میری روزمرہ زندگی میں غیر محسوس تبدیلیاں رونما ہوئی دین سے قربت کی وجہ سے میں زندہ ہو، ڈاکٹرز کے مطابق میرا دماغ بے حد کمزور ہے اور میری مینٹل میموری 95 فیصد ختم ہو چکی ہے

میرا فہم میرا شعور مکمل ہے تو صرف اپنے رب پہ یقین و ایمان کی بدولت اور میری یہی دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو یقین و ایمان کی روشنیوں سے مالا مال رکھے

یہی میری ڈیلی روٹین کا ایک دن ہے کچھ مکمل کچھ نامکمل، تھوڑی خوشی تھوڑا غم کچھ مختلف کچھ عام۔

☆☆☆

تم آخری جزیرہ ہو

ام مریم

چھبیسویں قسط کا خلاصہ

پرنیاں کے اندر جمع غصہ معاذ کے سامنے نکلتا ہے اور شدید جھگڑے اور الزام تراشی کے بعد دونوں کے درمیان صدیوں کے فاصلے در آتے ہیں۔

زینب، تیمور کی وجہ سے بے حد پریشان ہے، جہان اسے حوصلہ دینے کی کوشش میں مصروف ہے مگر تب ژالے پہ ان کے تعلق کی گہرائی اور نوعیت آشکار ہو کر اسے اضطراب کا شکار کر جاتی ہے۔

معاذ اور پرنیاں کے تعلق کی سرد مہری مما پہ بھی آشکار ہوتی ہے، معاذ پرنیاں سے غفلت کی بنا پر سب سے ڈانٹ بار بار سنتا ہے۔

پپا کی کوششوں سے معاذ اور پرنیاں انگلینڈ ہنی مون پہ جاتے ہیں جہاں مائیکل اور لزا سے ہونے والا ٹکراؤ دونوں میں موجود فاصلوں کو مزید بڑھا دیتا ہے۔

ژالے کو نیلما زبردستی اٹھوانے کی کوشش کرتی ہے مگر جہان کی بروقت مداخلت سے ژالے بچ جاتی ہے مگر ژالے کو جہان کی شدید ناراضگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

ستائیسویں قسط
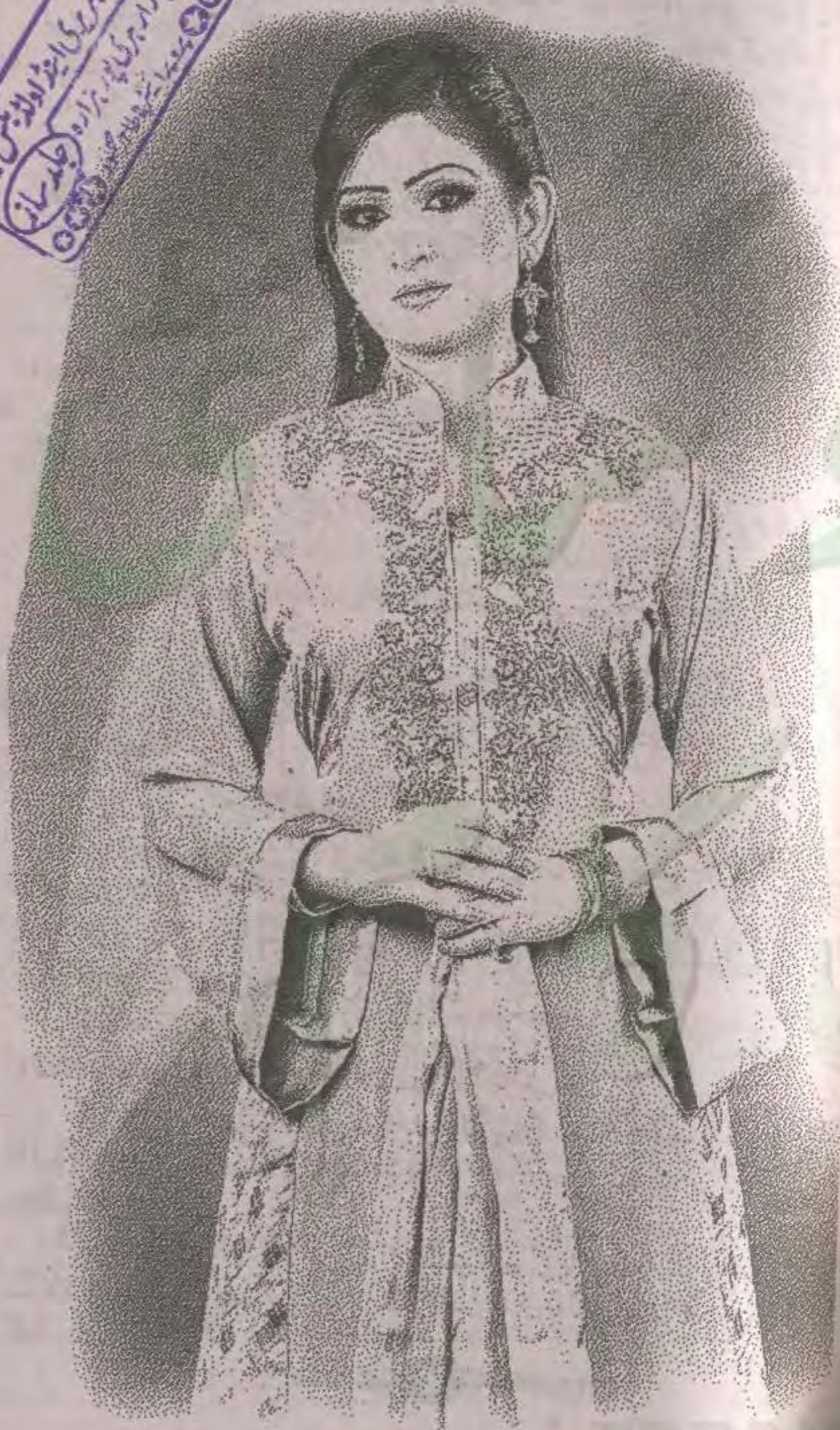
اس نے خوفزدہ نظروں سے ریسور کو دیکھا تھا، جس سے مدھم نکلتی آواز اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہریں دوڑانے لگی تھی، اسے خوف محسوس ہوا تھا، اس آدمی سے، اگر معاذ پہ بات کھل جاتی تو وہ یقیناً مرنے مارنے پہ تل جاتا، پرنیاں کو اس کا حل اس کے سوا کچھ سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ یہاں سے چلی جائے، خدا سے بھی وہ کسی گڑبڑ نہ ہونے کی دعا مانگنے میں مصروف رہی تھی، خوف کا انسانی فطرت سے بہت گہرا تعلق ہے، وہ بھی تمام تر احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے باوجود خوف کا احساس نہیں جھٹک سکی تھی، جبھی پچھلی رات اناکو چکل کر وہ معاذ کے روم میں نہیں جاسکی البتہ ساری رات اس نے جاگ کر ہولتے ہوئے گزاری تھی، ہر آہٹ پہ اس کا دل اچھل کر حلق میں آتا رہا تھا، وہ خود اتنی الجھی ہوئی تھی کہ معاذ کا بدلا ہوا رویہ بھی محسوس کرنے سے قاصر رہی تھی۔

"کہاں جا رہے ہیں آپ؟" معاذ اپنے کمرے سے تیار ہو کر نکلا تو تنہا رہ جانے کے خیال سے اسے سراسیمگی کی انتہا کو پہنچا دیا تھا۔

"میں تمہاری طرح یہاں قید ہو کر بیٹھنے کو نہیں آیا۔" معاذ کا موڈ جتنا خوشگوار تھا اسی لحاظ سے جواب بھی اوندھا موصول ہوا تھا۔

"میں بھی یہاں قید ہو کر بیٹھنے کو نہیں آئی ہوں، اطلاعاً عرض ہے۔" معاذ کے پرنخوت انداز نے اسے بھی غصے سے بھر دیا تھا، معاذ نے کاندھے اچکا کر اسے دیکھا تھا۔

"تو ٹھیک ہے نہ رہو قید، جاؤ جہاں تمہارا دل کرتا ہے۔" اس کے جواب نے پرنیاں کو جو روہانسا کیا وہ الگ طیش سے بھی بھر دیا۔

"میری ہر قسم کی ذمہ داری آپ قبول کر چکے ہیں، زبردستی ہی سہی۔" وہ مشتعل ہو کر جتلا رہی تھی۔

"بڑی جلدی نہیں خیال آگیا تمہیں اس بات کا؟" معاذ کا لہجہ اس سے بڑھ کر طنز آمیز تھا، پرنیاں نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

"کہاں جانا ہے تمہیں بتاؤں مجھے؟"

"جہاں آپ جائیں گے میں بھی ساتھ چلوں گی۔" پرنیاں کے جواب پہ معاذ نے تھم کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"میں اگر کلب، یا پھر بار میں جاؤں گا تو تم بھی چلو گی ساتھ۔" پرنیاں کا رنگ ایک لمحے کو بالکل زرد پڑ گیا، اس نے بے دردی سے ہونٹوں کو کچل دیا تھا۔

"اچھا ہوا آپ نے خود اعتراف کر لیا کہ آپ کی یہ مصروفیات رہی ہیں۔" اس کے چہرے کے تاثرات کی نسبت اس کا لہجہ یاس بھرا تھا، معاذ نے مضحکہ آمیز قہقہہ لگایا۔

"اب یقیناً تمہارا میرے ساتھ جانے کا ارادہ بدل گیا ہوگا ہے نا؟" وہ ایک بار پھر گویا اسکا مذاق اڑا رہا تھا، پرنیاں نے کچھ کہے بغیر نگاہ کا زاویہ بدل لیا تھا اور پلٹ کر کمرے سے نکل گئی، معاذ یونہی ہنستا ہوا اس کے پیچھے آیا تھا۔

"دروازہ بند کر لو پاکباز لوگو! گڈ بائے ہم جا رہے ہیں۔" پرنیاں نے پھر جواب نہیں دیا تھا، معاذ نے کاندھے اچکائے اور پلٹ کر چلا گیا مگر اگلے چند لمحوں بعد ہی وہ غصے میں بھرا اس کے پاس واپس آیا تھا۔

"ڈور تم نے لاکڈ کیا ہے؟"

"ہاں میں نے کیا ہے۔" پرنیاں اس کے غصے سے خائف ہوئے بغیر ترنت بولی تھی۔

"کیوں؟ تمہیں کیا تکلیف ہے، چابی دو مجھے۔" وہ بھڑک کر کہہ رہا تھا، پرنیاں نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تو معاذ نے اس کا کاندھا جارحانہ انداز میں دبوچ کر جھنجھوڑا تھا۔

"تمہیں سنتا نہیں ہے کیا کہہ رہا ہوں میں۔"

"اگر میں کہوں نہیں سنتا تو پھر؟" پرنیاں نے جواباً اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تو معاذ ششدر رہ گیا بہادری اور دلیری کے اس اعلیٰ مظاہرے پہ۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟" وہ آنکھیں نکال کر غرایا تھا۔

"اگر آپ کسی ایسی فضول جگہ پہ جائیں گے تو میں ہرگز نہیں جانے دوں گی۔" دھونس کے اس مظاہرے نے معاذ کو حق دق کر کے رکھ دیا۔

"تم ہوتی کون ہو مجھ پہ اپنی مرضی چلانے والی؟ تمہیں جرأت کیسے ہوئی کہ تم میری جیب سے کی رنگ لو؟" وہ ایک دم اسے دبوچ کر جھٹکا دیتے ہوئے پھنکارنے لگا، اب کی مرتبہ پرنیاں نے جواب دینا بھی ضروری نہیں سمجھا۔

"مجھے چابی چاہیے پرنیاں، شرافت سے لے آؤ۔" وہ بری طرح سے جھنجھلا رہا تھا۔

"میں نہیں دے رہی، کہا نا نہیں جانے دوں گی۔" پرنیاں نے اسی غصے سے جواب دیا تھا، معاذ اسے کینہ توز نظروں سے گھورنے لگا۔

"کہاں ہے چابی بتاؤ مجھے۔" وہ اسے گھورتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں بتاؤں گی، کیا کر لیں گے آپ؟" پرنیاں کے جواب نے معاذ کا دماغ صحیح معنوں میں گھما کے رکھ دیا تھا، اس نے شدید طیش میں مبتلا ہو کر اسے دھکا دے کر بستر پہ گرا دیا۔

"چابی تمہاری جیکٹ میں ہے، نکال کر دو تمہاری بہتری اسی میں ہے۔"

"میں نہیں دوں گی کہا ہے نا۔" وہ پھر چیخی تھی، معاذ کچھ دیر اسے غضیلی نظروں سے گھورتا رہا تھا پھر انتہائی غضیلے انداز میں اس کے پاس بستر پہ آ گیا، پرنیاں نے بچاؤ کی خاطر اٹھ کر بھاگنا چاہا تھا مگر معاذ اس پہ گرفت کر چکا تھا، وہ اس کی جیکٹ کی پاکٹس کی تلاشی لینا چاہ رہا تھا مگر پرنیاں مزاحمت کر رہی تھی، اپنی اپنی کوشش میں مصروف دونوں بری طرح سے گتھم گتھا ہو چکے تھے، معاذ تو اتنے غصے میں تھا کہ اسے شاید اس حد سے بڑھی ہوئی قربت کا احساس تک نہیں تھا مگر پرنیاں بہت جلد ہمت ہار گئی تھی۔

"رکیں، پلیز میں دے رہی ہوں آپ کو۔" وہ بے اختیار چیخی تھی، معاذ اتنی دیر میں خود ہی پاکٹ سے کی رنگ برآمد کر چکا تھا۔

"بس اتنی ہی ہمت تھی؟" معاذ اس کی آنکھوں میں مچلتے آنسوؤں کو دیکھ کر طنز سے ہنسا پرنیاں نے نظریں چرا لیں، آنسو گالوں پر اتر آئے تھے۔

"مل گئی ہے نا آپ کو چابی، جائیں چلے جائیں۔" وہ بھراہٹ زدہ آواز میں بامشکل بولی۔

"چاہے بار یا کلب چلا جاؤں؟" معاذ نے اسے چھیڑا تھا۔

"میری بلا سے جہنم میں جائیں۔" پرنیاں نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا اور آنسو پونچھے، معاذ اسے

ترچھی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"چلو تم یوں رو رہی ہو تو نہیں جاتا۔" معاذ نے چابی ٹیبل پہ اچھال دی تھی۔

"ویسے تم رو کیوں رہی تھیں؟" معاذ نے اس کا سرخ ہوتا ناک دبایا، پرنیاں نے اس کا ہاتھ زور سے جھٹک دیا۔

"دماغ خراب تھا میرا۔" وہ پھنکاری تھی۔

"چلو دل ہی بہلانا تھا نا وہاں بھی جا کے، یہ کام گھر پہ بھی ہو سکتا ہے، کیا خیال ہے؟" معاذ نے اس کی سمت جھک کر معنی خیزی سے کہا تھا، وہ جھلس کر رہ گئی، پرنیاں کو لگا معاذ نے اسے ایک بار پھر دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا ہو، اب وہ اس سے جھگڑ نہیں سکی تھی، بس ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ کر شدتوں سے رو پڑی تھی، معاذ تو پھر کھلا کر رہ گیا۔

☆☆☆

"پرنیاں کیا ہوا ہے؟" وہ اسے چپ کرانا چاہ رہا تھا مگر پرنیاں اسے جھٹکتی وہاں سے اٹھ کر بھاگ گئی تھی، معاذ سرد آہ بھر کے رہ گیا۔

جہان واپسی کے لئے بالکل تیار تھا جب اس کے سیل پہ مسز آفریدی کی کال آنے لگی تھی، اس نے گہرا سانس بھرا اور ناچار کال ریسو کر لی۔

"کیسے ہو جہانگیر؟"

"کیسے فون کیا آپ نے؟" وہ چاہنے کے باوجود ان سے اپنا رویہ صحیح نہیں کر پا رہا تھا تو وجہ ان کی وہ چالبازیاں ہی تھیں جن کے باعث اس پہ اس کی اپنی زندگی الجھ کر رہ گئی تھی۔

"مجھ سے ابھی تک خفا ہو؟" انہوں نے جس شاکی انداز کو اپنایا تھا وہ جہان کے ہونٹوں پہ زہر خند بکھیر گیا۔

"مطلب کیا ہے آپ کا اس بات سے؟" اس کا لہجہ و انداز اب بے حد کڑا تھا۔

"تم مطلب نہیں سمجھتے ہو کیا؟ کل میری بیٹی کو بہانے سے اپنے گھر لے گئے اور اس سے خدمتیں حاصل کرتے رہے، یہ کس قسم کی خدمتیں تھی اس کی نوعیت سمجھنا مشکل کام تھوڑی ہے۔" ان کے لہجے کا سطحی پن اور سوچ کا گھٹیا انداز جہان کو بھک سے اڑا گیا تھا، اس کا خون لمحوں میں سمٹ کر چہرے پہ جمع ہو گیا، آنکھیں جل اٹھی تھیں، توہین، سبکی اور خفت کے احساس سے کچھ بولنے کے قابل نہیں ہو سکا تھا۔

"اب بولتے کیوں نہیں ہو مسٹر جانگیر، ایک بات یاد رکھنا میں اپنی بیٹی کو تمہاری اس قسم کی عیاشیوں کا ذریعہ نہیں بننے دوں گی، بہتر ہو گا تم اسے با عزت طریقے سے رخصت کرا کے لے جاؤ۔" وہ دانت بھینچ کر کہہ رہی تھیں، جہان کے چہرے سے بھاپ نکل رہی تھی، اس نے کچھ کہے بغیر سلسلہ کاٹ دیا، اسے لگ رہا تھا کسی نے اسے بے دردی سے خاردار جھاڑیوں پہ گھسیٹا ہو، پورے بدن میں کرب آمیز ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، ژالے یہاں آئی تھی، اس بات سے صرف وہ اور ژالے ہی آگاہ تھے، مسز آفریدی کو اگر یہ بات پتہ چلی تھی تو اس کا صاف اور سیدھا مطلب تھا کہ ژالے سے ہی پتہ چلی تھی، اس کے دل میں گنجائش تو پہلے بھی نہیں تھی ژالے کے لئے مگر اس حد تک نفرت اور بغض بھی نہیں تھا جو اب ایکدم سے آ گیا تھا، اس کے اندر اتنی آگ بھڑک رہی تھی کہ اگر ژالے اس کے سامنے آ جاتی تو شاید اسی جنونی

کیفیت میں اسے شوٹ کر ڈالتا، لاہور تک سے کراچی کا سفر اس نے یونہی طے کیا تھا گویا ہر لمحہ خود کو سلگتے کوئلوں پہ برہنہ پا محسوس کیا ہو، اس کا موڈ بری طرح سے خراب تھا، گھر آ کے اس نے اپنے کمرے کا رخ کیا تھا، یہ بھی غنیمت تھا کہ شاہ ہاؤس کے کسی مکین سے سامنا نہیں ہوا تھا، باتھ لے کر اس نے اپنے اندر بھڑکتی آگ کو بجھانے کی سعی کی تھی مگر کامیابی نہیں ہو سکی تھی، بستر پہ گر کر اس نے سگریٹ سلگایا اور گہرے کش لینے لگا، جانے کتنی دیر خود اذیتی اور آگ و دھویں کا یہ کھیل جاری رہا تھا، وہ چونکا تھا اس وقت جب اس کے سیل فون پھر سے گنگنانے لگا تھا، اس نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل پہ رکھا ہوا سیل فون اٹھایا، پپا کی کال تھی وہ ایکدم سیدھا ہوا۔

"السلام علیکم چاچو!" خود کو کمپوزڈ رکھنے کی کوشش کے باوجود وہ لہجے کو معمول کے مطابق بنا سکا اور پپا تو گویا اس کی رگ رگ سے واقف تھے۔

"وعلیکم السلام بیٹے! خیریت طبیعت ٹھیک ہے آپ کی؟"

"جی الحمدللہ۔"

"واپس آ گئے ہیں آپ؟"

"جی چاچو! کچھ تھکان تھی، جبھی کچھ دیر ریسٹ کا سوچا تھا۔"

"شیور مائی سن! آپ کا آفس آیئے گا ڈونٹ وری اور تھکان آپ کو سفر سے نہیں تنہائی کے عذاب سے محسوس ہوتی ہے، آئی تھینک اب ہمیں اپنی بہو کو رخصت کرا لانا چاہیے۔" ان کے بے تکلف ہلکے پھلکے لہجے میں کچھ تو ایسا تھا جو غیر معمولی تھا یا پھر خود جہان ہی بے حد زود رانج ہو رہا تھا کہ اس بات پہ تکلیف دہ حد تک چونک کر رہ گیا۔

"ایسی ہر گز کوئی بات نہیں ہے چاچو۔" اس کا لہجہ آپوں آپ ہی سخت اور دو ٹوک ہو گیا جس کا اسے خود احساس نہیں تھا، پپا نے بہت تحمل سے اس کی بات سنی تھی پھر یقیناً مسکرائے تھے۔

"بیٹے وہ بچی اب آپ کی ذمہ داری ہے اور اچھے بچے اپنی ذمہ داریوں سے نہ جی چراتے ہیں نہ گھبراتے ہیں، مجھے ہر گز اچھا نہیں لگتا ہے کہ ہم خوامخواہ بچی کو انتظار میں بٹھائے رکھیں۔" وہ رسان سے کہہ رہے تھے، جہان کے اندر یکلخت گہرا اور پر اسرار سکوت اتر آیا، اسے پکا یقین ہوا تھا یہ نیا شر بھی مسز آفریدی کا پھیلا ہوا ہے۔

"آپ کو کال کی ہے مسز آفریدی نے چاچو؟"

"وہ نہ بھی کہیں گی بیٹے تو ہمیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے۔" پپا کا انداز ہنوز مدہم اور ناصحانہ تھا، جہان کی پیشانی کی شکنوں میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

"معاذ کی شادی کو ابھی محض ایک ماہ بھی نہیں ہوا ہے چاچو، پھر سے گھر میں ہم نیا کھڑاک پیدا کر لیں، اگر انہیں اتنی جلدی تھی تو پھر یہ کام تب ہی ہو جانا چاہیے تھا۔" وہ اتنا جھنجھلایا تھا کہ اس جھنجھلاہٹ میں یہ بات کہہ گیا، پپا کی ہنسی اسے سنائی دی تھی پھر وہ بے حد خوش گوار موڈ میں گویا ہوئے تھے۔

"ہم نے تو تب بھی کہا تھا آپ ہی نہیں مانے تھے، اب پچھتا رہے ہیں کیا؟" جہان بری طرح سے خفت کا شکار ہوا تھا۔

"میں تو اب بھی نہیں مان رہا ہوں چاچو۔" اس کی جھلاہٹ کے جواب میں پپا ایکدم سنجیدہ ہو گئے

تھے۔

"حالات و واقعات جو بھی تھے جہان بیٹے مگر اب یہ طے ہے کہ ژالے بیٹی ہی آپ کی زندگی کی ساتھی ہیں، میں نے کہا نا آپ کو اپنی ذمہ داری سے نظریں نہیں چرانی چاہئیں، میں مسز آفریدی کو شادی کی تاریخ دے رہا ہوں، مجھے امید ہے میرا فرمانبردار بیٹا ہمیشہ کی طرح کو آپریٹ کرے گا۔" پپا کی بات نے اسے گم صم کر کے رکھ دیا تھا، کال کٹ گئی تھی اور اس کی سماعتوں میں سرد ہواؤں کی سنسناہٹ تھی۔

☆☆☆

"مجھے ٹریولنگ کا جنون ہے، ایسے آدمی سے شادی کروں گی میں جو مجھے پورے پاکستان کی کیا پوری دنیا کی سیاحت پہ لے کے چلے۔"

دور کہیں، بہت دور سے ایک کھنکھتی پر جوش آواز بازگشت بن کر اس کے اطراف میں بکھرنے لگی اور اس کی جلتی آنکھوں میں اتری نمی بھی گویا بھاپ چھوڑنے لگی۔

"اس کے لئے تو دو باتوں کا ہونا اہم ہے، ایک اس آدمی کا مالدار ہونا دوسرا تمہارا رج کے فرمانبردار ہونا، اب تم سوچو ایسا کون سا آدمی ہے؟" اس کی باتوں کے جواب میں تب زیاد نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"پھر ٹھیک ہے میں جے سے شادی کرلوں گی، بڑے چاچو کی ساری جائیداد جے کی ہی ہے نا اور صرف جے ہی ہیں اس پوری دنیا میں جو میری کوئی بات نہیں ٹالتے، کیوں جے؟ آپ کریں گے نا مجھ سے شادی۔" پندرہ سالہ زینب دو موٹی چوٹیوں کے درمیان چہرے پر ڈھیروں اشتیاق لئے اس کے روبرو آ کھڑی ہوئی تھی، جہان ان دنوں نیا نیا یونیورسٹی میں آیا تھا اور شائی اتنا تھا کہ ابھی تک اپنی شادی کے تذکرے پہ لال ہو جایا کرتا تھا، زینب کے منہ سے ایسی بات سن کر وہ اتنا گڑبڑایا تھا کہ اٹھ کر وہاں سے بھاگ گیا تھا، اس نے اللہ جانے زینب کو کتنا پریشان اور تنگ کیا ہو گا کہ وہ اس سے باقاعدہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی تھی، جہان تو اس بات کو بھول بھی گیا تھا مگر زینب یاد رکھے تھی اور اس سے بات نہیں کرتی تھی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟ خفا کیوں ہو؟" مما کے کہنے پہ وہ اسے اپنی بائیک پہ اسکول چھوڑنے والا تھا مگر زینب کے تڑ سے انکار پہ حیران ہو کر سوال کر رہا تھا۔

"میں اب آپ سے کبھی بھی بات نہیں کروں گی۔"

"ہائیں وہ کیوں؟" جے کی آنکھیں پھٹنے والی ہو گئیں۔

"آپ نے اس دن مجھ سے شادی کی حامی نہیں بھری، زیاد بھائی لالے اور نوریہ کے سامنے اتنی انسلٹ کی میری سب میرا مذاق اڑا رہے تھے، اچھے دوست ہرگز ایسے نہیں ہوتے۔" آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو لئے وہ کسی بھی پل رو پڑنے کو تیار تھی، جہان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔

"میں تم سے شادی کرلوں گا زینی بس تم روؤ نہیں۔" اس نے کہا تھا، بس وہ اس وقت اس کے چہرے پہ خوشی کا تاثر دیکھنا چاہتا تھا اور وہ واقعی چہک اٹھی تھی۔

"رئیلی جے؟ پھر آپ مجھے بہت سارا گھمائیں گے بھی نا، میری ہر بات مانا کریں گے نا؟"

"ہاں میں تمہاری ہر بات مانا کروں گا اور......" اس کی بات تب وہاں مما کے آجانے سے ادھوری رہ گئی تھی، ورنہ وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ اس لئے اس کی ہر بات مانے گا کہ وہ اسے بہت اچھی بہت

پیاری لگتی ہے، وہ اسے بتانا چاہتا تھا، پوری دنیا میں بس وہی ایک لڑکی ہے جسے وہ سب سے زیادہ محبت کرتا ہے، مگر وہ بتا نہیں سکا تھا، اس وقت ہی نہیں پھر کبھی بھی نہیں مگر اس نے اپنا وعدہ ضرور پورا کیا تھا، اس کی ہر بات ماننے کا وعدہ، اس کے باوجود کہ زینب اپنی کہی ہر بات بھول گئی تھی۔

☆☆☆

زندگی کی ناؤ کو کچھ اور ڈگمگانا ہے
پر ہم کو لوٹ آنا ہے
تم سے کیا کہیں جاناں!
دھواں دھواں سا آسماں
کٹے پھٹے سے بادباں
شیو ریدہ سرد ہوائیں بھی
ڈھکی چھپی مسافتیں
مسافتوں کی دھند میں گم
ہزار ہا جزیرے ہیں
ہزار ہا جزیروں میں
ایک وہ جزیرہ ہے
جس کی وسعتوں میں گم
اک حساس آشنا
ہمیں واپس بلاتی ہے
تم سے کیا کہیں جاناں
میرے چار سو بہت دور تک
بڑی کہر ہے جی
اور راستے مسدور ہیں
پر ہم کو لوٹ آنا ہے
اس جزیرے کی طرف
جس پہ تم کھڑے ہو گے
تم جو اک جزیرہ ہو
وقت کے سمندر میں
اور آخری جزیرہ ہو

ناشتے کے برتن دھونے اور کچن کی صفائی کے بعد وہ دروازہ بند کرتی اپنے ٹھکانے پہ آ گئی، صوفے پہ بیٹھ کر کمبل ٹانگوں پہ ڈالا اور ریموٹ اٹھا لیا، معاذ اپنے کمرے میں تھا، یقیناً کہیں جانے کی تیاری میں مصروف، وہ جلتی کڑھتی رہی اور چینل سرچنگ میں مصروف تھی۔

"اٹھو، تیار ہو جاؤ۔" معاذ نے آ کر اس کے ہاتھ سے ریموٹ چھینا اور ٹی وی آف کر دیا، پرنیاں کا

دل زور سے دھڑکا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟ گھر والوں کے لئے شاپنگ کرنی تھی، تم ساتھ چل رہی ہو میرے، پھر جا کے شکایتیں لگائی پھرو گی کہ میں نے وہاں جا کے تمہیں فراموش کیے رکھا۔"

اسکائی بلیو پینٹ کوٹ میں اس کی سرخ وسفید رنگت بے پناہ وجیہہ چہرا پرکشش آنکھیں اور غضب کی اسمارٹنس بے حد نمایاں تھیں، خوشبوؤں میں بسا وہ کتنا فریش اور شاندار لگ رہا تھا جب کہ پرنیاں اس کے مقابل پچھلے دو دن پہلے پہنے ہوئے لباس میں مضمحل سی نظر آ رہی تھی، سامنے ڈائننگ ہال کا آئینہ بہت وضاحت سے دونوں کو دکھا رہا تھا، پرنیاں کا دب عجب سے احساسات سمیٹ کر ملول ہونے لگا۔

"شکایتیں لگانا میری عادت نہیں ہے، آپ کو اس فکر میں ہلکان ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس نے آنکھوں کی ساری نمی اندر اتار لی تھی، معاذ نے دھیان سے اسے دیکھا۔

"میں جانتا ہوں شکایتیں لگانے کی عادت نہیں ہے تمہیں، ورنہ یہ اتنی بری بات گھر والوں سے چھپی ہوئی نہ رہتی۔" معاذ کے لہجے کی چبھن بے حد واضح تھی، ہاتھ بڑھا کر وہ اس کی دونوں کلائیوں کے زخم باری باری جانچ رہا تھا، پرنیاں ساکن بیٹھی رہ گئی، معاذ نے گہرا سانس بھر کے خود اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"انا اچھی چیز ہے مگر اس کی سرحدیں بہرحال خود اذیتی سے جا کر نہیں ملنی چاہئیں، تم خود سے زخموں کی ڈریسنگ اچھے انداز میں نہیں کر پا رہی تھیں تو تمہیں مجھ سے نہ سہی کسی اچھے ڈاکٹر سے ضرور کنسلٹ کرنا چاہیے تھا، میں بھول گیا تھا، تم تو نہیں بھولی تھیں نا؟" وہ سخت خفا ہو کر اسے دیکھ رہا تھا، پرنیاں کی کلائیوں کے زخم ہنوز کچے تھے اور کام کی وجہ سے ان سے خون رستا رہتا تھا، پرنیاں جیسی تیسی خود ڈریسنگ کرتی تھی، بائیں ہاتھ کی تو پھر بھی ہو جاتی دائیں ہاتھ کی حالت زیادہ خراب تھی۔

"آپ کا مجھے یا میری کسی بات کو بھول جانا میرے لئے معمولی بات ہے، آپ بھی گلٹی فیل نہ کریں۔" اس کا لہجہ صرف طنزیہ نہیں تھا، درد اور اذیت کے رنگ میں بھی ڈوبا ہوا تھا، معاذ نے جیسے اس کی بات سنی نہیں، اٹھ کر بیڈ روم سے میڈیکل باکس اٹھا لایا تھا۔

"مجھے آپ سے ڈریسنگ نہیں کروانی۔" پرنیاں نے دونوں ہاتھ پشت پہ کر لئے، اس کے لہجے میں عجیب دل شکستگی اور ہٹ دھرمی بیک وقت تھی، معاذ نے میڈیکل باکس کھولا پھر اسے دیکھا تھا۔

"دل کر رہا ہے تمہارے منہ پر تھپڑ مار کر تمہاری یہ فضول اکڑ نکال دوں، حد ہوتی ہے بدتمیزی کی۔" معاذ نے زبردستی اس کی کلائی سامنے کرنا چاہی تو پرنیاں کی مزاحمت کے جواب میں وہ کھولتے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

"ہاں ماریں مجھے تھپڑ آپ، کوئی نیا کام تھوڑی کریں گے، یہ میری بدقسمتی تھی کہ ددا آپ کے حوالے مجھ مجبوری میں کر کے خود چلے گئے، آپ نے مجھے کبھی بیوی نہیں سمجھا ہمیشہ اپنی جاگیر سمجھا ہے، جس کو پیروں سے روندا جاتا ہے۔" وہ یک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی، معاذ کو اس کی قیافہ شناسی اور اندازوں پہ مزید قہر چڑھا تھا۔

"صرف تمہاری نہیں تھی یہ بدقسمتی میرا بھی مقدر پھوٹ گیا ہے تم سے شادی کر کے، جان عذاب میں ڈال دی ہے تم نے میری، ہر وقت کا رونا ہر وقت کی نحوست۔" معاذ کا مخصوص قسم کا قہر ظاہر ہوا تھا اور وہ لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ تنتناتا ہوا اٹھ کر دوبارہ اپنے کمرے میں جا گھسا، پرنیاں وہیں گھٹنوں میں

سر دیئے سسکیاں بھرتی رہی، کال بیل کی آواز پہ اس نے کسی قدر دہل کر سر اٹھایا، جب سے وہ سامنے والا آدمی اس کے پیچھے پڑا تھا وہ کسی قدر خوفزدہ رہنے لگی تھی اس وقت بھی اس کا سب سے پہلا دھیان اس سمت گیا تھا، عجیب متضاد سی کیفیات کا شکار وہ وہاں بیٹھی رہی، خود دروازے پہ جاتے خوف آتا تھا جبکہ کال بیل وقفے وقفے سے بجائی جا رہی تھی، اگر معاذ اندر سے نکل آتا تو پھر اس کے بعد کا سوچ کر اس کی روح لرز اٹھی، لرزیدہ قدموں سے وہ خود اٹھ کر بیرونی دروازے تک آئی تھی، میجک آئی سے دیکھا تو لزا کی شکل نظر آئی۔

"جی فرمایئے۔" اس نے پٹ وا کر کے بے حد خشک انداز میں سوال کیا تھا، سلیولیس گہرے گلے کے اسٹائلش ٹاپ اور آف وائیٹ ایمبرائیڈڈ محض ایک تہائی ٹانگوں کو چھپاتے سکرٹ میں ملبوس سنہرے بالوں والی لزا کو دیکھ کر اس کا موڈ کچھ اور بھی غارت ہو گیا تھا۔

"حسن کہاں ہے؟ میں تو اس سے ملنے آئی تھی اور تم کون ہو؟" لزا کی بڑی بڑی سنہری آنکھوں میں ناگواری سی پھیل گئی۔

"ان کا نام معاذ حسن ہے محترمہ، ہزبینڈ ہیں وہ میرے، آپ تشریف لے جائیں، اس وقت وہ گھر پہ......"

"ہائے حسن...... ہاؤ آر یو۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی لیزا کی نگاہیں اس کے پیچھے تھیں اور وہ ایکدم سے اچھل کر چہکی تھی، پرنیاں میکانکی انداز میں مڑی، معاذ حسن چہرے پہ سنجیدگی لئے موجود تھا، اس کا موڈ اتنا خراب ہوئے کہ وہ ایک جھٹکے سے پلٹ کر چلی گئی، لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھ کر گو کہ اس نے پھر سے ٹی وی آن کر لیا تھا مگر ساری کی ساری توجہ جیسے معاذ کی سمت اٹکی ہوئی تھی اور بے چینی کا وہ عالم تھا کہ بار بار پہلو بدلتی تھی، معاذ کی کچھ دیر تک دروازے پہ بات چیت کی آواز آتی رہی پھر وہ اسے لے کر ڈرائینگ روم میں چلا گیا تھا، پرنیاں کی جان کچھ اور سلگتی اور آنکھوں میں خوامخواہ نمی اترنے لگی۔

"چائے بنا دو، ساتھ میں کچھ اسنیکس بھی۔" معاذ کی آواز پہ وہ حیرانی سے مڑی، وہ دروازے میں کھڑا تھا۔

"مجھ سے ایسے فضول لوگوں کی خدمتیں نہیں ہوتیں ویسے بھی محترمہ چائے نہیں شراب پیتی ہوں گی، وہ منگوائیں ان کے لئے۔" ریموٹ پٹخ کر وہ لال ہوتی آنکھوں سے سمیت چیخی، معاذ کو وہیں چھوڑ کر وہ تلملاتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی، مگر اس طرح ابال نکال کر بھی چین کہاں آیا تھا، کچھ دیر تک مضطرب سی ٹہلتی رہی پھر کچن میں آ گئی تھی، چائے تیار کی ساتھ میں بسکٹس اور نمکو کے علاوہ کیک اور کباب بھی رکھ دیئے، ٹرے اٹھائے وہ ڈرائینگ روم میں آئی تو لیزا صوفے پہ بیٹھے معاذ کے قدموں میں بیٹھی نظر آئی تھی۔

"تم اتنے عرصے بعد لوٹے ہو حسن، میں نے ہر گھڑی ہر پل تمہارا انتظار کیا، تم جانتے تھے میں تم سے محبت کرتی ہوں، پھر بھی تم نے پاکستان جا کر شادی کر لی، وائے؟" شاید وہ رو رہی تھی، پرنیاں ساکن رہ گئی۔

"تم خوامخواہ جذباتی ہو رہی ہو لیزا، میں نے تمہیں کبھی پابند کیا تھا نہ تم سے شادی کا وعدہ۔" معاذ کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

"لیکن تم میرے جذبات سے تو کھیلے ہونا؟ تم نے میرے بڑھتے ہوئے قدموں کو کیوں نہیں روکا۔" لیزا کی سسکیوں میں کچھ اور اضافہ ہوا تھا، پرنیاں کے ہاتھوں میں ٹرے لرزی تھی اور برتن کھنک اٹھے معاذ نے چونک کر گردن موڑی، پرنیاں نے اس کی آنکھوں میں حیرت اور خجالت بیک وقت دیکھی تھی۔

"جسٹ شٹ اپ لیزا، فضول باتیں نہ کرو۔" ٹرے ٹیبل پہ رکھ کر پرنیاں جس پل دروازے سے نکل رہی تھی، پرنیاں نے اس کی دھاڑ سنی تھی، اس کے چہرے پہ زہر خند پھیل گیا تھا۔

(کہاں کہاں خود کو عیاں ہونے سے چھپائیں گے معاذ حسن) اس کی سوچیں تک زہریلی ہو رہی تھیں۔

اس کے بعد ان کے درمیان سرد مہری کچھ اور بھی گہری ہو گئی تھی، گو کہ وہ معاذ کی وضاحت اور صفائی کی منتظر نہیں تھی مگر پھر بھی اسے لگتا تھا، وہ اپنی پوزیشن کلیئر ضرور کرے گا، مگر معاذ نے اس سے وہ بات تو کیا کوئی اور بات بھی نہیں کی تھی، پرنیاں کے دل کا غبار اور بدگمانی حد سے سوا تھی، دوسری سمت معاذ تھا جو صورتحال کی اس گمبھیرتا سے مضطرب ہو چکا تھا، ہو حالات کو جتنا سدھارنے کی کوشش کر رہا تھا اسی قدر گمبھیر ہو رہے تھے، لیزا کے ساتھ اس کا تعلق ہلکی پھلکی دوستی بات چیت سے کبھی آگے نہیں بڑھا تھا مگر اب وہ خواہ مخواہ اس کے گلے پڑی جا رہی تھی، معاذ کی سختی کے جواب میں وہ اسے دھمکیاں دیتی ہوئی گئی تھی کہ اگر معاذ نے اس کی پذیرائی نہ کی تو وہ لازمی پرنیاں کو اس کے خلاف بھڑکا دے گی، یہی بات تھی جس نے معاذ کو سب سے زیادہ اپ سیٹ کیا تھا وہ جانتا تھا پرنیاں کو اس کے خلاف بھڑکانا ہرگز مشکل کام نہیں، جتنی وہ بدگمان رہتی تھی اس سے اس کے بعد تو لیزا کی آدھی ادھوری بات نے ہی اس کا موڈ اتنا خراب کیا تھا کہ وہ اسی کی طرف دیکھنا تک چھوڑ چکی تھی، بات کرنا تو دور کی بات تھی، اس کے آگے وضاحت یا پھر صفائی پیش کرنا معاذ کو اپنی پوزیشن مزید خراب کرنے کے مترادف لگ رہا تھا، سمجھوتہ اس کی فطرت میں نہیں تھا مگر اب وہ سمجھوتہ کرنے اور خود پہ جبر کرنے پہ مجبور ہو کر رہ گیا تھا، اپنے کمرے سے باہر نکل کر اس نے لاؤنج میں جھانکا، وہ صوفے پہ دوسری سمت کروٹ بدلے لیٹی تھی، معاذ اسے متوجہ کرنے کو کھنکارا تھا مگر اس کے وجود میں کوئی جنبش نہیں ہوئی۔

"اندر آؤ، مجھے بات کرنی ہے تم سے۔" معاذ کو اسے آواز دینی پڑی تھی، پرنیاں کچھ دیر تک بے حس و حرکت پڑی رہی تھی پھر آنکھوں سے بازو ہٹایا تھا۔

"جو بھی بات آپ کو کرنی ہے یہیں کریں میں اندر نہیں آ رہی۔" وہ تروٹھے پن سے بولی تو معاذ نے ٹھنڈا سانس کھینچا، اس کے چہرے سے بے بسی کا بہت واضح اظہار ہوا تھا۔

"تمہارے ہاتھ کا زخم کیسا ہے اب؟"

"بہتر ہو گا آپ فضول باتیں چھوڑ کر مقصد کی بات کریں۔" پرنیاں کا لہجہ صرف خشک نہیں تھا، توہین کے احساس نے معاذ کا چہرا دہکا سا ڈالا۔

"بدتمیزی کی کوئی حد ہوتی ہے پرنیاں! بات کرنے کا یہ کون سا انداز ہے؟" وہ کسی طرح بھی خود پہ ضبط نہیں کر سکا تھا، پرنیاں زہریلی ہنسی ہنسی اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"اگر آپ کی عیاشیوں کی اور بے مہاریوں کی کوئی حد نہیں ہے تو میں تو پھر......" پرنیاں ایکدم

خاموش ہو گئی، معاذ کا ہاتھ اس پہ اٹھتا اٹھتا رہ گیا تھا، پرنیاں نے کاٹ دار اور سلگتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"ماریں نا...... رک کیوں گئے؟ یہاں آپ کو روکنے والا ہے بھی کون؟ میرے لئے تو ویسے بھی آپ کو ضرورت سے زیادہ اختیارات مل گئے ہیں، جن لڑکیوں کو میکے کی سپورٹ نہیں ہوتی وہ شاید یونہی ذلیل ہوتی ہیں قدم قدم پہ۔" وہ دلگیری سے کہتی آنسو بہانے لگی، معاذ کا سارا طیش جیسے انہی آنسوؤں میں بہہ گیا، عجب بے بسی اس کا احاطہ کرنے لگی۔

"طے کر رکھا ہے پرنیاں کہ ہمیشہ میرے مخالف چلنا ہے؟ کبھی مجھے سمجھنے مجھے جاننے کی کوشش بھی تو کی ہوتی۔" وہ سخت عاجز ہو کر کہہ رہا تھا، پرنیاں سر جھکائے رونے میں مصروف رہی، معاذ نے اس کی زخمی کلائیاں تھام لیں۔

"مجھے بتاؤ تمہیں کبھی نہیں لگا میں تم سے محبت کرتا ہوں؟" وہ اس کی جل تھل آنکھوں میں جھانک رہا تھا، جن میں بدگمانی ہی بدگمانی تھی۔

"نہیں مجھے نہیں لگا ایسا کبھی، مفاد پرست اور خود غرض لوگ محبت بھی اپنی اغراض سے کیا کرتے ہیں، محبت کا پہلا تقاضا عزت ہوتی ہے، آپ اس پہ کب پورے اترے جو میں اگلی بات کا یقین کروں۔" پرنیاں نے پہلے اس سے اپنے ہاتھ چھڑوائے تھے پھر قطعیت بھرے انداز میں بولی تھی، معاذ کا رنگ یکلخت پھیکا پڑ گیا، اسے خود کو سنبھالنے میں دشواری محسوس ہوئی تھی۔

"آئندہ لیزا یہاں آئے تو اسے اندر نہیں گھسنے دینا، مجھے اور تم سے کچھ نہیں کہنا۔" کچھ دیر بعد وہ بولا تو اس کا لہجہ پھر سے روکھا اور سرد تھا، پرنیاں کو جیسے آگ لگ گئی۔

"یہ سراسر آپ کا ذاتی مسئلہ ہے، میں مداخلت کرنے والی کوئی نہیں ہوتی۔" معاذ نے ایک بار پھر اسے عاجزانہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"تم خواہ مخواہ بات کو بڑھا رہی ہو پرنیاں۔" اب کے وہ جھلاہٹ کا شکار ہو کر کلس کر کہہ رہا تھا۔

"اگر آپ اس بات سے خائف ہیں کہ میں الٹی سیدھی واپس جا کر باتیں کروں گی تو ہمیشہ کے لئے بے فکر ہو جائیں، میں اس سے پہلے بھی آپ کے لئے بہت کچھ دیکھ چکی ہوں مگر وہ بس مجھ تک ہی محدود رہا ہے، آپ کی پوزیشن آپ کے اپنوں کے سامنے ہنوز کلیئر ہے۔" وہ اپنے مخصوص اکل کھرے انداز میں جتلا رہی تھی۔

"مجھے یہ پوزیشن صرف ان کے سامنے ہی کلیئر نہیں رکھنی، تمہارے سامنے بھی رکھنا چاہتا ہوں۔" معاذ کا لہجہ گمبھیر تر ہو گیا، پرنیاں نے ٹھٹک کر اس کی شکل دیکھی تھی پھر حقارت بھرے انداز میں مسکرا دی۔

"اگر یہ خواہش تھی تو پھر اپنے جذبات کو بھی سنبھالا ہوتا۔" وہ پھنکاری تو معاذ کا چہرہ تاریک پڑ گیا تھا۔

"میں نے ایسا کچھ غلط نہیں کیا ہے پرنیاں کہ......"

"مجھے وضاحتیں نہ دیں، وضاحتیں ہمیشہ جھوٹے لوگ دیا کرتے ہیں اوکے۔" اس کے دیکھنے کے انداز میں ناگواری بڑھی اور فہمائش تھی مگر آنکھوں میں بکھرتے خوابوں کی کرچیاں تھیں گویا، معاذ سناٹوں کی زد پہ آ گیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے، میری طرف سے جہنم میں جاؤ، میں لعنت بھی نہیں بھیجتا تم پہ۔" اس کا یہ سکتہ ٹوٹا تو وہ پھنکارتے ہوئے بولا تھا، پھر ٹیبل کو زور سے ٹھوکر مارتا کمرے سے نکل گیا، مصالحت کی ہر کوشش رائیگاں جا رہی تھی، پتہ نہیں حالات کس نہج پہ جا رہے تھے۔

☆☆☆

محبت کے سفر میں جب وفا کا سلسلہ لکھا
تو تجھ کو اپنی ہستی کو اکیلا آشنا لکھا
دنیا کی عداوت نے کافر تک کہا مجھ کو
پھر بھی میری چاہت نے تجھے سب سے جدا لکھا
میرے جذبوں کی طاقت کو کوئی بھی سمجھ نہ پایا
کسی نے ابتدا لکھا کسی نے انتہا لکھا
تیری ہستی قیامت تھی یا کوئی شہر تھا تجھ میں
کہ خود تقدیر نے تجھ کو دعا کا معجزہ لکھا
میری دھڑکن کی بندش یہ دنیا کے مسیحا نے
محبت کو غم لکھا تجھے اس کی دوا لکھا
مجھے یہ فخر ہے کہ میں تجھے تحریر کرتا ہوں
اسی خاطر تجھے پل پل اپنا ہمنوا لکھا

وہ کب سے ایک ہی زاویے پہ بیٹھی تھی، ساکن و سامت اور گم صم، ابھی کچھ دیر قبل مسز آفریدی اس کے پاس سے اٹھ کر گئی تھیں، اسے گل شاہ ہاؤس سے آنے والے مہمانوں کی آمد کا مژدہ سنا کر۔

"خیریت کیوں آ رہے ہیں وہ لوگ؟" اس کی حیرت بجا تھی، یہ سوال بھی فطری تھا۔

"تمہاری شادی کی تاریخ فکس کرنے آ رہے ہیں۔" ژالے کے اعصاب کو جھٹکا لگا تھا، اس نے تحیر و استعجاب کے عالم میں انہیں غیر یقین نظروں سے دیکھا۔

"میری شادی کی؟"

"اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟ کیا تمہاری یہ خواہش نہیں ہے؟ بہت اکڑ رہا تھا جہانگیر میں نے بھی سارا طنطنہ نکال کر رکھ دیا، میرے سامنے کب ٹھہرا ہے وہ جواب ٹھہرتا، مسز آفریدی کو آنکھیں دکھانے والے کو عمر بھر میرے قدموں میں گڑگڑانا پڑتا ہے۔" ان کے لہجے کا غرور اور تکبر ہرگز نئی بات نہیں تھی البتہ جو بات وہ کر رہی تھیں وہ کچھ انوکھی ضرور تھی، ژالے کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟ اب کیا کیا ہے آپ نے ممی؟"

وہ جو نیلما کی وجہ سے پہلے ہی پریشان تھی، کچھ اور بھی مضطرب نظر آنے لگی، ابھی کچھ دیر پہلے نیلما نے کال کر کے اپنے کارنامے سے پردہ اٹھایا تھا کہ اگر ایک بار اس کی کوشش ناکامی سے دوچار ہو گئی تو ضروری نہیں دوبارہ بھی ایسا ہو، یعنی اس روز اسے کڈنیپ کرانے کی حرکت نیلما کی تھی، ژالے کو اپنے وجود سے نفرت ہونے لگی تھی، کیسا تھا اس کا نصیب یا پھر اس کے رشتے ہی اتنے گھٹیا تھے کہ وہ اذیتوں میں مبتلا ہو کر رہ گئی تھی، ذلت اور شرمندگی کے پے در پے احساس اسے ڈھنگ سے سر اٹھانے بھی نہیں

دیتے تھے کہ ایک اور طوق اس کے لئے تیار ہو جاتا تھا۔

"جہانگیر ہرگز آسان ہدف نہیں ہے، اسے لائن پہ لانے کو مجھے ہمیشہ کوئی سازش تیار کرنا پڑی ہے، لیکن اس بار تو کام میری بیٹی نے خود آسان بنا دیا، تم گئی تھیں نا اس کے ساتھ اس کے گھر، اب چھپانا مت، بتاؤ مجھے وہ کس حد تک تمہارے حسن کے آگے بہکا اور اسے خراج پیش کیا۔"

"ممی پلیز۔" وہ توہین کے احساس سے جل اٹھی تھی، جبھی پوری قوت سے چلائی، جواباً مسز آفریدی نے اسے کسی قدر ناراضگی سے دیکھا تھا۔

"کوئی نازیبا بات کہہ دی ہے میں نے جو چلا رہی ہو، شوہر ہے وہ تمہارا۔" ان کے لہجے میں ناگواری کا تاثر تھا، ژالے نے جلتی ہوئی آنکھوں سے انہیں دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

"آپ اور میری سوچوں میں ہی نہیں عادات میں بھی فرق ہے مما آپ کو میری راہوں میں مزید کانٹے نہیں بکھیرنے چاہئیں، ایسے کانٹے جنہیں مجھے پلکوں سے ہٹانا پڑے، آپ کو اندازہ تو ہو گا یہ کتنا دشوار کام ہو سکتا ہے۔"

"میرے سامنے یہ فلسفیانہ گفتگو نہ کیا کرو، مجھے بس اتنا پتہ ہے کہ اگر میں تمہاری پشت پہ نہ ہوتی تو اول تو تمہارا نکاح نہ ہوتا جہانگیر سے دوسرے یہ کہ وہ قیامت تک تمہیں رخصت کرانے نہ آتا بجائے میرا احسان مند ہونے کے تم مجھے ہر وقت باتیں سناتی رہتی ہو۔" وہ چیخ کر کہہ رہی تھیں، ژالے نے متاسفانہ نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"خدا جب انسان کو زیادہ اختیارات دے دیتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے اس کی رسی دراز کر دی گئی ہے جس کا سرا اللہ کے ہی ہاتھ میں ہوتا ہے، انسان کو اپنی اوقات بھلا کر خود کو خدا نہیں سمجھ لینا چاہیے، فرعون نے یہ غلطی کی تھی، عبرت کا نشان ہے ابھی تک۔"

مسز آفریدی اس کی پوری بات سنے بغیر ہی باہر نکل گئی تھیں، ژالے ساکن بیٹھی رہ گئی، اسے مسز آفریدی کے غرور سے ہی خوف نہیں آیا تھا، اسے جہان کے سامنے اپنی مزید خراب ہو جانے والی پوزیشن پہ بھی جی بھر کے رونا آیا تھا۔

☆☆☆

رک گئی زندگی بس اک موڑ پر
تیرے بن یونہی موسم گزرتے رہے
دل کے آنگن میں روتی رہیں حسرتیں
آنکھ زندہ رہی خواب مرتے رہے
جب تلک تو میری سمت چلتا رہا
میری خوشیوں کا سورج نکلتا رہا
تیرے لہجے کی خوشبو میں بھیگے ہوئے
چاند تارے میرے گھر اترتے رہے
آنکھ میں چاہتوں کے سمندر لئے
کتنی جلدی تو مجھ سے جدا ہو گیا

جانے والے تجھے کیا خبر ہے کہ ہم
لمحہ لمحہ تیرے بعد مرتے رہے

ایزی چیئر پر بیٹھے اس نے کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھا، برف اسی تواتر سے گر رہی تھی، تاحد نگاہ دھند کا تسلط تھا، شاید یہ برف گرنے کے باعث فضا میں غبار تھا، ابھی کچھ دیر قبل مما کا فون تھا وہ اسے جہان کی شادی کی تاریخ کے متعلق بتا کر آنے کا کہہ رہی تھیں۔

''جے کی شادی......'' اس نے سوچا اور ایک لامحدود قسم کا خالی پن اس کے اندر اتر آیا تھا۔

(یو تم بھی مکمل طور پہ بیگانے ہوئے جے) اس کے دل نے کسی زیاں کے احساس کو بہت شدت سے محسوس کیا۔

''اصولاً تو مجھے تیمور کو کہنا چاہیے تھا مگر بیٹے ان کا نمبر مسلسل بزی جا رہا ہے، آپ ہمارا میسج انہیں دے دینا اور کل ضرور پہنچ جانا۔''

وہ انہیں بتا نہیں سکی تھی کہ تیمور کی شکل تو اس نے خود کئی ہفتوں سے نہیں دیکھی تھی، اللہ جانے کہاں مصروف رہتا تھا، اسے تو زینب کی طبیعت کی خرابی کی بھی پروا نہیں تھی گویا۔

''ابھی تو لالے کی شادی ہوئی ہے مما، اتنی جلدی بھی کیا ہے آخر؟'' وہ پتہ نہیں کیوں جھنجلا گئی تھی۔

''ایک کام جب ہونا ہی ہے تو پھر جلدی یا تاخیر کا کیا سوال، ویسے بھی کوئی کام ہوتا اسی وقت ہے جب اللہ کے ہاں اس کا وقت مقرر آ چکا ہو۔''

''ہمارا آنا شاید مشکل ہو مما، ادھر موسم بہت اپ سیٹ ہے، مسلسل برف پڑ رہی ہے، آپ کو پتہ ہے نا راستے بلاک ہو جاتے ہیں۔''

اس کے اندر ایسی ہی بے دلی اتر آئی تھی، پتہ نہیں کیوں اس مقام پہ آ کر وہ شاہ ہاؤس جانے سے گریزاں ہو گئی، شاید جہان کو اپنی نظروں کے سامنے کسی اور کا ہوتے دیکھنے کا حوصلہ ناپسند تھا، کیسا احساس تھا یہ جو بے حد جان، اس نے اک داؤ پہلے کھیلا تھا، خود کو وار پہ دانستہ چڑھایا تھا، حالانکہ لمحہ آخر تک وہ اس آس اور امید میں اٹکی منتظر رہی تھی جیسے پورا ہونا ہی نہیں تھا یہ نقصان تو ازل سے اس کا نصب بن چکا تھا۔

غصہ جھنجلاہٹ اور تلخی اسے اپنے حصار میں جکڑنے لگی، یہ غصہ ہی تھا کہ وہ اس غصے میں ایسی حرکت کر گئی تھی جس کا عام حالات میں اس کے پاس تصور بھی محال تھا، ملازمہ کے ذریعے اس نے ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا پیغام پہنچایا تھا اور خود اگلے چند لمحوں میں چادر میں سر تا پا خود کو ڈھانپے احتیاط سے چلتی پورٹیکو میں آ گئی، اندر کے گرم ماحول کی نسبت باہر غضب کی سردی تھی، وہ ٹھٹھر کر رہ گئی، ڈرائیور نظریں نیچی کیے مستعد تھا۔

''کہاں جائیں گی چھوٹی بی بی صاحبہ۔''

''جہاں آپ کے چھوٹے خان ہیں وہیں۔'' وہ اپنے ازلی اعتماد سے کہتی گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی جبکہ ڈرائیور اپنی جگہ اچھل گیا تھا۔

''ک...... کیا کہہ رہی ہیں چھوٹی بی بی۔'' ڈرائیور بے چارہ ششدر نظر آنے لگا۔

''دیکھو انہوں نے مجھے خود وہاں بلوایا ہے، شاید وہ کسی پرابلم میں ہیں، بہت پریشان تھے، جلدی

کرو ورنہ وہ تم پہ خفا ہوں گے۔'' ڈرائیور کی صحیح معنوں میں آنکھیں پھٹی رہ گئیں، صاف لگتا تھا اسے زینب کی بات کا یقین نہیں آ سکا تھا۔

''مم...... مگر بی بی صاحبہ! خان تو ہمیشہ منع کرتے ہیں کہ ان کے کسی بھی پوشیدہ ٹھکانے کے متعلق یہاں کسی کو نہیں بتانا اور......'' ڈرائیور بات پوری نہیں کر سکا تھا، بند گیٹ کے باہر تیمور خان کی جیپ کا مخصوص ہارن سنائی دیا تھا، ڈرائیور ایکدم سے چونک اٹھا۔

''خان آ گیا ہے۔'' زینب کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا، اسے ہرگز اندازہ نہیں تھا اس کے جھوٹ کا بھانڈا اتنی جلدی پھوٹ جائے گا۔

''تم کیا کر رہی ہو یہاں؟'' تیمور کی نگاہ اس پہ پڑی تو جیپ اسٹارٹ ہی چھوڑ کر اس کے پاس آ گیا، زینب ہنوز اسی طرح بیٹھی تھی، اس سوال پہ زہریلی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

''اگر میری اتنی فکر ہے آپ کو تو اتنا عرصہ غائب نہ رہا کریں، سمجھے آپ؟'' وہ پھٹ پڑی تھی گویا، جانے کب کب کا غصہ اور غبار تھا اور کس کس بات کا یوں نکلا تھا تیمور نے حیرانی کی نگاہ سے اس کے تنے ہوئے نقوش کو دیکھا تھا۔

''دماغ چل گیا ہے تمہارا، بات کیسے کر رہی ہو۔'' اس کی کلائی پکڑ کر مروڑتے ہوئے وہ بھیڑیے کی طرح سے غرایا تھا، درد کی شدت سے زینب کو ادھ موا کر دیا، وہ تڑپ کر دوہری ہو گئی تھی۔

''بہت خیال ہے آپ کو اپنی عزت کا؟ میں بھی آپ کی عزت ہی ہوں جس کا حق آپ دوسری عورتوں کی جھولیوں میں ڈالتے پھرتے ہیں۔'' تیمور اسے یونہی کلائی سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا اندر لایا تو زینب بلبلا کر کہتی چلی گئی تھی جس کے جواب میں تیمور کے الٹے ہاتھ کا تھپڑ اس کی ناک سے خون چھلکا گیا تھا۔

''اپنی زبان کو لگام دو، ورنہ اسے کاٹ کر پھینکنے میں ایک منٹ نہیں لگاؤں گا۔'' سرخ آنکھوں سے اسے گھورتا ہوا وہ زور سے پھنکارا تھا، زینب اس تذلیل پہ بھڑک اٹھی تھی۔

''میں آپ کی زرخرید نہیں ہوں تیمور صاحب کہ تم جو چاہو مجھ سے سلوک رکھو اور کوئی تمہیں پوچھنے والا بھی نہ ہو۔'' زینب نے اپنا دوپٹہ ناک سے بہتے خون سے رنگین ہوتا محسوس کیا اور چیخی۔

''کس پہ اکڑتی ہو تم؟ اپنے بھائیوں پہ یا پھر اس جہان پہ، سارے میرے قدموں میں رینگنے والے کیڑے مکوڑوں کی مانند ہیں جنہیں میں لمحہ بھر کی تاخیر کے بغیر مسل کے رکھ سکتا ہوں۔'' اس کے لہجے کے تکبر اور سفاکی نے لمحہ بھر کو زینب کو منجمد کر کے رکھ دیا تھا۔

''میری فیملی کے مرد نہ آپ کی طرح بزدل ہیں نہ بے غیرت اور عیاش، کہ وہ اپنے فضول کارناموں پہ کسی سے منہ چھپاتے پھریں۔'' یہ سخت بات تھی اور ظالم کے سامنے سچ بولنا ہمیشہ نقصان سے دوچار کرتا ہے، زینب سے یہی غلطی ہوئی تھی، پھر تیمور خان تھا اور اس کا وحشیانہ غصہ، اس نے یہ بھی پرواہ نہیں کی تھی کہ زینب پریگنٹ ہے، زینب جس کو کبھی کسی نے پھولوں کی چھڑی سے بھی نہیں چھوا تھا اس روز اس نے اپنے نازک وجود پہ بدترین تشدد برداشت کیا تھا، اس کی اٹھنے والی ہر چیخ کا گلا حویلی کے ساؤنڈ پروف دیواروں نے اندر ہی گھونٹ دیا تھا۔

☆☆☆

میں شام فروزاں ہوں میں آتش لرزاں ہوں

میں سوزش ہجراں ہوں میں منزل پروانہ
میں وصف بسمل ہوں میں رونق محفل ہوں
اک ٹوٹا ہوا دل ہوں میرے شہر میں ویرانہ
میں نعرہ مستانہ میں شوخی رندانہ
میں تشنہ کہاں جاؤں پی کر بھی کہا جانا

زینب کے نہ آنے کو کسی نہ بھی اتنی شدت سے محسوس نہیں کیا تھا، شاید سوائے خود اس کے، حالانکہ اس موقع پہ وہ خود اس کے سامنے سے بے حد خائف تھا، ایک وہی تھا جس سے وہ خود کو عیاں کرنے سے ہمیشہ گریزاں رہا تھا، مگر اب جبکہ گھر کے بزرگ لاہور کی فلائیٹ پکڑ کر جا بھی چکے تھے، وہ تحمل پھر رہا تھا، پتہ نہیں بے چینی کے احساس کے ساتھ زینب کا خیال اتنا حاوی کیوں تھا، حالانکہ دیگر گھر والوں کی طرح اس تک بھی زینب کا عذر پہنچ چکا تھا مگر وہ اس دل کا کیا کرتا جسے قرار میسر نہیں تھا، یہ اضطراب اس حد تک بڑھا تھا کہ وہ تمام احتیاط بھلائے زینب کا نمبر ڈائل کر چکا تھا، بیل جاتی رہی مگر وہ کال ریسو نہیں کر رہی تھی، جتنی بھی ناراضگی سہی مگر وہ اس کا فون ہمیشہ سنا کرتی تھی، اب کیا ہوا تھا، سوچیں اسے بیکل کرنے لگیں، انہی سوچوں کے ساتھ اس نے پھر سے نمبر ڈائل کیا تھا، تیسری سے چوتھی بیل پہ کال ریسو کر لی گئی۔

''السلام علیکم، کیا حال ہے زینب، کہاں تھیں تم، میں کب سے ٹرائی کر رہا ہوں۔'' وہ جہاں مطمئن ہوا تھا وہاں تشویش کا اظہار بھی کر گیا تھا۔

''یہ میں ہوں تیمور، زینب کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ سو رہی ہے، کوئی خاص بات؟'' تیمور کی بوجھل آواز میں رکھائی اور بے اعتنائی تھی، جہان کو تو اس سے بات ہونے کی توقع نہیں تھی اس پہ یہ نخوت بھرا انداز، جہان ایکدم ریز روڈ ہوا تھا۔

''نہیں ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی، اس کی خیریت ہی پوچھنا تھی، کیا ہوا ہے اسے؟''

''مسٹر جہانگیر ہم خالص پٹھان لوگ ہیں اور اپنی بیویوں کے ساتھ ان کے کزنز کی بے تکلفی کو بے حیائی سے تعبیر کرتے ہیں، کیا مجھے آپ کو بتانا چاہیے کہ مجھے آپ کی یہ جسارت پسند نہیں آئی؟'' تیمور خان کا لہجہ تیکھا اور ترش تھا، جہان کی پیشانی سے پسینہ پھوٹ نکلا، اس کی مزید سنے بغیر تیمور نے کھٹ سے سلسلہ منقطع کر دیا تھا، جہان اپنا چہرا تپتا ہوا محسوس کرنے لگا، تیمور کے اس درجہ شدید رویے نے اس کا خون کھولا کے رکھ دیا تھا، وہ کتنی دیر تک ساکن بیٹھا رہا تھا اور خود کو سنبھال نہیں پایا تھا، پہلی بار اس نے بے احتیاطی کی تھی پہلی بار ہی اس کا شدید انجام اس کے سامنے آ گیا تھا۔

☆☆☆

''ہوگیں تم تیار؟'' معاذ نے دروازہ بجا کر اسے متوجہ کیا، گہرے گلابی رنگ کے جدید تراش خراش کے لباس میں وہ گلاب کا تر و تازہ مہکتا ہوا گلاب لگ رہی تھی، بالوں کو سمیٹ کر اس نے کیچر میں جکڑا اور سر پہ اسکارف باندھ کر شال اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ لی، اس نے معاذ سے یہ نہیں پوچھا تھا وہ اسے لے کر کہاں جا رہا ہے، بس وہ اسی کے بغیر یہاں رہ جانے کے خیال سے خائف تھی جبھی اس کے ساتھ جانے پہ آمادہ ہو گئی تھی، معاذ نے اس کا سرتاپا جائزہ لیا اور جیسے مطمئن ہو گیا، وہ دروازہ لاک کر کے مڑا تو

اس وقت اس کے سیل کی بیپ ہونے لگی تھی، معاذ اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا کوٹ کی جیب سے سیل فون نکالنے لگا، اسکرین پہ موجود نمبر دیکھ کر اس کے ہونٹوں کی تراش میں بہت دلکش مسکان اتری تھی۔

''ہاں جے بولو؟''

''کیسے ہو تم معاذ؟'' جہان کا لہجہ کچھ بجھا ہوا تھا معاذ چونک سا اٹھا۔

''ٹپ ٹاپ، مزے میں تم سناؤ طبیعت ٹھیک ہے؟'' معاذ نے نرمی سے کہا تھا اور لفٹ میں داخل ہو کر بٹن دبایا پھر پرنیاں کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی کھینچ کر اپنے مقابل کھڑا کر لیا تھا۔

''معاذ یہاں بہت کچھ گڑبڑ ہو رہا ہے یار، ریئلی میں بہت اپ سیٹ ہوں۔'' معاذ نے اس کی بات کے جواب میں قہقہہ لگایا تھا۔

''کیوں تمہاری شادی طے ہو گئی ہے، جو اتنے اپ سیٹ ہو؟''

''تمہیں کیسے پتہ؟'' جہان واقعی ہی ششدر رہ گیا تھا۔

''شادی ہی وہ مستقل مرد زر ہے جو انسان کا چین و سکون چھین لے مجھ سے بڑھ کر کون جانے گا اس کا عذاب۔'' اس نے ایک نظر اپنے مقابل بے نیاز کھڑی پرنیاں کو دیکھ کر سرد آہ بھری، مگر پھر چونک گیا۔

''کیا مطلب تم سچ کہہ رہے ہو؟''

''جھوٹ میں ایسی ہی فضول بات کہی تھی جس کے سچ ہونے کا خوف مجھے یہ بات منہ سے نکالنے نہیں دیتا تھا۔'' جہان کا لہجہ زہر خند ہوا جبکہ معاذ تحیر رہ گیا تھا۔

''یہ کیا چکر چلا رہے ہو بھئی، جبکہ ہم ابھی یہیں بیٹھے ہیں۔''

''سارے چکر اسی فضول عورت کے چلائے ہوتے ہیں، بلکہ صرف اس کے نہیں وہ معصوم چلترہ بھی شامل ہے۔'' وہ پھنکارا معاذ نے ٹھنڈا سانس بھر لیا۔

''ہوا کیا ہے یار یا تو کچھ میرے پلے میں بھی ڈالو۔'' جہان نے مختصراً اسے ڈالے والا واقعہ سنا دیا، جس کے جواب میں معاذ کی نہ رکنے والی ہنسی شروع ہو گئی تھی جس نے جہان کو بری طرح سے جھلاہٹ کا شکار کر ڈالا۔

''اگر تم میرے سامنے ہوتے تو میں اس فضول حرکت پہ دانت توڑ دیتا۔'' جہان نے دانت کچکچا کر کہا تھا۔

''مجھ پہ آخر کیوں غصہ ہو رہے ہو؟ تم ایسے ہاتھ آنے والے بھی کہاں تھی، ویسے مسز آفریدی کے خدشات کہیں سچ تو نہیں، بندہ بشر ہو تم بھی اور پھر بھابھی کی کمال کی خوبصورتی اس پہ تنہائی، انسان بہک سکتا ہے جناب۔'' وہ یونہی ہنس رہا تھا، جہان اتنا خفا ہوا کہ فون کاٹ دیا۔

''ہر کوئی ضروری نہیں آپ جیسا ہو، کوئی ان سب لوازمات کو پا کر بھی نہیں بہکتا وہ اور ہی ہوتے ہیں جو باقاعدہ کوشش کر کے ایسا ماحول بناتے ہیں۔'' پرنیاں جو اس کے پہلو میں کھڑی ساری گفتگو کا حرف حرف سن چکی تھی بے حد تلخ ہو کر بولی، عجیب انداز تھا تنفر اور حقارت سے بھرپور، معاذ جو مسکراتے ہوئے جہان کا نمبر ڈائل کر رہا تھا اس کے ہاتھ اسی زاویے پہ ساکن ہو گئے، اس کا چہرا جانے کس جذبے کے

تحت سرخ پڑا تھا، اس نے بہت سختی سے ہونٹوں کو بھینچا تھا۔

"کچھ لوگ بہت کینہ پرور ہوتے ہیں، یہ کینہ ان کی سوچوں کو خیالات کو اتنا محدود اور تاریک کر دیتا ہے کہ انہیں رویوں کی بھی پرکھ نہیں رہتی، ان کے پاس اتنی صلاحیت بھی نہیں ہوتی کہ سارے معاملے میں اپنا اور فریق ثانی کا قصور بانٹ سکیں، پورے انصاف اور توازن کے ساتھ، یہ لوگ نہ خود خوش رہتے ہیں نہ کسی کو خوش دیکھ سکتے ہیں، تمہارا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے، مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔" معاذ کا لہجہ و انداز جتنا پرسکون تھا، پرنیاں کو اسی قدر سلگا کے رکھ گیا، اس کا جی چاہا تھا آس پاس کوئی ایسی چیز ملے جس سے وہ معاذ کا سر پھاڑ دے، لفٹ رکی تھی وہ دونوں آگے پیچھے باہر نکل آئے، رات کا وقت تھا اور لندن ایک بار پھر بھیگ رہا تھا تارکول کی نم سڑکوں پہ اسٹریٹ لائٹس کی روشنیاں، دمک پیدا کر رہی تھیں، آسمان پر سفید بادل تھے اور ہلکی پھلکی بوندا باندی جاری تھی، اس کے صبیح چہرے پہ صبح نوخیز جیسی تازگی تھی اور آنکھوں میں نیند کا جو ہلکا سا خمار تھا۔

اس نے اسے پہلے سے بڑھ کر حسین بنا دیا تھا، مگر وہ دونوں ندی کے کناروں کی طرح ساتھ چلتے تھے جو ملتے نہیں ہیں، معاذ کا رخ اسٹیشن کی سمت تھا، اسٹیشن پہ زیادہ رش نہیں تھا، لندن کے ریلوے اسٹیشن کی شاندار عمارت مختلف روشنیوں سے جگمگا رہی تھی، زیر زمین چلنے والی ٹرینوں کا ایک جال تھا، جو لندن شہر میں بچھا ہوا تھا، یہ ٹرینیں ہر چند منٹ کے وقفے سے ہزاروں لوگوں کو اپنے شکم میں سموتے ان زمین دوز راستوں پر مستقل مزاجی سے سفر کرتی ہیں، لندن کا پورا شہر بیک وقت ایک سے زائد سطحوں پر آباد ہے، ایک زمین کے اوپر اور باقی زمین کے نیچے، سب سطحیں سب انتہائی گنجان، ان کی مطلوبہ ٹرین بھی اپنے مخصوص وقت پر مخصوص شور کے ساتھ آئی اور خودکار دروازے کھل گئے، وہاں نہ دھکم پیل ہوتی ہے نہ ٹکٹ کے باوجود سیٹ کا مسئلہ سو بہت آرام سے وہ دونوں آ کر اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے تھے، کتنے مسافر تھے مگر سب بے نیاز اور خود میں مگن وہاں کسی کو کسی سے کوئی غرض نہیں ہوتی، پرنیاں کھڑکی سے باہر تیزی سے گزرتے مناظر میں گم رہی پھر رہی تھی کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی، معاذ کے کاندھا ہلانے پہ وہ ہڑبڑا کر جاگی تھی۔

"اسٹیشن آ گیا ہے، ہمیں اترنا ہوگا۔" پرنیاں اپنا بیگ سنبھالتی اس کے ہمراہ پہلے ٹرین پھر اسٹیشن کی عمارت سے باہر آ گئی، یہ بریڈ فورڈ تھا، لندن کی نسبت یہاں کا موسم یکسر مختلف تھا، معاذ نے ٹیکسی روکی تھی، یہاں برف باری ہو رہی تھی اور برف صاف کرنے والی مشین سڑکوں سے برف ہٹا کر کناروں پر کرتی نظر آ رہی تھی، راستے میں نظر آنے والے مکانوں کی ترچھی چھتوں پر برف گری نظر آتی تھی، ان کی ٹیکسی بھی برف سے بھیگی سڑک پر پھسلتی جا رہی تھی آدھے گھنٹے کے ٹیکسی کے سفر کے بعد معاذ اپنا مختصر سامان لئے نیچے اتر آیا، پرنیاں اس کے ساتھ تھی، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی رات کے اس پہر اجنبی انجان ملک میں وہ مختلف شہروں کی خاک کیوں چھانتا پھر رہا تھا، اسٹریٹ ایکروبٹس (سڑکوں پر تماشا کرنے والے) سڑک پر اپنے فن کا مظاہرہ کرنے میں مصروف تھے، رنگین لوگوں کا مرکز بنی وہ انگریز لڑکی فٹ بال پر نہایت مہارت سے اپنا توازن برقرار رکھے ڈانس میں مصروف تھی، پرنیاں تو چلتے چلتے ٹھٹھک کر رک گئی، اس کے جیسے سانسیں بھی رکنے لگی تھیں، اس لڑکی کے بدن اور فٹ بال کی ہر حرکت پر اسے لگتا وہ ابھی نیچے گر پڑے گی، بیچ بیچ میں منچلوں کی سیٹیاں سنائی دیتیں جو مجمع میں شامل تھے مگر وہ لڑکی ہر شے سے

بے نیاز رقصاں رہی، جیسے ہی رقص ختم ہوا اور تالیوں کا شور فضا میں بلند ہوا جیسے پرنیاں کا رکا ہوا سانس بھی بحال ہوا اور وہ جیسے ہوش میں بھی آ گئی تب سب سے پہلے گھبرا کر اس کی نظروں نے معاذ کو کھوجا تھا، وہ بے خیالی میں رک گئی تھی، اللہ جانے معاذ کو خبر بھی ہوئی تھی یا نہیں اور وہ اسے چھوڑ کر اکیلا ہی کہیں کا کہیں نکل گیا ہو خیال تھا کہ پھر پھیری جس نے وجود میں سنسناہٹ بھر دی وہ گھبرا کر پلٹی اور معاذ سے ٹکراتے بچی تھی، وہ چند قدم کے فاصلے پہ موجود سینے پہ ہاتھ باندھے یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا، صاف لگتا تھا ساری دنیا اس نظارے میں محو تھی اس سے غافل وہ پرنیاں میں مگن تھا۔

"اب چلیں؟" اس کے متوجہ ہونے پہ وہ رسان سے بولا اور پرنیاں بے تحاشا خجل ہو کر رہ گئی۔

(کیا سوچ رہے ہوں گے میں پہلی بار یہ سب دیکھ رہی ہوں، جبھی سب کچھ فراموش کر گئی)، کچھ کہے بغیر پرنیاں نے قدم بڑھا دیئے تھے۔

"اونہہ ادھر نہیں ہمیں ادھر اس سمت جانا ہے۔" معاذ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کا رخ بدلا تھا، پرنیاں کچھ اور کھسیا گئی، معاذ نے جب بعد میں بھی اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تو وہ قدرے گھبرائی تھی، مگر معاذ اس سے بے نیاز اپنے سیل پہ نمبر ڈائل کرنے میں مصروف تھا۔

"کیا ہے یار! بات بات پہ بچوں کی طرح خفا ہو جاتے ہو؟" رابطہ بحال ہونے پہ وہ ڈانٹتے ہوئے بولا تھا۔

"تم بات ہی اتنی فضول کرتے ہو۔" جہان کا لہجہ ہنوز سرد تھا۔

"اب تم بھی دشمنوں جیسے اطوار اپنا رہے ہو ہر بات پہ ٹوکو گے ہر بات پہ گرفت کرو گے۔" معاذ نے سرد آہ بھر کے کہا اور کنکھیوں سے پرنیاں کو دیکھا، پرنیاں نے اس طنز کو محسوس کیا تھا جس کے نتیجے میں نہ صرف اپنا ہاتھ ایک جھٹکے سے چھڑایا بلکہ اس سے فاصلہ رکھ کر چلنے لگی، معاذ نے سرد آہ بھری تھی۔

"خیر چھوڑو تم بتاؤ کیا کر رہے ہو؟"

"میں بریڈ فورڈ کی سڑکوں پہ آوارہ گردی کر رہا ہوں، سنو فال ہو رہی ہے یہاں۔"

"پرنیاں کہاں ہے، میں نے کہا بھی تھا انہیں اکیلا نہ چھوڑا کرو۔"

"میرے ساتھ ہیں محترم آپ کی بہن صاحبہ، تم بتاؤ اپ سیٹ کیوں تھے؟" معاذ نے مطلب کی بات کی تھی، جواباً جہان کے ٹھنڈا سانس بھرنے کی آواز آئی۔

"بتا تو دی ہے وجہ۔"

"صرف یہی وجہ نہیں ہے جے آئی نو۔" معاذ کا پریقین لہجہ جہان کو مضمحل کر گیا تھا۔

"تم زینب کو کال کرو معاذ، بات کرواس سے۔"

"کیا مطلب؟ خیریت ہے نا جے۔"

"وہ کراچی نہیں آئی حالانکہ چچی جان نے بلوایا تھا اسے، میں نے کال کی تو تیمور نے فون اٹینڈ کیا، زینب سے بات نہیں ہو سکتی، بتا رہا تھا طبیعت خراب ہے۔"

"اور تم پریشان ہو گئے ہو، ہے نا؟" معاذ نے سرد آہ بھر کے سوال کیا، جہان خاموش رہا تھا، خاموشی کا یہ وقفہ طویل ہوا تو معاذ جھنجھلانے لگا۔

"تم صبر کر چکے ہو تو فراموش بھی کر دو جے، اس بند گلی میں کیوں آگے بڑھے جا رہے ہو؟"

''تم کال کرو گے اسے یا نہیں؟'' جہان نے اپنی بات کی تھی، معاذ نے بالوں میں ہاتھ پھیر کر سر پہ گری برف جھاڑی۔

''اوکے کرتا ہوں۔'' معاذ کی تسلی پہ جہان نے کال ڈراپ کر دی تھی، وہ اب رہائشی علاقے میں آ پہنچے تھے، یہاں بھی اسٹریٹس لائٹس روشن تھیں، ترچھی چھتوں والے مکان ایک لمبی قطار میں کھلی گلی میں دونوں اطراف کھڑے تھے جن کے نقشے ایک ہی طرز کے تھے، چوبی دروازے کے اوپر شیڈ جس پہ آرائشی بلب روشن تھا یہ مکان دو منزلہ تھے جن کا رنگ سرخ اور دروازے گولڈن کلر کے تھے، کھڑکیوں کے شیشے بالکل سیاہ تھے، معاذ ایک مکان کے سامنے جا کر رک گیا اور کال بیل کے بٹن کو دبایا، مکان کے آگے بنی کیاریوں میں موجود پھولوں کے پودے تازہ گری برف سے بوجھل ہو کر جھکے ہوئے تھے، ہواؤں میں شدت اور تیزی تھی، پرنیاں شال اور جرسی کے باوجود کپکپا رہی تھی۔

''کہاں لے آئے ہیں مجھے آپ؟'' اس کی خاموشی آخر ٹوٹ گئی تھی، لہجے میں ہلکی سی لرزش کے ساتھ ناگواری بھی تھی، اتنا تو بہرحال وہ بھی جانتی تھی یہاں ان کا دور پار کا بھی کوئی عزیز رشتہ دار نہیں ہے۔

''آپ کو یہ خیال بہت جلدی نہیں آ گیا، خیر جہاں اتنا صبر کیا ہے وہاں اور سہی۔'' اس اوندھے جواب پہ پرنیاں اسے ڈھنگ سے گھور بھی نہیں سکی تھی کہ کھٹ سے دروازہ کھل گیا، اگلا لمحہ پرنیاں کے لئے حیرت انگیز ثابت ہوا، کھلکھلاتی ہوئی ثنا نے اسے بہت والہانہ انداز میں کھینچ کر اپنے گلے سے لگایا تھا۔

''یہ سچ ہے نا پری کہ تم ہی ہو میرے سامنے، اس روز سر سے ملاقات ہوئی تو تمہارے یہاں ہونے کا پتہ چلا تھا، آج بھی یہ بار بار مجھے یہاں تمہاری آمد کا بتاتے رہے مگر مجھے جیسے یقین ہی نہ آتا تھا کہ میں تمہیں پھر سے دیکھ سکوں گی۔'' ثنا بار بار اسے چومتی شدتوں سے بھینچے جا رہی تھی، پرنیاں تو ششدر سی ششدر تھی، ثنا کا جوش و خروش کم ہوا اور اسے یقین بھی آیا تب وہ مسکراتے ہوئے انہیں اندر لائی تھی، معاذ نے راستے سے آتے ہوئے مٹھائی اور فروٹ بھی خریدا تھا جسے ثنا کا شوہر علی لے کر ٹیبل پہ رکھ چکا تھا۔

''اب بتاؤ کیسی ہو؟'' پرنیاں صوفے پہ بیٹھ گئی تب ثناء اسے مسکرا کر دیکھتی استفسار کرنے لگی۔

''تم یہاں کیسے؟ کیا تمہاری شادی ہو گئی ہے ثناء۔'' اس نے سب سے اہم سوال کیا تھا جواب میں ثنا کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے والی ہو گئیں۔

''کیا مطلب بھئی سر نے تمہیں نہیں بتایا کچھ بھی؟''

''نہیں مجھے تو تمہارے گھر کا دروازہ کھلنے تک بھی یہ نہیں پتہ تھا کہ میں تم سے ملنے والی ہوں۔''

پرنیاں کے جواب پہ ثناء کی شا کی نظروں کا رخ معاذ کی سمت مڑ گیا تھا۔

''دس از ناٹ فیئر سر۔'' معاذ نے جواب میں کاندھے اچکا دیئے۔

''ایکچوئیلی میں آپ کی سہیلی کو اچانک سرپرائز دینا چاہتا تھا، دیکھیں اب کتنی خوش ہیں یہ۔'' معاذ کے تبسم لہجے پہ پرنیاں ایکدم سے جھینپی تھی۔

''تم پہلے سے زیادہ حسین ہو گئی ہو پری، یہ سب سر کی رفاقتوں کا اعجاز ہے نا۔'' ثنا جب کھانا لگانے کو اٹھی تو پرنیاں بھی اس کے ساتھ کچن میں آ گئی تھی، اس کی بات پہ پرنیاں کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر

گزر گیا تھا۔

''لاؤ میں سلاد بنا لیتی ہوں، تم تب تک کھانا گرم کر لو۔'' پرنیاں نے گویا بات کا رخ بدلنا چاہا تھا۔

''میں نے سب کچھ تیار کر کے رکھا ہوا ہے، علی بہت کوآپریٹو ہیں یار۔''

''تمہاری شادی کب ہوئی ہے ثناء؟''

''اتفاقاً تمہارے جانے کے بعد میرے گھر سے کال آئی تھی، میں گئی تو نکاح خواں تیار بیٹھے تھے بس پکڑ کر مجھے دلہن بنایا اور بیاہ دیا، ایکچوئیلی علی صاحب یہاں پڑھائی کو آ رہے تھے اور گھر والے انہیں اکیلے بھیجنے پہ متامل تھے، وجہ یہاں کا ماحول تھا، ان کی لگام مجھے تھمائی ہے گویا، بس یار جھٹ پٹ سب ہوا ہے، عیش تو تمہارے بھی بہت ہیں، سر ہنی مون کے لئے لائے ہیں تمہیں۔'' ثناء نے بات کے اختتام پہ شوخی سے پرنیاں کو دیکھا، وہ جبراً ہی مسکرائی تھی، خوشگوار باتوں کے درمیان کھانا کھایا گیا تھا، پھر ثناء کافی بنا لائی تھی۔

''سر ویسے تو ہمارے گھر میں بھی دو بیڈ روم ہیں مگر ہم ترتیب بدلنے کا ارادہ باندھ چکے ہیں، یو تو آج آپ کے ساتھ سوئیں گے اور میں آپ کی مسز کے ساتھ، زندگی پھر جانے کب موقع دے، مجھے پری سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔'' ثناء نے کافی کا مگ معاذ کو دیتے ہوئے کہا تو معاذ اسے گھورنے لگا تھا۔

''ہرگز نہیں، آپ کچھ زیادہ ہی نہیں فری ہو رہی ہیں شاگردہ رشیدہ، میری بیوی پہ ہی قبضہ جمانے کا ارادہ باندھ لیا، آپ کو اچھی طرح سے اندازہ ہونا چاہیے کہ میں ان کے بغیر سونے کا عادی نہیں ہوں۔'' اس کی بات کے جواب میں صرف ثناء ہی نہیں علی بھی حظ لے کر ہنسنے لگا تھا، جبکہ پرنیاں معاذ کی اس فضول حرکت پہ جز بز ہو کر رہ گئی تھی۔

''ایک رات سے کچھ نہیں ہوتا سر، پلیز ہمارے اتنی لمبی جدائی کا تو خیال کریں۔''

''چلیں آپ اتنا اصرار کر رہی ہیں تو میں چند گھنٹوں کو اپنی لاڈلی پیاری بیوی آپ کے حوالے کر سکتا ہوں مگر یہ سوئیں گی میرے ساتھ ہی۔'' معاذ کی اس درجہ رعایت کو ہی ثناء نے غنیمت جان لیا تھا جبکہ پرنیاں نے اس بات چیت سے یہی اندازہ لگایا تھا وہ ایک بار پھر اپنا بھرم رکھ رہا تھا۔

''تمہاری شادی کو ایک ماہ ہو گیا ہے پری لیکن تم ابھی تک سر سے بے تکلف نہیں ہو سکی ہو۔'' پرنیاں کے پاس اس بات کا جواب نہیں تھا۔

''علی اور میری خالصتاً ارینج میرج ہے یار مگر ہم دونوں بے حد خوش ہیں، تم نے دیکھا علی کتنے مطمئن ہیں مجھ سے، لیکن تم مائنڈ مت کرنا پری مگر تم مجھے پہلے سے زیادہ اداس اور سنجیدہ لگتی ہو۔'' ثناء سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی، پرنیاں کو جان چھڑانا مشکل ہونے لگا۔

''تم جانتی تو ہو ثناء میرے مزاج میں ہی سنجیدگی ہے۔''

''کیا واقعی صرف یہی بات ہے؟'' ثناء کی آنکھیں بہت تفصیلاً اسے کھوج رہی تھیں، پرنیاں جز بز ہونے لگی، معاً وہ ایکدم اٹھ کر واش روم کی سمت بھاگی تھی، اس کا دل کب سے متلا رہا تھا مگر اب تو اسے باقاعدہ وومیٹنگ ہو رہی تھی، وہ چند لمحوں کے اندر ہی جیسے نچڑ سی گئی۔

''تم گہری تو پہلے بھی بہت تھیں پری مگر اب کچھ اور بھی اجنبی لگ رہی ہو، تم نے مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ یہ اہم بات ہی بتا دو۔'' پرنیاں واپس آ کر اس کے مقابل بیٹھی تو ثناء نے کسی قدر خفگی سے کہا

تھا، پرنیاں نے عاجز ہو کر اسے دیکھا۔

''کون سی اہم بات؟'' وہ واقعی ہی حیران تھی۔

''تم پریگنٹ ہو، کیا یہ بات تمہارے لئے اہم نہیں ہے۔'' شناء کا لہجہ چبھتا ہوا تھا، جبکہ پرنیاں کا رنگ یکلخت فق ہو اٹھا تھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے شناء، مجھے آج پہلی بار وومٹینگ ہوئی ہے۔'' وہ دہل کر وضاحتی انداز میں بولی تھی۔

''پہلی بار ہوئی ہے تو کیا ہو، اب بار بار ہو گی، تم میڈیکل کی تعلیم حاصل کرتی رہی ہو کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہو سکا؟ اور سب سے بڑھ کر سر...... کیا انہوں نے بھی محسوس نہیں کیا؟'' شناء کے سوال و جواب نے اسے نہ صرف خوفزدہ کیا بلکہ عاجز بھی کر کے رکھ دیا تھا۔

''ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ مجھے بتاتے نا، بہت رات ہو گئی ہے اب مجھے سونا ہے۔'' پرنیاں محض اس کے سوالوں سے عاجز ہو کر ہی اٹھی تھی، دل ہی دل میں اس خدشے کو جھٹکتی ہوئی، جو صورتحال تھی وہ ہرگز بھی اس نئے جھمیلے میں پڑنے پہ آمادہ نہیں تھی، شناء کے اس قیاس نے اسے اچھا خاصا متفکر اور مضطرب کر دیا تھا۔

''ہاں جاؤ، سر بھی تمہارا ویٹ کر رہے ہوں گے، ویسے پوچھنا ضرور ان سے، میرا شک درست نکلے گا؟'' شناء نے اس اصلاح دی تھی، پرنیاں کا رنگ جانے کس احساس سے سرخ پڑ گیا، بہر حال اس کا شناء کے اس آخری مشورے پہ عمل کرنے کا قیامت تک ارادہ نہیں تھا، وہ کمرے میں آئی تو معاذ کو جاگتے اور سیل پہ محو گفتگو پا کر سخت جز بز ہوئی تھی، اس کا ہرگز خیال نہیں تھا وہ اسے جاگتا ہوا ملے گا ورنہ ابھی ہرگز کمرے میں نہ آتی۔

''وہاں کیسے لیٹو گی، یہاں آ جاؤ، کمبل ایک ہی ہے۔'' معاذ اسے دیکھ کر گفتگو کا اختتام کر چکا تھا، سیل فون رکھتے ہوئے اسے دیکھ کر بولا، پرنیاں نے ان سنی کر دی تھی، کشن سمیٹ کر کارپٹ پہ ڈھیر کیے اور صوفے پہ دراز ہو گی، معاذ نے ہونٹ بھینچ کر اس کو کچھ دیر دیکھا جو اپنی شال کھول کر اوپر پھیلا رہی تھی۔

''میں کچھ کہہ رہا ہوں پرنیاں۔'' خود پہ جبر کر کے وہ رسان سے بولا تھا۔

''آپ کو شاید اپنی چند دن قبل کہی بات بھول گئی ہو مگر مجھے یاد ہے۔'' وہ مدھم مگر کاٹ دار لہجے میں جیسے نا چاہتے ہوئے جواب دے رہی تھی۔

''اگر وہ بات تب میں نے کہی تھی تو یہ بھی میری ہی کہہ رہا ہوں، سردی بہت ہے اٹھ کر یہاں آؤ۔''

''اول تو یہ سردی مجھے موت کے منہ میں دھکیلنے سے رہی، اگر ایسا ہو بھی تو میں پھر بھی آپ کے پاس آنے کی بجائے مرنے کو ترجیح دوں گی، سنا آپ نے؟'' وہ بے حد تلخ ہو کر بولی، ایسا لہجہ تھا جس میں اپنی تذلیل کا کرب سمٹ آیا تھا، معاذ کو یکا یک اپنی زیادتی کا خیال ندامت کے احساس سے دوچار کر گیا، وہ اپنی جگہ چھوڑ کر اٹھا تھا اور درمیانی فاصلہ سمیٹ کر اس کے پاس آ گیا، پرنیاں اس کی سمت متوجہ نہیں تھی پر اس وقت وہ بھونچکی رہ گئی تھی جب معاذ نے اسے جھک کر اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا تھا، حیرت تمام ہوئی تو اس کے حلق سے دبی دبی مگر سخت احتجاجی چیخ نکل گئی تھی، وہ اس کی گرفت میں مرغ بسمل کی طرح سے تڑپی تھی، اسے معاذ سے ہرگز ہرگز بھی ایسی دھونس، زبردستی اور استحقاق کی توقع نہیں تھی پہلے تو اسے یقین

نہیں آ سکا تھا اور جب یقین آیا تھا تو اس کے اندر غضب کا احتجاج اور ناگواری اٹڈی تھی۔

''دھیرج یار ہمارے ارادے ہرگز گستاخانہ نہیں ہیں، کیوں مشکوک ہو رہی ہو۔'' وہ اسے یونہی سنبھالے بیڈ پہ آیا تھا، پرنیاں اس کی گرفت ڈھیلی پڑتے ہی تڑپ کر دور ہوئی اور تیزی سے بیڈ سے اترنا چاہا معاذ نے اس کا ارادہ بھانپ کر ہی اسے پھر سے نہ صرف اپنی طرف گھسیٹا بلکہ پھر سے اپنے بازوؤں کے شکنجے میں بھی کس لیا، پرنیاں کی صحیح معنوں میں جان ہوا ہونے لگی۔

''تمہیں اگر شرافت سے میری بات نہیں ماننی تو یہ والی زبردستی تو پھر مجھے کرنی پڑے گی محترمہ، ویسے تم جیسی حسین اور خوبصورت لڑکی کو یوں ساری رات کے لئے بھی خود سے اس طرح قریب رکھنا میرے لئے ہرگز مشکل کام نہیں ہے، ہے نا؟'' وہ اپنا پر کشش چہرا اس کے ہوائیاں اڑاتے چہرے کے نزدیک لا کر کسی قدر شرارت بھرے انداز میں معنی خیزیت سے بولا تھا، اس کا یہ بہکا ہوا انداز یہ استحقاقی لب و لہجہ پرنیاں کے اندر طوفانی جھکڑ سے چلنے لگے، پتہ نہیں وہ کیا جتلانا چاہ رہا تھا اسے، وہ اتنا نزدیک تھا کہ اس کی دھڑکنیں اور سانسیں پرنیاں کی سانسوں اور دھڑکنوں میں گھل مل رہی تھیں، ماحول میں دلکشی اور معنی خیزیت سی در آئی مگر پرنیاں کا گلا آنسوؤں سے بھر چکا تھا، کچھ کہنے کی تاب نہیں تھی، اس نے بس پوری قوت صرف کر کے اس کے بازو جھٹکے اور فاصلہ بڑھانے کو اس کے سینے پہ دونوں ہاتھوں کا دباؤ ڈالتے ہوئے بھیگی آواز میں بامشکل بولی تھی۔

''چھوڑ دیں مجھے۔''

''مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گی؟'' معاذ نے اس پہ گرفت کچھ اور مضبوط کی اور بظاہر رسان سے کہتے اس کی آنکھوں میں شوخی سے جھانکا۔

''میں اسی بیڈ پہ لیٹ رہی ہوں، مگر مجھے چھوڑ دیں، فار گاڈ سیک۔'' اب کے وہ آنسوؤں پہ بھی قابو نہیں رکھ سکی تھی، معاذ نے ایکدم اپنے بازو ہٹا لئے تھے، پرنیاں جیسے منتظر تھی، سرعت سے فاصلے پہ ہوئی اور کروٹ بدل کر چہرے کا رخ پھیر لیا، آنسوؤں میں کچھ اور بھی روانی آ گئی تھی، معاذ کی مختلف مرحلوں پہ کی گئی تذلیل اسے یاد آ آ کر تڑپا رہی تھی، معاذ کی اب کی پیش رفت نے اسے بے دردی سے کانٹوں پہ گھسیٹ لیا تھا گویا، کتنا آسان ہوتا ہے کسی بھی مرد کے لئے اپنی بیوی کو بے عزت کرنا دو کوڑی کا کر کے رکھ دینا اور پھر اپنی مطلب کی خاطر دوبارہ اس کی جانب پیش رفت کر لینا، مگر وہ خود کو اتنی حقیر اور بے توقیر نہیں سمجھتی تھی کہ اتنی ذلت برداشت کرے اور پھر ضرورت کے وقت ٹشو کی حیثیت بھی اختیار کرے، وہ بہر حال کھلونا نہیں تھی، جبکہ معاذ کے اندر اس کے رد عمل پہ شدید تھکان اتر آئی تھی، ایک بار پھر وہ اس کی جانب پورے خلوص سے بڑھا تھا اور پرنیاں نے اسی قدر شدت سے اسے جھٹک دیا تھا، اس کا دھیرے دھیرے لرزتا وجود اس کے بہتے آنسوؤں کا غماز تھا، معاذ نے اس پہ اچھی طرح کمبل پھیلایا تھا پھر تھوڑا سا اس کی سمت جھکا، اس کا اندازہ بالکل درست تھا، وہ رونے میں ہی مشغول تھی۔

''اتنی نفرت کرتی ہو مجھ سے پری کہ یہ لمحاتی قرب بھی تمہیں گوارا نہ ہو سکا؟'' اسے پتہ نہیں کی سوجھی تھی کہ یہ سوال کر دیا تھا۔

''میرے اس رد عمل کے بعد بھی اگر آپ کو اس سوال کی ضرورت پیش آئی تو پھر سن لیں، جہاں آپ کی سوچ کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے میری نفرت کا آغاز ہوتا ہے۔'' وہ اس کی جانب رخ پھیرے بغیر

پھنکاری تھی، معاذ اگلے کئی گھنٹے اپنی جگہ سے ہلنے کے قابل نہ ہو سکا تھا، اگلے دن وہ بہت جلدی شاہ سے رخصت لے کر آ گئے تھے، معاذ کا موڈ بے حد عجیب ہو رہا تھا، شاہ سے جو چند جملے بولے تھے وہی پرنیاں کی سماعتوں میں اترے تھے، بس پھر اس نے اس کے بھینچے ہوئے ہونٹوں کو کھلتے نہیں دیکھا تھا وہ مسلسل سگریٹ پھونک رہا تھا، راستے بھر بھی وہ اسی خطرناک قسم کی سنجیدگی کے حصار میں رہا تھا، لندن اسٹیشن سے باہر آ کر معاذ پیدل چلنے کی بجائے کیب کی تلاش میں تھا جب وہ افتاد ان پہ ٹوٹی تھی، پرنیاں اس کے پہلو میں گریزاں سی کھڑی تھی جب کسی نے اس کی شال اور اسکارف کو بیک وقت کھینچا تھا، شال کو تو وہ نہیں بچا سکی مگر اسکارف کے ساتھ کامن پنوں کی مضبوطی کے باعث اس کے سر سے الگ نہیں ہو سکا تھا، یہ جھٹکا لگنے سے وہ سنبھلے بغیر سر کے بل گری تھی۔

''ہاؤ کیوٹ، ایشین بیوٹی کو ہم بے حجاب دیکھنا چاہتے تھے۔'' مردانہ قہقہے کی آواز پہ پرنیاں نے خفت اور بے بسی سے جل اٹھنے والے چہرے کو موڑ کر پیچھے دیکھا تو اس کی ریڑھ کی ہڈی میں یکلخت سرد لہریں دوڑتے چلی گئی تھیں، وہ وہی سفید فام انگریز تھا جو یہاں قیام کے پہلے دن ہی سے ناگہانی آفت کی طرح سے اس کے اعصاب پہ سوار ہو گیا تھا، گرتے وقت جو چیخ بے اختیاری میں اس کے حلق سے نکلی تھی سو نکلی بعد کی چیخوں کا اس نے شرمندگی کے باعث دانستہ گلا گھونٹ دیا تھا، مگر اس وقت وہ چیخنے سے خود کو بچا نہیں سکی جب اس نے معاذ کو اس گرانڈیل آدمی پہ جھپٹتے دیکھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

میری آنکھوں میں کنکر سے بھر گئے تھے، نوک دار کنکر، چھوٹے چھوٹے چبھن سے بھرپور، میں امی جی کو دلاسہ دینا چاہتی تھی، مگر مجھے یاد ہے کہ میں خود بھربھری مٹی کی مانند بکھر رہی تھی۔

امی اپنی آنکھوں کی لالی چھپانے کی خاطر مجھ سے منہ موڑے کبھی ادھر چلی جاتیں اور کبھی ادھر، پوری راہداری میں وہ چکر کاٹ رہی تھیں مگر اک مجھ سے آنکھ نہ ملا رہی تھیں، مگر وہ ان آنسوؤں کو مجھ سے چھپانا چاہ رہی تھیں۔

میرا دل چاہ رہا تھا کہ امی کے سینے سے لگ کر اک بار اتنی زور سے چیخیں مار مار کر روؤں کہ اللہ کو مجھ پر اور میری امی کے آنسوؤں پر اک بار تو ترس آئے۔

دور آسمانوں میں بیٹھا، میری شہ رگ سے نزدیک میرا اللہ اک بار میرا رونا میرا کرلانا تو سنتا، دیکھتا اور شاید میری تقدیر بدل دیتا۔

مگر امی کا ٹوٹتا ریزہ ریزہ ہوتا وجود میں دیکھ رہی تھی سو تب بھی میری پیاری امی، میں کھل کہ نہ روئی تھی کہ آپ کو جو تکلیف میں دیکھ رہی تھی مزید اس کو بڑھانا مجھے مقصود نہ تھا۔

چپ چاپ اپنی فائل اپنی بغل میں دابے آہستگی سے اٹھی اور ہسپتال سے باہر جانے کے لئے قدم بڑھا دیے اور امی نے بھی چپکے سے میرے قدموں کے ساتھ قدم ملا لئے تھے۔

☆☆☆

"سنیں، ڈاکٹر کے پاس آج ساری رپورٹس لے کر میں گئی تھی، اس نے تاکید کی ہے کہ اگلی مرتبہ آپ بھی ساتھ آئیں۔" میں نے بہت آہستگی سے اپنے مجازی خدا کو بتایا تھا۔

"ٹھیک ہے، چلا جاؤں گا، اب کب جانا ہے۔" جابر صاحب نے پوچھا تھا۔

"کل۔" میں نے اپنی متورم نظریں اٹھا کہ ان کے چہرے پہ گاڑی تھیں، میرا دل چاہ رہا تھا کہ وہ مجھے اک نظر دیکھیں، میرے اترے ہوئے چہرے کو دیکھیں، میری آنسو برساتی لال آنکھوں کو دیکھیں، میرے لرزتے ہونٹوں اور آپس میں الجھی انگلیوں کو دیکھیں۔

میں ان کو بتانا چاہتی تھی کہ مجھے اپنا گھر، اپنے بچے بہت عزیز ہیں ان بچوں اور اس گھر کے لئے میں ہر قسم کی سختی برداشت کر چکی تھی، برداشت کر رہی تھی۔

جابر نے کہا تھا۔

"میری بہن نے چھٹی کے دن آنا ہوتا ہے، تم اپنی ماں کے گھر اتوار کو مت جایا کرو۔"

میں نے ہر چھٹی کا دن اپنے گھر رہنا، ان کی بہن کی خدمت کرنا اپنا فرض جان لیا۔

میں ان کو بتانا چاہتی تھی کہ جب چھٹی کے علاوہ امی کی طرف جاتی ہوں مجھے میرے ابو نہیں ملتے وہ آفس گئے ہوتے ہیں، مجھے میرے بھائی نہیں ملتے وہ یونیورسٹی چلتے جاتے ہیں، مجھے میری بہن نہیں ملتی اسے کالج جانا ہوتا ہے۔

مگر میں جانتی تھی کہ اتنی لمبی بات کا اختتام اک خاموش سرد نگاہ پر ہوگا۔

میرا دل چاہ رہا تھا کہ انہیں بتاؤں کہ بہن، بھائی کی شادی میں، میں بہت ٹوٹے دل سے شریک ہوتی رہی ہوں کیونکہ ہر وقت یہ تلوار سر پہ لٹکتی تھی کہ جابر کو کسی جگہ امی ابو سے شکایت نہ ہو جائے کہ اسے اہمیت نہیں دی جا رہی، یا اس کے بہن بھائیوں کی خاطر داری نہیں کی جا رہی۔

میں کیسے یہ بتاتی ہر وقت ان کی ماں، ان کی بہن، سسرال اور سب سے بڑھ کر ان کی اپنی سخت مزاجی، اپنی ضد اور اپنی بات منوانے کے غرور کے آگے میری ذات رلتی جا رہی ہے، میں گھلتی جا رہی ہوں۔

اک نمک کی ڈلی کی طرح، لمحہ لمحہ میرے اوپر پانی کا قطرہ قطرہ بنے گر رہا ہے اور میں گھلتی جا رہی ہوں، چپ چاپ، مسلسل اور جب ڈاکٹر نے میری رپورٹ جابر کے ہاتھ میں پکڑائی اور کہا۔

"بریسٹ کینسر ہے اور پوری طرح جڑ پکڑنے سے پہلے پہلے سرجری کروا لیں تو زندگی بچ جائے گی۔"

میں نے جابر کے دھواں دھواں چہرے کو دیکھا، تو زندگی داؤ پر لگنے کا دکھ تو تھا مگر میں کیسے آپ کو بتاتی کہ اپنے لئے پہلی مرتبہ آپ کو یہ فکر مند ہوتے دیکھ کر کیسا عجیب لگا۔

"میں نے اپنی زندگی داؤ پر لگا کہ آپ کی توجہ حاصل کی تھی جابر، مجھے آپ کو یہ بتانا تھا۔"

"مگر میں نے بتایا ناں کہ مجھے آپ سے کھل کر بات کرتے ڈر لگتا تھا۔"

میری اب بہر طور کچھ نہ کچھ بات جابر مان لیتے تھے، مگر مجھے برا لگتا تھا، کیوں میری باتیں مان رہے ہیں، میں دل میں بری طرح کڑھتی تھی، اس لئے کہ اب میرے کرنے کی آس بندھ گئی ہے، اب پتہ چل گیا ہے کہ میں جلد ہی جانے والی ہوں۔

اور پھر جب سرجری سے میرے بدن کا حصہ کاٹ دیا گیا تو وہ دن میرے لئے کتنے عذابوں بھرے دن تھے۔

میں روتی تھی سسکتی تھی، میرے دکھ کا مداوا تو میری زندگی بھی نہ تھی، میں اک ادھوری عورت تھی۔

ادھورا ہونے کا عذاب کیا ہے میں کسی کو بھی بتا نہ پاتی تھی۔

"جابر! یہ سچ ہے کہ مجھے شدید ترین بیماری تھی، یہ سچ ہے کہ میری زندگی خوفناک ترین جھٹکوں میں تھی، مگر یہ بھی سچ ہے کہ آپ کے طنز اور غیر سنجیدگی مجھے مسلسل اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین کھینچتی محسوس ہوتی تھی، یاد ہے جب میری بہن نے آپ سے کہا تھا کہ۔"

"باجی کے ساتھ محبت سے پیش آئیں ڈاکٹر نے پریشانی سے بچانے کو کہا ہے۔"

"اور آپ نے ہنس کر کہا تھا۔"

"محبت سے کیا، اب تو اس کو گلے لگانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں، کیا ملے گا اب اس کو گلے لگا کر، کیا رکھا ہے اب اس میں۔"

"جابر میری آنکھیں بند تھیں لیکن میں سن رہی تھی۔"

"گویا اتنا دکھ جھیل کر اپنی زندگی داؤ پر لگا کر جو آپ کی وقتی توجہ حاصل کر پائی تھی اب اس پر آپ فقرے کسیں گے اور میں چپ چاپ سنوں گی۔"

تب میرے زخموں میں کیسی ٹیسیں اٹھی تھیں، کتنے ٹانکے ادھڑے تھے آپ نہیں جانتے، مگر میری ماں جائی پہچان گئی تھی کہ یہ زہریلے الفاظ میں سن چکی ہوں۔

آپ نہیں پہچان پائے۔

میں نے آپ سے کہا تھا۔

"اگر میں زندہ نہ رہی تو آپ بیوہ بھابھی سے نکاح کر لیجئے گا۔"

"اس نکاح سے تو بہتر ہے صبر کر لوں میں۔" آپ نے بے ساختہ جواب دیا تھا۔

"جابر سن لیجئے، میں تو اسی وقت اسی لمحے میں مر گئی تھی، آپ نے میرے منہ پہ ہاتھ نہیں رکھا تھا کہ ایسے الفاظ منہ سے مت نکالو۔"

"آپ نے مجھے یہ یقین نہیں دلایا تھا کہ آپ کی زندگی میں میری اہمیت کیا ہے۔"

"بلکہ آپ نے مجھے یہ یقین دلا دیا تھا کہ

میرے مرنے کی آس لئے اب آپ کسی اور بہتر من مانی اور اپنے دل کو بھلی لگنے والی کے انتظار میں ہیں۔"

"جابر میں نے تو جان بوجھ کر بھابھی کا نام لیا تھا، میں بھی جانتی تھی کہ پندرہ سال جو عورت بیوگی گزار لے وہ اب کیا اس عمر میں نکاح کرے گی۔"

"لیکن آپ اپنی رال ٹپکاتی نیت کو مجھ سے چھپا بھی نہ پائے، میرے اک اسی سوال پہ میری زندگی کی آپ کی طرف سے ہر اچھی امید کو آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے مٹی میں رول دیا تھا۔"

"آپ کی ماں کی میری سیف کو ٹٹولتی نظریں، میری کچن میں رکھے تمام سودا سلف پہ گاڑی نیتیں میں سب دیکھ رہی تھی۔"

"میرے ہسپتال سے واپس آنے کے بعد میرے کچن میں سے چاول کی جو بوریاں غائب ہوئی تھیں میں جانتی تھی، مگر اس وقت میری کوکھ کا درد مجھے بے چین کیے تھا۔"

"مجھے لگ رہا تھا کہ اب میری زندگی کے چند دن رہ گئے ہیں اور میرے بچے، میرا بیٹا، میری بیٹی، تب سارا درد اکٹھا ہو کر میری کوکھ میں سمٹ آیا تھا، میں اپنی تکلیف بھول گئی تھی جابر۔"

"میں بھول چکی تھی سب شکوے، سب شکایتیں، میں بھول چکی تھی جابر آپ کو، میں فراموش کر بیٹھی تھی اپنے پیدا کرنے والے ماں باپ کو، اپنے ماں جائیوں کو، مجھے صرف اپنی بیٹی، اپنا بیٹا یاد تھا، درد اور خون اب میرے سارے بدن سے سمٹ کر میرے دودھ میں اتر آیا تھا۔"

"میں منتیں کر رہی تھی اللہ کی، میرے بچے بہت چھوٹے ہیں، میرے بغیر کیسے رہیں گے، کون سے محفوظ ہاتھ ہیں جہاں میں ان کو سونپ کر جاؤں، جابر اس وقت میرے ذہن میں بس اک یہی فکر، یہی سوچ سوار رہتی تھی۔"

"امی مجھے بہت پیار کرتی تھیں ہمیشہ سے۔"

"لیکن اب ان کا یہ بے تحاشہ بڑھا ہوا پیار، ان کا میری ہر بات ماننا، میری خواہش کو حرف آخر سمجھ کر پورا کرنا مجھے تل تل مار رہا تھا۔"

"مجھے امی کو یہ بتانا تھا کہ امی پلیز میری پیاری امی جس طرح مجھے سمیٹ رہی ہیں یہ مجھے باور کروا رہا ہے کہ جیسے میں یہ زندگی ختم کرنے والی ہوں، میری پیاری امی جب آپ میرے چہرے کو لالچی نظروں سے دیکھتی ہیں تو کیسے میرا کلیجہ پھٹتا ہے۔"

"امی خدا کے واسطے میرے بچوں کو اپنے دامن میں اسی طرح سمیٹ لینا، لیکن میری پیاری امی، میں نے آپ سے یہ سب نہیں کہا، کیونکہ میں جانتی ہوں، جابر کبھی بھی ایسا نہیں کریں گے۔"

"میری پیاری بہن جب میرے گھر دوڑی بھاگی آتی ہے اور مجھے بیڈ پر لیٹے دیکھ کر جس طرح آہ بھرتی ہے وہ میرے اندر کہیں دکھ کی راکھ بن کر اڑتی ہے۔"

"میری پیاری بہن جو میرے گھر مہینوں نہیں آ پاتی تھی، جسے اپنے گھر سے فرصت نہیں تھی، جسے جابر کے رویے سے بہت شکایت تھی، اب ہر دوسرے دن میرے گھر آ جاتی تھی۔"

"میری بہن مجھے تمہیں یہ بتانا تھا کہ تمہارا یہ حد سے بڑھا ہوا وہم میری ہمت توڑ دیتا تھا، تمہارے چہرے پہ لکھی پریشانی میرے اندر کہیں چھپے موت کے بیج کو اکھاڑ دیتی تھی۔"

"میرا پیارا بھائی، میرا مان جب بھی میری دوائیوں سے بھرے لفافے پکڑ کر لاتا تھا اور

ڈاکٹر کو دیتا تھا، کیسے آس بھری امید بھری نظروں سے میرے ہاتھوں پہ لگی اس ڈرپ کو دیکھتا تھا جس میں سے قطرہ قطرہ بے رنگ پانی میری زندگی کو رنگ دینے کے لئے میری رگوں میں اتارا جا رہا ہوتا تھا۔"

میرے پیارے ابو۔

جن کی ڈائری میں میرا پہلا قدم اٹھانے کی تاریخ درج تھی، میرا پہلا دانت جب نکلا تو اس کی تاریخ درج تھی، کس وقت میں نے پہلا لفظ اپنی زبان سے ادا کیا، کس پہر میں نے پہلی مرتبہ ابو کی گود میں بیٹھ کر قلم سے پہلا لفظ لکھا۔

اب اسی ڈائری میں میرے پیارے ابو نے میرے آپریشن کی تاریخ بھی درج کر لی تھی۔

مجھے ابو سے پوچھنا تھا، ابو جی کیا آپ بھی میری ہر ہر حرکت اور ہر عمل آپ ڈائری پہ نوٹ کر رہے تھے۔

مگر ابو کے چہرے پہ پھیلی خاموش تاریک دلدلی جنگلوں سی تاریکی دیکھ کر میں نے نہیں پوچھا تھا۔

میرے بچے بہت چھوٹے ہیں ابو جی، مجھے آپ کو یاد کروانا تھا۔

ان کو اپنے ساتھ اپنے پاس اپنی آغوش میں رکھنا مگر میں کہہ نہ پائی تھی۔

اب مجھے یہ سب کہنا تھا۔

مگر میرے لب صدیوں کی سختی لئے یوں اک دوسرے میں پیوست تھے کہ میں پوری کوشش سے بھی ان کو ہلا نہیں پا رہی تھی۔

میں ہاتھ بڑھا کر اپنے بچوں کو اپنے سینے سے لگانا چاہ رہی تھی مگر میرے ہاتھوں پہ جیسے ساتوں آسمانوں کا بوجھ لٹکا دیا گیا تھا۔

مجھے سب کو بتانا تھا بہت سے ادھورے جملے مکمل کرنا تھے مگر میں کچھ بھی نہیں کر پا رہی۔

میں نے اب اللہ کو پکارا ہے۔

میرے کانوں میں آتی سب آوازیں اب لمحہ لمحہ معدوم ہوتی جا رہی ہیں۔

میرے پیارے مجھے پکار رہے ہیں، آوازیں دے رہے ہیں مگر مجھے اب ان سے کوئی بات نہیں کرنی۔

اب مجھے اللہ سے ہی سب کچھ کہنا ہے۔

التجا کرنا ہے کہ میرے سب ادھورے کام مکمل کر دے، میری کوکھ کے تاروں کو روشنی سے بھر دے، میری ماں کی آنکھوں میں صبر آئے اور میرے باپ کے ہاتھوں کو آہن کر دے اور اب میں اک ادھوری عورت، اک ادھوری ماں، مٹی کے نیچے دبی، اپنے سینے میں دبی تمام آرزوئیں، تمام دعائیں، اللہ کے حضور ہی تکمیل کو بھیج رہی ہوں۔

☆☆☆

"سانحہ ارتحال"

ادارے کے دیرینہ کارکن محمد خالد محمود کی والدہ محترمہ گزشتہ دنوں قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

دکھ کی اس گھڑی میں ادارہ حنا خالد محمود کے ساتھ ہے ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ عطا فرمائے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

تیرے ملنے کا موسم

حمیرا خان

کالے سیاہ بادل تیزی سے نیلے فلک پر پھیلتے چلے جا رہے تھے وہ جو بے دھیانی میں روئی کے گالوں جیسے بادل کے ٹکڑوں کی صورت تلاش کرنے کی کوشش میں مگن تھا اس دخل اندازی پر جی بھر کے بدمزہ ہوا، وہ بادلوں سے صورت بنانے کے کھیل میں اتنا گم تھا کہ اس بات کا احساس ہی نہیں ہوا کہ عصر کی اذان ہوئے کافی دیر گزر گئی ہے، ارتکاز ٹوٹا تو فضا میں اترتی ٹھنڈک کو محسوس کر کے وہ چارپائی سے اٹھ بیٹھا شاید ابھی وہ کچھ دیر ایسے ہی بیٹھا رہتا لیکن تبھی اس کے کمرے میں لگی گھنٹی گنگنانے لگی جس کا مطلب تھا کہ اماں جی نے اسے یاد فرمایا ہے، یہ دومنزلہ گھر جس میں وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتا تھا پانچ بیڈ رومز پر مشتمل تھا تین بیڈ روم ایک ڈرائنگ روم اور کچن نیچے کی منزل پر جبکہ دو بیڈ روم اوپر کی منزل پر تھے، وہ بچپن سے ہی اپنا زیادہ وقت اوپر کی منزل پر گزارا کرتا تھا اسے وہاں کی تنہائی اور خاموشی میں عجیب سی کشش محسوس ہوا کرتی تھی، یوں دھیرے دھیرے اس کا سارا سامان اوپر کے کمرے میں آتا گیا اور ایک دن اس نے مستقل طور پر اوپر کے کمرے میں ڈیرا ڈال لیا، اماں کو اس پر بہت اعتراض تھا ان کا کہنا تھا کہ گھر میں لوگ ہی کتنے ہیں جو اوپر کی منزل پر جایا جائے اور بہت چاہنے کے باوجود پڑوس کی ان خواتین کا ذکر نہیں کر سکا جن کا زیادہ تر ٹائم ان کے گھر اماں کے ساتھ اپنی بہو بیٹیوں اور پوتا پوتیوں کی شکائتیں کرتے گزرتا تھا اور نہ ہی اپنے ان ننھیالی رشتے داروں کا ذکر کر سکا تھا جو اکثر انہی کے گھر قیام پذیر رہا کرتے تھے اور اونچی آواز میں ٹی وی دیکھنا پڑھائی کے دوران اس کے پاس آ کر لڈو، کیرم یا پھر آئس کریم کھانے لے جانے کی فرمائش کرنا ان کا معمول

مکمل ناول

ہوا کرتا تھا لیکن ان سب کا ذکر اور وہ بھی اس انداز میں کر کے وہ اماں کی ناراضگی مول نہیں لے سکتا تھا سو خاموشی سے التجائیہ نظروں کا رخ باپ کے چہرے کی طرف موڑ دیا اور ابا شروع سے ہی کافی رحم دل واقع ہوئے تھے سو ابا کی سفارش پر اماں کا اعتراض دور ہو گیا تھا، اماں گھٹنوں کے درد کی وجہ سے سیڑھی نہیں چڑھ سکتی تھیں تب سے اس کے روم میں ایک گھنٹی لگا دی گئی اگر اماں کو اس کی ضرورت ہوتی تو وہ آواز دینے کی بجائے گھنٹی بجا دیا کرتی تھیں، وہ انہیں سوچوں میں گم تھا کہ گھنٹی ایک بار پھر بجنے لگی تو وہ جلدی سے تکیہ اور موبائل اٹھاتا کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''جی اماں آپ نے بلایا؟'' تیزی سے سیڑھیاں اترنے کی وجہ سے اس کا سانس پھول رہا تھا، اماں الماری میں نہ جانے کیا تلاش کر رہی تھیں مڑ کر ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور بولیں۔

''دیکھ نہیں رہے ہو کتنے کالے سیاہ بادل آ گئے ہیں بارش بس شروع ہونے ہی والی ہے سارے کپڑے اوپر تاروں پر پھیلے ہوئے ہیں جا کر وہ اتار لاؤ۔'' اماں نے نادر شاہی حکم سنایا اور پھر سے الماری میں سر دے لیا۔

''اماں یہ بات آپ مجھے اوپر بھی تو بتا سکتی تھیں۔'' دوبارہ اوپر جا کر کپڑے لانے کے خیال سے وہ روہانسا ہو رہا تھا۔

''تو کیا چیخ چیخ کر سارے محلے کو بتاتی کہ ہاں بھئی کپڑے دھلے ہیں ہمارے گھر میں بھی۔'' اماں کے لہجے سے غصہ اور ملامت دونوں جھلک رہے تھے۔

''کتنی بار کہا ہے آپ سے کہ انٹر کام لگا لیتا ہوں جو بھی بات ہو آپ کہہ دیا کرنا اس پر، مجھے ہر ٹائم نیچے کی دوڑیں بھی نہیں لگانا پڑیں گی مگر آپ کو نہ جانے کیوں اتنی نفرت ہے انٹر کام سے۔''

''دیکھو میں نے پہلے بھی کہا ہے مجھ سے نہیں سنے جاتے یہ فون بس گھنٹی ٹھیک ہے اور اب کیا یہاں کھڑے بحث ہی کرتے رہو گے جلدی جاؤ بارش شروع ہو گئی تو سارے کپڑوں کا بیڑا غرق ہو جائیگا کتنی محنت سے دھلوائے ہیں، اس بڑھاپے میں ایسے کام......'' اماں بڑھاپے کی بے بسی و بے کسی کے قصے سنانے شروع کر چکی تھیں اب کوئی اور بات کرنا بیکار تھا اور وہ یہ سب اتنی بار سن چکا تھا کہ اب تو اماں کے بولنے سے پہلے اسے پتا ہوتا تھا کہ اب وہ کیا کہنے والی ہیں۔

''تو کس نے کہا ہے اس بڑھاپے میں ایسے کام کرنے کو لے آئیں بہو سنبھال لے گی خود سب کچھ۔'' وہ بڑبڑایا ہوا کمرے سے نکل گیا تھا لفظ بہو استعمال کرنے پر ایک معصوم سا چہرہ ایک بار پھر اس کی نظروں کے سامنے آ گیا تو موڈ حیرت انگیز طور پر خوشگوار ہوتا محسوس ہوا اس تبدیلی پر وہ تھوڑا حیران ہوا پھر ہنستا ہوا اوپر کی طرف چل دیا کہ بادل واقعی کسی بھی لمحے برسنے کو تیار تھے۔

☆☆☆

عاصمہ احمد اپنے گھر کی اکلوتی بیٹی ہی نہیں بلکہ اکلوتی اولاد تھیں ماں باپ کی لاڈلی اور دادا دادی کی آنکھوں کا تارا اگرچہ پوتے کی حسرت آج بھی ان کے دل پر اداسیوں کا موسم بن کر اترا کرتی تھی لیکن اس سے عاصمہ کی اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑا تھا، عاصمہ احمد سے عاصمہ فاروق بن کر پیا دیس سدھاری تو وہاں بھی اکلوتی بہو ہونے کے ناطے اہمیت ملی کچھ فاروق احمد کی صلح جو طبیعت نے بھی بڑھاوا دیا اور عاصمہ فاروق کو

اپنی مرضی کرنے کی پوری آزادی مل گئی اس چیز نے ان میں من مانی کرنے اپنی بات کو سب سے اہم سمجھنے اور منوانے کی عادت کو اور پختہ کر دیا، لیکن اس سب باتوں کے باوجود ساس سسر کی عزت اور خدمت کرنے میں بھی کوئی کمی نہ رکھی وہ بیٹے کی زندگی سے مطمئن اور بہو سے راضی خوشی تھے اس وقت ذابل تین سال کا تھا جب ایک ایکسیڈنٹ میں اس کے دادا دادی ایک ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو گئے، فاروق تو اس اچانک حادثے سے بالکل ہی گم صم ہو کر رہ گئے تھے بہن بھائی پہلے ہی کوئی نہیں تھے اور ماں باپ بھی اس طرح چھوڑے گئے کہ کئی دن تو بالکل بے یقینی کے عالم میں رہے، عاصمہ کے لئے بھی یہ ایک بڑا حادثہ تھا گھر کی مکمل ذمہ داری تو اس پر آ ہی گئی تھی لیکن فاروق کی حالت انہیں زیادہ پریشان کیے رکھتی تھی ساس سسر ہمیشہ اس کے ساتھ بہت محبت اور شفقت سے پیش آتے رہے تھے ایسے مہربان بزرگوں کو کھو دینا اس کے لئے بھی کافی تکلیف دہ رہا تھا لیکن حادثہ کیسا بھی ہو وقت کے ساتھ ساتھ انسان کو صبر آ ہی جاتا ہے گزرتے وقت اور زندگی کے تقاضوں نے عاصمہ اور فاروق کو بھی زندگی کی بھی طرف کھینچ لیا تھا، عاصمہ کی خواہش تو یہ تھی کہ اس کے آنگن میں بہت سے پھول کھلیں تا کہ جس طرح وہ اکلوتے ہونے کی وجہ سے تنہائی کا شکار رہیں ذابل کو وہ تنہائی نہ دیکھنا پڑے لیکن خدا کو یہ منظور نہ تھا اس لئے ذابل عاصمہ اور فاروق احمد کا اکلوتا بیٹا ہی نہیں بلکہ اکلوتی اولاد بھی رہا، محبت تو اسے بھی سب سے بہت ملی تھی لیکن وہ عاصمہ فاروق کی طرح ضدی لاڈلا اور من مانی کرنے والا نہ بن سکا، ایک تو وہ مزاج میں اپنے باپ پر گیا تھا اور دوسرے اس کی ماں عاصمہ فاروق میں اس قسم کی خوبیوں میں وقت کے ساتھ کچھ اضافہ ہی ہوا تھا اور گھر میں ایک وقت میں ایک ہی انسان من مانی کر سکتا ہے سو یہ کام عاصمہ فاروق بہت بہتر انداز میں سر انجام دے رہی تھیں اور فاروق احمد اور ذابل فاروق عاصمہ کی خوشی میں خوش تھے۔

☆☆☆

''امی جی کھانا ملے گا کیا؟ بہت بھوک لگی ہے۔'' ذابل دن بھر کی خواری کے بعد ابھی گھر آیا تھا سارا دن اتنی مصروفیت رہی کہ دوپہر میں کھانا بھی نہ کھا سکا اسی لئے اب زوروں کی بھوک لگی تھی۔

''ہاں کھانا تو تیار ہے تم جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آ جاؤ میں اتنے میں کھانا لگاتی ہوں۔'' کتنی بھی سخت گیر سہیں لیکن ذابل کے کھانے پینے کے معاملے میں وہ بھی دنیا کی دوسری ماؤں جیسی ہی حساس تھیں اس لئے ذابل کے منہ سے بھوک کا لفظ سنتے ہی وہ فوراً ایکٹو ہو گئیں، جلدی سے سالن نکال کر اوون میں رکھا اور تازہ روٹی بنانے لگیں۔

''آج کھانے میں کیا بنایا ہے آپ نے؟'' ذابل ان کے پیچھے کچن میں ہی چلا آیا اور جواب کا انتظار کیے بنا ہی دیگچی کا ڈھکن ہٹا کر دیکھنے لگا، یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ بھوک واقعی زوروں پر ہے۔

''واؤ چکن قورمہ، آج میرا یہی کھانے کا دل کر رہا تھا آپ کو کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ میں آج کیا کھانا چاہوں گا؟'' ماں کے گلے میں بازو ڈالتا وہ ان سے پوچھنے لگا تو عاصمہ ہنس دیں۔

''آخر ماں ہوں، تمہاری خواہش کا پتا کیسے نہیں چلے گا مجھے۔'' ان کے لہجے میں پیار اور ماں ہونے کا فخر سمٹ آیا۔

''کیا آپ ہمیشہ میری ہر خواہش کو ایسے ہی

بنا کہے سمجھ لیں گی اور جان لیں گی؟'' ذہن میں آتے خیال پر اس نے جیسے یقین دہانی چاہی۔

''ہاں بالکل۔'' وہ پھر ہنس دیں، سالن گرم ہو گیا تھا سوچتا ہوا سالن کا باؤل ٹیبل پر رکھ کر الماری سے پلیٹیں نکالنے لگا عاصمہ بھی توے پر پڑی روٹی کی طرف متوجہ ہو گئیں جب تک وہ روٹی بنا کر فارغ ہوئیں وہ باقی کی چیزیں ٹیبل پر لگا چکا تھا۔

''اب کہاں جا رہی ہیں آپ آرام سے کھانا کھائیں نا۔'' انہیں اٹھتا دیکھ کر وہ پوچھنے لگا۔

''ارے بیٹا مجھے بھول ہی گیا تھا کہ حلیمہ نے تمہارے لئے کھیر بنا کر بھیجی ہے۔'' فرج کی طرف جاتے ہوئے انہوں نے پڑوسن کا حوالہ دیا۔

''یہ بتاؤ آج سارا دن کہاں غائب رہے ہو تمہارے ابو بتا رہے تھے آج تم شاپ پر بھی نہیں گئے؟'' یاد آنے پر وہ پوچھنے لگیں۔

''امی وہ ثاقب ہے نا میرا دوست وہ سکالر شپ پر باہر جا کر پڑھنا چاہ رہا ہے تو بس کچھ ڈاکومنٹس کے سلسلے میں پہلے یونیورسٹی گئے اور پھر دفاتر کے چکر لگاتے رہے۔''

''ہوں، تم لوگوں کا کوئی اور دوست بھی جا رہا ہے کیا؟ نہیں فرحان تو اپنے ابو کے ساتھ مل کر کاروبار سنبھالے گا اور نوید کا ارادہ تو تھا اپلائی کرنے کا لیکن پچھلے ماہ اس کے ابو کی ڈیتھ ہو گئی ہے، میں نے بتایا تھا نا آپ کو۔''

''ہاں ہاں مجھے یاد ہے تو اب وہ کیا کرے گا، کوئی جاب؟''

''نہیں مالی حالات تو ان کے ایسے نہیں کہ اسے پڑھائی چھوڑ کر جاب تلاش کرنا پڑے لیکن چونکہ وہ گھر میں سب سے بڑا ہے تو آنٹی اور چھوٹے بہن بھائیوں کو ایسے اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہ رہا، فی الحال تو میرے ساتھ یہیں پر ایم فل کرے گا ہاں پی ایچ ڈی کے لئے شاید چلا جائے۔'' ان کے پوچھنے پر وہ تفصیل سے بتانے لگا۔

''ابو کہاں ہیں؟'' اسے اچانک ہی ابو کی کمی محسوس ہونے لگی تھی۔

''تمہیں پتا تو ہے وہ اس ٹائم اپنے پڑھنے پڑھانے کا شوق پورا کرتے ہیں سٹڈی میں بیٹھے کسی کتاب پر سر دھن رہے ہوں گے۔'' امی کے شکایتی انداز پر وہ بے ساختہ مسکرایا تھا، بقول عاصمہ کے سارا دن وہ اکیلی گھر میں بور ہوتی اور ان کا باپ بیٹے کا انتظار کرتی تھیں اور شام ڈھلے جب وہ آتے تھے تو اپنی اپنی مصروفیات میں مگن ہو جایا کرتے تھے۔

''امی آپ بھی جا کر آرام کریں یہ سب میں اٹھا لوں گا۔'' امی کو برتن سمیٹتے دیکھ کر وہ جلدی سے بولا تھا ان کی مدد کرنے کے خیال سے وہ اکثر ہی اس طرح کے بہت سے کام اپنے ذمے لے لیا کرتا تھا اور اب تو بقول فرحان کے وہ گھر سنبھالنے والا فرمانبردار شوہر بننے کے لئے بالکل تیار تھا۔

''امی!'' ذابل کی آواز پر وہ کچن کے دروازے پر ٹھہر گئیں اور سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

''اگر کبھی ایسا ہوا کہ آپ میری کوئی خواہش نہ جان سکیں نہ سمجھ سکیں تو؟''

''تو تم مجھے بتا دینا سمجھا دینا۔'' آج وہ واقعی بہت مہربان ہو رہی تھیں۔

''بس یار کچھ اور؟''

''نہیں بس مجھے یہی پوچھنا تھا آپ جائیے آرام کیجئے۔'' عاصمہ نے لمحہ بھر ٹھہر کر اپنے بیٹے کے چہرے کو دھیان سے دیکھا کچھ بولنا چاہا لیکن پھر لب بھینچ کر پلٹ گئیں گویا ابھی کچھ اور پوچھنا مناسب نہیں تھا، ذابل بھی کسی خیال پر مسکراتا ہوا کھیر کا باؤل فریج میں رکھنے چل دیا۔

☆☆☆

دن ڈھلنے لگا تھا دھوپ سارے آنگن کو پھلانگتی کسی شرارتی بچے کی مانند دیوار پر چڑھ بیٹھی تھی، کچن سے وقفے وقفے سے ابھرتی آوازیں بتا رہی تھیں کہ اس گھر کے مکینوں نے رات کے کھانے کی تیاری شروع کر دی ہے، جھولے پر بیٹھی وہ لڑکی ہلکے سروں میں کچھ گنگنا رہی تھی، وہ ایک پاؤں کو زمین پر ٹکاتے ہوئے جھولے کو پیچھے کی طرف آخری حد تک لے جاتی اور پھر پاؤں زمین سے اٹھا لیتی وہ کافی دیر سے اسی شغل میں لگی ہوئی تھی اور پوری طرح اپنے آپ میں مگن نظر آ رہی تھی، دو درمیانے سائز کے کمرے اور ان کمروں کے آگے ایک چھوٹا سا برآمدہ اس برآمدے کے ایک طرف بنا چھوٹا سا کچن اور چھوٹے سے صحن کو پار کر کے بیرونی دروازے کے ساتھ بنا وہ چھوٹا سا کمرہ جو اس گھر کا ڈرائنگ روم اور سٹڈی روم تھا اور جسے ضرورت پڑنے پر بیڈ روم بھی بنا لیا جاتا تھا، آنگن میں دیوار پر لگے گملوں سے لٹکتی بیلوں سے خوشگوار تاثر ابھرتا تھا۔

''میاں مٹھو چوری کھاؤ گے؟'' کمرے سے آتی اس آواز پر جھولے پر بیٹھی لڑکی کے لب بے ساختہ مسکرانے لگے، تبھی باہر کے دروازے پر دستک ہونے لگی کمرے سے ایک چھوٹی لڑکی نکل کر دروازے کی طرف دوڑ گئی۔

''اسد بھائی آپ......'' دروازے پر اسد بھائی کی جگہ ایک اجنبی لڑکی کھڑی تھی۔

''آپ کون ہیں اور آپ کو کس سے ملنا ہے؟'' وہ اب سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

''میں ماریہ ہوں اور مجھے ایمی سے ملنا ہے۔'' رانی کے اس انداز پر لڑکی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''کیا میں اندر آ سکتی ہوں۔'' رانی کی مشکوک نظروں سے محظوظ ہوتے ہوئے ماریہ معصومیت سے پوچھنے لگی۔

''جی آیئے۔'' رانی کے راستہ دینے پر ماریہ اندر چلی آئی۔

''ارے واہ کیا بات ہے تم اور اس وقت میرے غریب خانے پر۔'' ایمی اب تک جھولے پر جھول رہی تھی ماریہ کو دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

''جی میں اس وقت تمہارے غریب خانے پر، کوئی اعتراض؟'' ماریہ ایمی ہی کے انداز میں بولتی اس کے گلے جا لگی تو ایمی بھی ہنس دی۔

''اندر چلو یہاں تو سردی ہونے لگی ہے۔'' ماریہ کو صحن میں پڑی چارپائی پر بیٹھتے دیکھ کر ایمی بولی۔

''کون آیا ہے؟...... ارے ماریہ بیٹا کیسی ہو؟''

''السلام علیکم آنٹی جی!''

''وعلیکم السلام!''

''خوشبو تو بہت اچھی آ رہی ہے کیا بن رہا ہے؟'' وہ بے تکلفی سے پلیٹ سے کٹی ہوئی گاجر کا ٹکڑا اٹھا کر کھاتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''چاول بنائے ہیں اور ساتھ ہی ہرا گوشت۔'' میمونہ نے چولہے کی آگ کم کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''میں کچھ ہیلپ کرواؤں آنٹی؟'' وہ اب فرمانبردار بنی پوچھ رہی تھی۔

''ارے نہیں بس سب ہو گیا ہے تم چل کر ایمی کے پاس بیٹھو۔'' ایمی اسے امی کے ساتھ

مصروف دیکھ کر کمرے میں چلی گئی تھی۔
''آنٹی میں ہیلپ کروا دوں، کتنا مسکہ لگاتی ہو میری ماں کو تم، کبھی کچن کی شکل بھی دیکھی ہے جناب نے؟'' ماریہ کمرے میں آئی تو امی کے اپنی نقل اتارنے پر کھلکھلا کر ہنس دی۔
''کچن کی شکل کبھی دیکھی ہے یا نہیں لیکن تم میرے خلوص پر دھیان دو نا اچھا خیر چھوڑو میں جانتی ہوں تم نہیں مانو گی مابدولت کی عظمت، خلوص وغیرہ وغیرہ کو، یہ کون ہے؟'' بات کرتے کرتے ماریہ کی نظر رانی پر پڑی جو بڑے شوق سے اس پیاری سی شوخ لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔
''یہ رانی ہے میری چھوٹی بہن سمجھو یہ میرے......'' امی ابھی رانی کا انٹروڈکشن پورا نہ کرا پائی تھی کہ تبھی میمونہ کے پکارنے پر رانی باہر چلی گئی اور وہ دونوں اپنی باتوں میں مگن ہو گئیں۔
''اچھی لڑکی ہے ماریہ سادہ مزاج، ادب تمیز والی خدا نے دھن دولت کی تو کوئی کمی نہیں رکھی لیکن صورت بھی ماشاءاللہ کتنی من موہنی ہے مگر ذرا جو گھمنڈ ہو کسی بات کا۔'' امی، ماریہ کو دروازے تک چھوڑ کر میمونہ بیگم کے پاس آ کر بیٹھی تو وہ بہت پیار سے کہنے لگیں۔
''او ہو اتنی تعریفیں کل بتاؤں گی اسے آپ کی رائے بہت خوش ہو گی، ویسے امی واقعی میں ماریہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ کبھی کبھی تو میرا دل کرتا ہے......''
''کیا کرتا ہے؟'' امی کے بات ادھوری چھوڑنے پر میمونہ پوچھنے لگیں۔
''میرا دل کرتا ہے امی کہ کاش میں اسے اپنی بھابھی بنا سکتی لیکن ظاہر ہے ایسا کیسے ممکن ہے۔ بہت فرق ہے ان کی اور ہماری حیثیت میں، جب میں یہ بات سوچتی ہوں نا امی تو واقعی مجھے اپنے غریب ہونے پر بہت غصہ آتا ہے۔'' بات ختم کرتے کرتے امی کے لہجے سے اداسی جھلکنے لگی۔
''دیکھو بیٹا دنیا میں ہر انسان بہت کچھ چاہتا ہے اب ہر خواہش پوری ہونا تو ممکن نہیں ہے نا؟ ایک اچھی لڑکی تمہیں دوست کی صورت میں ملی ہے کیا یہ کم بات ہے؟ اچھے دوست تو قسمت والوں کو ملتے ہیں بیٹا اور میری بیٹی بہت قسمت والی ہے۔'' اس کی اداسی کو محسوس کر کے میمونہ بیگم شگفتگی سے بولی تو امی بھی مسکرانے لگی۔
''یہ رانی کہاں گم ہے؟'' اسے اچانک رانی کا خیال آیا۔
''کارٹون لگائے بیٹھی ہے چلو تم بھی اب اٹھو نماز پڑھ کے آرام کرو اور اسے بھی ٹی وی کے آگے سے ہٹاؤ ورنہ اس نے خود تو کبھی نہیں ہٹنا۔'' میمونہ بیگم بھی ماریہ کا موضوع ختم کرنا چاہ رہی تھیں۔
''جی میں دیکھتی ہوں اسے۔'' امی بستر سے اٹھتے ہوئے بولی۔
''امی صبح کے لئے آٹا رکھا ہے گوندھنا ہے؟'' وہ دروازے تک جا کر پلٹی، اس کی عادت تھی کہ رات میں ہی صبح کے لئے آٹا گوندھ لیا کرتی تھی کیونکہ صبح کالج جانے کی جلدی ہوتی تھی۔
''میں نے شام میں گوندھ لیا تھا صبح کے لئے بھی۔''
''امی آپ کو کتنی بار منع کیا ہے یہ سب کام میرے لئے چھوڑ دیا کریں کیوں خود کو تھکاتی ہیں۔'' امی خفگی سے بول رہی تھی۔
''نہیں تھکتی بیٹا ایسے چھوٹے موٹے کام تو زندہ ہونے کا احساس دلاتے ہیں مجھے اور تم بھی تو تھکی ہوئی آتی ہو کالج سے۔''
''بس امی آپ میری کوئی بات نہیں

مانتیں۔''
''اچھا چلو چھوڑو ان باتوں کو سردی بڑھتی جا رہی ہے جا کر نماز پڑھو اور بستر میں جاؤ اور ہاں میں نے دودھ گرم کر دیا تھا رانی کو دودھ دینا اور بھائی سے بھی پوچھ لینا، باقی کا فریج میں رکھ دینا۔'' میمونہ بیگم نے بات کرتے کرتے رضائی سر تک سرکا کر بات ختم کر دی تو وہ بھی منہ بنائی کمرے سے نکل گئی۔
''بس کرو رانی چلو کمرے میں چل کر لیٹو۔'' ٹی وی کا سوئچ آف کرتے ہوئے امی نے ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا تو وہ جو گانے سننے میں بری طرح گم تھی اس اچانک حملے پر ایک لمحے کو ڈری اور پھر امی کو دیکھ کر جیسے سکھ کا سانس لیتے ہوئے بولی۔
''اُف آپی آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔'' امی نے جواب نہیں دیا بلکہ اِدھر اُدھر بکھرے کشن ٹھیک کر کے رکھنے لگی۔
''آپی آپ نے نماز پڑھ لی؟'' امی کی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے رانی نے بڑے لاڈ سے پوچھا۔
''نہیں ابھی پڑھنے جا رہی ہوں کیوں؟''
''جتنی دیر آپ نماز پڑھ رہی ہیں اتنی دیر مجھے ٹی وی دیکھنے دیں میں بور ہو رہی ہوں۔'' اس نے بڑی معصومیت سے جیسے اپنی مجبوری کا احساس دلا کر رحم کی درخواست کی۔
''کوئی ضد نہیں چپ کر کے چلو بستر پر شاباش۔'' اس کی اس چالاکی پر امی کو ہنسی تو آ رہی تھی لیکن اگر وہ ہنس پڑتی تو رانی نے ضد پکڑ لینی تھی اسی لئے وہ سختی سے بولی اور اسے اپنے ساتھ لے کر ہی کمرے سے نکلی، جب تک وہ رانی کو دودھ پلا کر بستر پر سلا کر نماز سے فارغ ہوئی اسد بھی گھر آ چکا تھا۔
''بھائی آپ کے لئے دودھ لاؤں؟'' اس نے کمرے سے جھانک کر پوچھا اسے بہت سردی لگ رہی تھی جلدی جلدی کام ختم کر کے بستر پر جانے کی خواہش ہو رہی تھی۔
''نہیں دل نہیں چاہ رہا۔'' اس کے لہجے کی جلد بازی کو محسوس کرتے ہوئے اسد نے مسکرا کر کہا، لہجے میں تھکن واضح تھی۔
''چائے لے آؤں؟'' اس نے لمحوں میں بھائی کی تھکن کو اپنی رگوں میں اترتا محسوس کیا۔
''نہیں میں ابھی چائے پی کر آیا ہوں، تم فکر نہ کرو اگر کچھ چاہیے ہو گا تو میں لے لوں گا تم جا کر آرام کرو۔''
''او کے گڈ نائٹ۔'' اسد کو گڈ نائٹ کہہ کر صحن کی لائٹ آف کر کے وہ اپنے کمرے میں آ گئی، کمرے میں آ کر دیکھا رانی سو چکی تھی جیسے ہی وہ اس کے پاس آ کر لیٹی وہ جلدی سے امی سے لپٹ گئی، اس نے بھی رانی کا سر اپنے بازو پر رکھتے ہوئے اسے اپنے قریب کیا تھا۔
''کتنا تھک جاتے ہیں اسد بھائی، میرا بی اے ہو جائے تو میں بھی کوشش کروں گی کسی سکول میں جاب مل جائے کچھ تو ہیلپ ہو ہی جائے گی بھائی کی، پھر میں بھائی سے کہوں گی کہ وہ یہ لیٹ نائٹ والی ٹیوشن چھوڑ دیں کچھ دیر آرام کے لئے بھی تو ہونا چاہیے نا اب دو چار گھنٹوں کی نیند لے کر پھر اپنی پڑھائی شروع کر دیں گے۔'' نیند کی وادیوں میں اترنے تک اس کا ذہن اسد ہی کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔

☆☆☆

''السلام علیکم!'' ٹی وی لاؤنج میں عاصمہ کے پاس ساتھ والی آنٹی کو بیٹھے دیکھ کر وہ دونوں کو مشترکہ سلام کرتا سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔
''ارے بیٹا ابھی سے اوپر کیوں جا رہے ہو

میں کھانا لگاتی ہوں کھانا کھا کر آرام کرنا۔" عاصمہ اسے دیکھتے ہی سب کچھ بھول کر اٹھ کھڑی ہوئیں، اس کی روز کی یہی روٹین تھی یونیورسٹی سے آ کر کھانا کھانا اور پھر کچھ دیر آرام کے بعد شاپ پر چلے جانا اس ٹائم وہ تین چار گھنٹے شاپ پر رہتا تھا اور اس طرح فاروق صاحب کو بھی گھر آ کر لنچ کرنے اور آرام کرنے کا موقع مل جاتا تھا، ایف ایس سی کے دنوں سے اس کی یہی روٹین تھی۔

"نہیں امی میں نے کھانا کھا لیا ہے، یونیورسٹی سے واپسی پر فرحان کے گھر چلے گئے تھے تو بس وہیں کھانا بھی کھا لیا۔" عاصمہ کے چہرے پر ابھرتے سوال کو دیکھ کر اس نے ان کی مزید تسلی کرائی۔

"عاصمہ تمہارا بیٹا اب ماشاءاللہ جوان ہو گیا ہے ایم اے بھی کر لیا ہے اب تم بہو لانے کی تیاری کرو۔" خالدہ آنٹی کی آواز پر وہ عاصمہ کا جواب سننے کے لئے غیر ارادی طور پر سیڑھیوں پر ہی ٹھہر گیا۔

"میں بھی آج کل یہی سوچ رہی ہوں ماجدہ۔" امی کی بات سن کر اس کا دل بے وجہ ہی زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"تو ہے کوئی لڑکی نظر میں؟" اس کے دل کی بات ماجدہ آنٹی کی زبان پر آئی تو زندگی میں پہلی بار وہ ذابل کو بہت اچھی لگیں۔

"نہیں ابھی تو کسی کا نہیں سوچا، تمہاری نظر میں کوئی ہو تو بتاؤ؟" عاصمہ نے ان کی بات میں بھرپور دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"ایک عورت ہے رشتے کرواتی ہے میرے جیٹھ کی دونوں بیٹیوں کا رشتہ اس نے ہی کروایا ہے، بہت اچھے لوگ ملے ہیں ماشاءاللہ دونوں اپنے گھر میں بہت خوش ہیں، تم کہو تو اسے بلوا لیتی ہوں؟" ماجدہ آنٹی ان سے بھی زیادہ پرجوش ہو گئیں۔

"ہاں ٹھیک ہے آپ اسے بلوا لیں ایک دو دن میں، یہ کام اب ہو ہی جائے تو اچھا ہے، بہو آئے اپنا گھر بار سنبھالے تو میں بھی کچھ آرام کے دن دیکھوں اب اس بڑھاپے میں۔" عاصمہ اپنا پسندیدہ ٹاپک بڑھاپے کے مسائل شروع کر چکی تھیں باذل کے لئے اب مزید رکنا بے فائدہ تھا وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا شاپ پر جانے کا ٹائم قریب تھا اور اس سے پہلے وہ تھوڑا آرام ضرور کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

وہ کالج سے نکلی تو اچھی خاصی دھوپ نکلی ہوئی تھی دیکھتے ہی دیکھتے ایسے بادل گھر گھر آئے کہ ایمل تو راستے میں بارش ہو جانے کے خیال سے ہی پریشان ہو گئی، اگرچہ بارش کا موسم ہمیشہ سے اس کا پسندیدہ رہا تھا لیکن آج بات اور تھی، زندگی میں پہلی بار تو اس نے اتنی بہادری دکھائی تھی کہ اکیلے گھر جانے کا فیصلہ کیا تھا، وہ ہمیشہ کالج بس سے ہی آتی جاتی تھی لیکن آج چھٹی ٹائم انہیں بتایا گیا کہ بس میں کچھ خرابی ہو گئی ہے اس لئے انہیں خود گھر جانا ہو گا، اس کی گھر کی طرف رہنے والی دونوں لڑکیاں چھٹی پر تھیں اور اسد کا آج انٹرویو تھا اس لئے انہیں نہیں بلا سکتی تھی ماریہ نے کہا بھی کہ وہ اسے چھوڑ دیتی ہے لیکن ایمل جانتی تھی کہ آج ماریہ کی خالہ نے لندن سے اس کے گھر آنا ہے اور صبح ہی سے ماریہ جلدی گھر جانے کے لئے بہت پرجوش ہو رہی تھی اس لئے اب ایمل کو اچھا نہیں لگا کہ اس کی وجہ سے ماریہ کو گھر پہنچنے میں دیر ہو جائے۔

جب تک رکشہ اس کی گلی تک پہنچا اچھی خاصی بارش شروع ہو گئی تھی، گلی کے نکڑ پر ہونے

والے گھر کی تعمیر کی وجہ سے صرف پیدل چلنے والوں کے لئے یہ راستہ بچا ہوا رکشے والے کو فارغ کر کے وہ تقریباً دوڑتے قدموں سے گھر کی طرف بڑھی اور اس تیزی کے باوجود گھر تک جاتے جاتے وہ اچھی خاصی بھیگ چکی تھی۔

"چلو شکر ہے بارش تیز ہونے سے پہلے تم گھر آ گئیں مجھے فکر ہو رہی تھی۔" دروازہ کھولتے ہی میمونہ نے اسے دیکھ کر شکر ادا کیا۔

"اسد بھائی نہیں آئے ابھی تک۔" کپڑے بدل کر آئی تو اسد کے بارے میں پوچھنے لگی۔

"وہ تو اب شام بلکہ رات کو ہی آئے گا جاتے ہوئے کہہ گیا تھا کہ انٹرویو سے واپسی پر ٹیوشن پر چلا جائے گا، تم کھانا کھا لو میں نے پکوڑے بھی بنائے ہیں کچن میں چھوٹے ہاٹ پاٹ میں رکھے ہیں۔" اسے بستر میں گھستے دیکھ کر میمونہ کہنے لگیں۔

"واہ اب آئے گا کھانے کا مزا، کیوں رانی کھائیں کھانا؟" پکوڑوں کا نام سنتے ہی اس کا موڈ خوشگوار ہو گیا اور وہ فوراً کھانا لینے کچن کی طرف چلی گئی، کھانے کے بعد میمونہ تسبیح پڑھنے لگ گئیں اور رانی نے ٹی وی آن کر لیا ایمی ان دونوں کو مصروف دیکھ کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی، سردی کی وجہ سے بارش میں نہانا ممکن نہ تھا ورنہ ایسے موسم میں وہ کمرے کی بجائے ہمیشہ صحن میں نظر آیا کرتی تھی، کبھی جھولے لیتی ہوئی اور کبھی آسمان سے گرتے موتیوں کو ہتھیلیوں میں سمیٹتی ہوئی، امی کی مسلسل پکار کے باوجود وہ بارش کو چھوٹے بچوں کی طرح انجوائے کیا کرتی تھی، بقول ایمل۔

"کم از کم مفت کی عیاشی میں ذرا بھی کنجوسی نہیں کرنی چاہیے۔" یہی سب سوچتے ہوئے ایمی کے لب بے ساختہ مسکرانے لگے۔

"ایمی آپی!"

"ہوں......؟"

"آپ کو بارش بہت پسند ہے؟" رانی کے اس سوال پر کھڑکی سے برستی بارش کا نظارہ کرتی ایمی نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"کچھ خاص نہیں، تم نے کیوں پوچھا؟" وہ کھڑکی سے ہٹ کر رانی کے پاس بستر پر آ بیٹھی۔

"آپ پچھلے ایک گھنٹے سے کھڑکی میں کھڑی بارش دیکھ رہی ہیں، میں تو اتنی دیر بارش کو دیکھوں کو بور ہو جاؤں۔" رانی کی بات پر ایمی ہنس پڑی۔

"اچھا بڑی بی، یہاں آؤ بال دیکھو اپنے کتنے خراب ہو رہے ہیں، تیل نہیں لگاتی ہو کیا؟" ایمی اس کی بات کو نظر انداز کرتی اس کے بکھرے بال سمیٹنے لگی، رانی کا اصل نام تو ملائکہ تھا لیکن اب وہ سب کے لئے صرف رانی بن کر رہ گئی تھی، رانی ایمل کے چچا کی بیٹی تھی اس سے چھوٹے دو بھائی اور تھے، وہ ایمل کو چھوٹی بہنوں کی طرح عزیز تھی تو رانی بھی ایمی آپی کی کچھ کم دیوانی نہ تھی، اکثر ان کے گھر آئی رہتی تھی جیسے آج آئی ہوئی تھی۔

☆☆☆

بہت دیر سے وہ ایسے ہی آنکھیں بند کیے لیٹا جانے کن خیالوں میں کھویا ہوا تھا، پاؤں دھیرے دھیرے ہل رہے تھے یہ اس کی ہمیشہ کی عادت تھی جب بھی کسی گہری سوچ میں گم ہوتا اسی طرح پاؤں ہلاتا رہتا تھا پڑھنے کے لئے اٹھائی گئی کتاب اس کے سینے پر الٹی رکھی تھی اور دونوں بازو سینے پر باندھے گزرے دنوں کے واقعات کو اپنے ذہن میں دہراتے ہوئے وہ اپنے دل کو بھی ٹٹول رہا تھا اپنے جذبات اور احساسات کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کی کوشش بھی کر رہا تھا، وہ اپنی سوچ کی

گہرائی کو ناپنا چاہتا تھا، وہ چاہتا تھا پہلے خود اچھی طرح سوچ سمجھ لے پھر کسی اور سے بات کرے اسی لئے اس نے ابھی تک اپنے دوستوں تک کو نہیں بتایا تھا کہ وہ کس کیفیت کا شکار ہے، آج امی اور ماجدہ آنٹی کی باتیں سننے کے بعد سے اس کا دل جس طرح بے چین ہوا تھا اسے نظر انداز کرنا اسے مشکل لگ رہا تھا دوپہر آرام کرنے کی خواہش بڑی شدید تھی لیکن بہت دیر بے چینی سے کروٹیں لیتے رہنے کے بعد وہ آخر شاپ پر چلا گیا تھا، وہاں بھی اس کی بے تاب نظریں سارا ٹائم کسی کو ڈھونڈتی رہی تھیں مگر وہ گوہر نایاب کہیں نظر نہ آیا تھا اور وہ اداس دل سے گھر واپس آ گیا اس وقت سے اب تک وہ اسی طرح کمرہ بند کیے سوچوں میں گم تھا۔

محبت عام سا اک واقعہ تھا، ہمارے ساتھ پیش آنے سے پہلے، نہ جانے کب کا پڑھا شعر اس کے ہونٹوں پر آیا اور وہ اپنے خیالوں سے چونک اٹھا۔

''محبت، کیا واقعی یہ محبت ہے؟۔'' وہ جیسے اپنے آپ سے پوچھ رہا تھا، وہ بات وہ سوال جس نے اسے کتنے دنوں سے بے چین کر رکھا تھا اب اس کے ہونٹوں پر آ کر خود اسے ہی خوشگوار حیرت میں مبتلا کرنے لگا، ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے وہ اس دن کو یاد کرنے لگا جب باذل نے اسے پہلی بار دیکھا۔

اس روز فاروق صاحب کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی رات سے ہی انہیں بخار محسوس ہو رہا تھا باذل کی اس دن پریزینٹیشن تھی اس لئے اس کا یونیورسٹی جانا بہت ضروری تھا۔

''امی آپ فکر نہ کریں میں کلاس کے بعد یونیورسٹی سے سیدھا شاپ پر چلا جاؤں گا اور ابو کو گھر بھیج دوں گا باقی کا سارا ٹائم وہ ریسٹ کر لیں گے اور رات تک شاپ میں دیکھ لوں گا۔'' اس نے عاصمہ کو فکر مند دیکھ کر تسلی دی تھی اور پریزنٹیشن ہوتے ہی باقی کی کلاسز چھوڑ کر وہ شاپ پر آ گیا تھا خوش قسمتی سے سڑکوں پر ٹریفک زیادہ نہیں تھا اس لئے راستے میں اس کا ٹائم ضائع نہیں ہوا تھا فاروق صاحب کو گھر بھیجنے کے بعد وہ کاؤنٹر پر بیٹھ کر معمول کے کام میں مصروف ہو گیا، فاروق صاحب نے بک سینٹر محض بزنس کا سوچ کر ہیں بنائی تھی بلکہ یہ بھی ان کی کتابوں سے محبت کا ایک ثبوت تھا، شروع میں یہ بڑا بک سینٹر نہیں تھا لیکن اب اس کا شمار شہر کے بڑے بک سینٹرز میں ہوتا تھا، اس بک سینٹر کی انفرادیت یہ بھی تھی کہ فاروق صاحب نے شاپ کے ساتھ ہی لائبریری بنا رکھی تھی، جب انہوں نے یہ زمین خرید کر یہاں شاپ بنوائی تھی تبھی سے ان کے ذہن میں لائبریری بنانے کا خیال بھی تھا اسی لئے انہوں نے زمین میں بھی زیادہ لی تھی اور شاپ اس طرح بنوائی تھی کہ شاپ کا پچھلا حصہ الگ سے کر کے اسے لائبریری کی شکل دے دی تھی، وقت کے ساتھ ساتھ اس لائبریری میں کتابوں کا اضافہ ہوتا گیا تھا اور وہاں آنے والے طالب علموں اور کتاب سے محبت کرنے والے لوگوں میں بھی، فاروق صاحب نے وہاں باقاعدہ لائبریرین بھی رکھا ہوا تھا۔

''کیا بات ہے طاہر خیریت تو ہے تم کچھ پریشان لگ رہے ہو؟'' طاہر کے چہرے پر پریشانی صاف دکھائی دے رہی تھی۔

''جی سر! ابھی گھر سے فون آیا ہے کہ میری امی کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے مجھے اسی وقت گھر جانا ہوگا۔'' طاہر ان کے ہاں لائبریرین تھا اور اس وقت بے حد پریشان نظر آ رہا تھا۔

''تم فوراً گھر جاؤ۔''

''شکریہ سر!'' وہ شکر گزار ہوتا جلدی سے باہر کی طرف لپکا تھا۔

''سنو طاہر!''

''جی!'' وہ جاتے جاتے مڑا۔

''گھر تک کیسے جاؤ گے اور امی کو ہاسپٹل کیسے لے جاؤ گے؟''

''رکشے سے جاؤں گا سر اور امی کو بھی رکشے میں لے جاؤں گا۔''

''ہونہہ رکو ایک منٹ۔'' ذابل نے سامنے شیلف میں کتابیں رکھتے پچیس چھبیس سالہ لڑکے کو آواز دی، کاشف ان کے رشتے داروں میں سے تھا کالج میں پڑھتا تھا لیکن گھر کے حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر پڑھائی چھوڑ کر جاب تلاش کرنے کا سوچ رہا تھا فاروق صاحب کو اس بات کی خبر ہوئی تو انہوں نے اسے پڑھائی چھوڑنے سے منع کرتے ہوئے اپنے پاس نوکری کی آفر بھی کر دی اندھا کیا چاہے دو آنکھیں کے مصداق کاشف نے فوراً سے بیشتر ان کی یہ آفر شکریے کے ساتھ قبول کر لی تھی اور تب سے وہ کالج کے بعد سے رات تک ان کے بک سینٹر پر ہوا کرتا تھا۔

''جی ذابل بھائی!''

''تم ذرا گاڑی لے کر طاہر صاحب کے ساتھ چلے جاؤ اور وہاں سے ان کی والدہ کو ہاسپٹل لے جاؤ اور جب تک وہ وہاں رہیں ان کے ساتھ رہو گھر پہنچا کر واپس آنا، اگر دیر ہو جائے تو شاپ پر آنے کی بجائے سیدھا گھر آ جانا اوکے۔'' کاشف کو تفصیل سے سمجھاتا وہ اس وقت طاہر کو کوئی فرشتہ ہی لگ رہا تھا۔

''بہت بہت شکریہ۔'' طاہر کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیسے اس کا شکریہ ادا کرے وہ تو یہی سوچ کر پریشان ہو رہا تھا کہ ایسی حالت میں رکشے میں امی کو ہاسپٹل لے جانا کتنا مشکل ہوگا اور ذابل نے شاید اس کی یہ پریشانی بھانپ لی تھی۔

''یہ سب چھوڑو تم جلدی گھر جاؤ۔'' ذابل کے کہنے پر وہ احسان مندی سے اسے دیکھ کر ایک بار پھر شکریہ کہتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

''کاشف!'' کچھ یاد آنے پر اس نے کاشف کو آواز دی۔

''یہ پیسے رکھ لو ہاسپٹل میں ضرورت پڑیں تو دے دینا۔'' والٹ سے پیسے نکال کر کاشف کے ہاتھ میں دیتے ہوئے اس نے بہت آہستہ سے کہا تھا جیسے وہ چاہتا ہو کہ یہ بات کوئی اور نہ سنے، اس نے ہمیشہ سے اپنے ماں باپ کو لوگوں کی مدد کرتے دیکھا تھا اور یہ عادت اس میں بھی آ گئی تھی اسی لئے وہ ہمیشہ سب کا پسندیدہ رہا تھا، لائبریری کا ٹائم ختم ہونے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا پہلے اس نے سوچا کہ لائبریری وقت سے پہلے ہی بند کر دے لیکن پھر وہاں بیٹھے سٹوڈنٹس کو دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ بدل دیا سامنے بیٹھے دو لڑکوں کو وہ جانتا تھا وہ کافی دور سے آیا کرتے تھے، ابھی وہ شاپ پر سے کسی لڑکے کو لائبریری بھیجنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ وہ لائبریری میں داخل ہوئی، بلیک کلر کے لباس میں اس کی سرخ و سفید رنگت دمک رہی تھی، ذابل بے اختیار ہی سلیقے سے دوپٹا لئے اس لڑکی کو دیکھے جا رہا تھا، اس کی اب تک کی زندگی میں یہ پہلی بار تھا کہ وہ اس طرح کسی لڑکی کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا، پتا نہیں وہ واقعی اتنی خوبصورت تھی یا ذابل کو لگ رہی تھی، اسی لئے اس لڑکی نے شاید کسی کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کر کے اس کی طرف دیکھا تھا ذابل کے اس طرح مسلسل دیکھنے پر لڑکی کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھر آئے، پھر وہ شیلف کی

طرف بڑھ گئی اس کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی ذابل ہوش میں آ گیا تھا اور اپنی حرکت کا احساس ہوتے ہی اسے شرمندگی نے آ گھیرا وہ مزید ایک لمحہ وہاں ٹھہرے بنا شاپ میں واپس آ گیا تھا، اس وقت تو اس نے اپنی کیفیت کو نظر انداز کرتے ہوئے اس بات کو بھلا دیا تھا لیکن جب رات کو ذابل سونے کے لئے لیٹا تو وہ ماتھے پر شکن لئے اس کی آنکھوں میں اتر آئی تھی اور اس کے بعد سے کوئی ایک دن بلکہ کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں تھا جب وہ اسے بھول پایا ہو، یونیورسٹی میں ہوتا تو شاپ پر جانے کی جلدی ہوتی شاپ پر ہوتا تو نظریں ایک چہرے کو تلاش کرتی رہتی لیکن اس دن کے بعد وہ کبھی نظر نہیں آئی تھی ہر رات شاپ سے اداس لوٹتا اور ہر صبح ایک نئی امید دل میں لئے گھر سے نکلتا مگر وہ اسے پھر کبھی دکھائی نہیں دی، وہ بہت دن تک اپنے احساسات سے نگاہیں چراتا رہا تھا لیکن وہ چہرہ جیسے اس کی آنکھوں میں بس گیا تھا۔

''پتا نہیں وہ مجھے کبھی ملے گی بھی یا نہیں۔'' مایوسی سے سوچتے ہوئے اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا لیمپ کی روشنی میں دور تک سنسان پڑی سڑک پر درختوں کے لمبے سائے عجیب سا تاثر پیدا کر رہے تھے، پورا چاند آسمان کے سینے پر جگمگا رہا تھا ستاروں کی شال اوڑھے آسمان بہت خوبصورت دکھائی دے رہا تھا وہ یقیناً اس رات کی خوبصورتی کو پوری طرح انجوائے کرتا اگر جو اس کا دل اس قدر اداس نہ ہوتا، رات بہت سرد تھی زیادہ دیر کھڑکی میں کھڑے رہنا ممکن نہ تھا وہ کھڑکی بند کر کے پردے برابر کرتا دوبارہ بیڈ کی طرف آ گیا۔

☆☆☆

کافی دن سے اماں رشتہ مہم میں سرگرم تھیں اور ماجدہ آنٹی ان کے ساتھ تھیں، ہر دوسرے دن وہ دونوں کہیں جانے کے لئے تیار نظر آتیں اور گھر واپسی کے بعد بھی ماجدہ آنٹی اور عاصمہ کی لمبی نشست ہوا کرتی اور اگلے دن کے لئے پروگرام طے کیے جاتے، باذل یہ سب دیکھ رہا تھا لیکن فی الحال خاموش تھا، کیونکہ عاصمہ نے ابھی تک اس سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی، یا تو انہیں بیٹے کی فرمانبرداری کا بہت یقین تھا اور یا پھر یہ تھا کہ ابھی تک کوئی لڑکی ان کے ہی دل کو نہیں بھائی تھی تو وہ کیا ذکر کرتیں لیکن دونوں ہی صورتوں میں باذل کے سر پر تلوار لٹک رہی تھی، وہ کافی ڈسٹرب تھا لیکن اس الجھی ڈور کا کوئی سرا اس کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔

''ذابل بیٹا ذرا یہاں آؤ۔'' وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا بے دلی سے چینل بدلنے میں مصروف تھا تبھی عاصمہ نے اپنے کمرے سے اسے آواز دی۔

''جی امی؟'' وہ دروازے میں کھڑا تھا لہجے سے تھکن عیاں تھی۔

''یہاں آؤ بیٹا میرے پاس آ کر بیٹھو تم سے کچھ بات کرنا ہے۔'' بہت پیار سے کہتے ہوئے انہوں نے بیڈ پر اپنے قریب اسے کے لئے جگہ بنائی تھی، وہ خاموشی سے ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا، ماں کا اس طرح بلانا ظاہر کر رہا تھا کہ بات کوئی خاص ہے اور وہ خاص بات کیا ہو سکتی تھی اس کے اسے اندازہ تھا اس کے لئے یہ بلاوا یقیناً بہت خوش کن ہوتا اگر وہ پری وش اس روز اسے دکھائی نہ دیتی۔

''کیسا مرجھایا ہوا چہرہ لگ رہا ہے طبیعت ٹھیک ہے تمہاری۔'' وہ اس کا ماتھا چھوتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''میں آج ہی فون کرتی ہوں تمہارے باپ کو، آ کر سنبھالیں اپنا کام، حد ہوتی ہے جا کر بیٹھ ہی گئے ہیں دوست کے پاس۔'' انہیں ذابل کی فکر تو ضرور تھی لیکن حقیقت میں وہ خود بھی فاروق احمد کی کمی کو شدت سے محسوس کر رہی تھیں شادی کے بعد سے اب تک بہت کم ہی ایسا ہوتا تھا کہ فاروق صاحب اتنے دن کے لئے کہیں جائیں اگر رشتے داروں کے ہاں جاتے تھے تو عاصمہ بھی ساتھ ہی ہوتی تھیں، پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ وہ اکیلے گئے تھے اور وہ بھی اتنے دن کے لئے اور یہ سب بھی ذابل کی وجہ سے تھا اس نے ہی زبردستی ان کا پروگرام بنوایا تھا، دوستوں کے ساتھ جانے کا، اسی وجہ سے عاصمہ کو غصہ ذابل پر بھی تھا جس کا ڈائریکٹ اظہار وہ نہیں کرتی تھیں لیکن ذابل سب سمجھتا تھا۔

''چھوڑیں بھی امی کبھی کبھار ہی تو ابو کہیں جاتے ہیں اور وہ بھی کسی نہ کسی کام سے ہی جاتے ہیں پہلی بار صرف دوستوں سے ملنے گئے ہیں کچھ دن رہنے دیں ابھی انہیں وہیں۔'' ذابل نے فوراً باپ کی حمایت کی تھی اور ذابل چاہتا تھا کہ ابھی کچھ دن اور وہ دوستوں کی سنگت میں انجوائے کریں اس کا خیال تھا کہ اس طرح کاروبار کی ذمہ داریوں سے دور دوستوں کے ساتھ وقت گزارنا ان کی صحت پر اچھا اثر ڈالے گا۔

''تم تو ہمیشہ باپ کے چمچے بنے رہنا، خیر چھوڑو ان باتوں کو ابھی میں نے تمہیں ایک ضروری کام سے بلایا، ذرا راستہ دو مجھے۔'' وہ اسے پیچھے ہٹاتیں بیڈ سے اترنے لگیں۔

''کیا چاہیے امی مجھے بتا دیں۔'' عاصمہ کو الماری کی طرف جاتے دیکھ ذابل نے کہا لیکن عاصمہ کوئی جواب دیے بنا الماری سے کوئی چیز نکالنے میں مصروف ہیں جب وہ پلٹیں تو ذابل نے دیکھا ان کے ہاتھ میں کالے رنگ کا ایک درمیانے سائز کا پرس تھا۔

''دیکھو بیٹا میں چاہتی ہوں کہ اب تمہاری شادی ہو جائے، میں نے کچھ لڑکیاں دیکھی ہیں یہ ان لڑکیوں کی تصویریں ہیں جو مجھے اچھی لگی ہیں، سچی بات ہے مجھے تو یہ ساری ہی پسند ہیں سبھی پڑھی لکھی ہیں اور خوبصورت بھی خاندان بھی اچھے ہیں تم یہ دیکھ لو اور ان میں جو تمہیں پسند آئے بتا دینا۔'' کچھ تصویریں نکال کر انہوں نے گم صم بیٹھے ذابل کے ہاتھ میں تھما دیں، اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے، عقل کہتی تھی سراب کے پیچھے جانے کی بجائے چپ کر کے امی کی پسند کی کسی لڑکی سے شادی کر لے اور اس نے سنا تھا نکاح کے دو بولوں میں عجیب جادو ہوتا ہے دو انجان لوگوں کو محبت کے بندھن میں باندھ دیتے ہیں، سو اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان بھی محبت کا رشتہ استوار ہو ہی جائے، لیکن دل اس طرح ہتھیار ڈالنے کے لئے بالکل تیار نہیں تھا، دل کہتا تھا اسے تلاش کرو اپنے دل کا حال اسے سناؤ اور پھر فیصلے کا اختیار اسے دے دو، دل و دماغ کی اس کشمکش نے اسے نڈھال کر رکھا تھا، وہ تصویریں کمرے میں لے تو آیا تھا لیکن ان پر ایک بھی نظر ڈالے بغیر وہ سب تصویریں میز پر پھینکنے کے انداز میں رکھ کر وہ خود بھی اپنے بستر پر ڈھے سا گیا۔

☆☆☆

''کیا ہوا امی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' میمونہ کو بے وقت بستر میں لیٹا دیکھ کر ایمل فکرمندی سے پوچھتی ان کے سرہانے آ بیٹھی۔

''ہاں ٹھیک ہوں ایسے ہی بس سر میں تھوڑا سا درد ہو رہا تھا میں نے سوچا کچھ دیر لیٹ جاتی ہوں ٹھیک ہو جائے گا، تم نے کپڑے استری کر لئے؟'' اس کی پریشانی دیکھتے ہوئے انہوں نے

مسکرا کر جواب دیا اور شام کے بارے میں پوچھتے ہوئے اس کا دھیان بٹانے کی کوشش کی۔

''کہیں بخار تو نہیں ہو رہا؟'' امی کی ساری توجہ ان کی طرف تھی اب ماتھا چھو کر بخار محسوس کرنے کی کوشش کرنے لگی تو میمونہ بستر سے اٹھ بیٹھیں۔

''ارے کچھ نہیں ہوا مجھے خوامخواہ پریشان مت ہو جایا کرو۔''

''امی آپ کو ذرا بھی کچھ ہو تو مجھے لگتا ہے میری جان نکل جائے گی۔'' وہ ایک سہمی ہوئی چھوٹی سی بچی کی طرح ان کے سینے میں سر چھپا کر بولی تو ایک لمحے کو میمونہ کے دل کو کچھ ہونے لگا، امی کے دل میں چھپے ہر خوف کو اچھی طرح سمجھتی تھیں، باپ کے سائے سے محروم لڑکیاں ماؤں کے لئے کچھ زیادہ ہی حساس ہو جایا کرتی ہیں، دل کو کچھ ہونے لگا تھا لیکن پھر دانستہ ہنس کر بولیں۔

''تم نے تو مجھے بالکل ہی کانچ کی گڑیا سمجھ لیا ہے امی، کبھی کبھی تو ایسے لگتا ہے جیسے میں تمہاری ماں نہیں بلکہ تم میری ماں ہو۔'' وہ کچھ نہیں بولی ایسے ہی ان کے سینے سے لگی رہی۔

''میں ٹھیک ہوں میری جان۔'' وہ امی کا سر سہلانے لگیں۔

''چلو اٹھو میرا بچہ شام کی تیاری کرو پتا ہے نا رانی صبح سے تمہارے انتظار میں بیٹھی ہے تم ذرا جلدی چلی جانا بچی کا دل خوش ہو جائے گا کتنا پیار کرتی ہے تم سے۔''

''کیا مطلب جلدی چلے جانا، آپ نہیں جائیں گی کیا؟''

''نہیں بیٹا میں نہیں جا سکوں گی، وہاں شور شرابا ہو گا میں کچھ آرام کرنا چاہتی ہوں اور ویسے بھی یہ تو بچوں کے جانے کی جگہیں ہیں۔''

''تو پھر میں بھی نہیں جاؤں گی، اسد بھائی چلے جائیں گے بس میں آپ کے پاس رہوں گی۔'' وہ ان سے لپٹتے ہوئے دوبارہ ان کے سینے میں سر چھپا گئی۔

''بری بات ہے امی وہ بچی صبح سے دس فون کر چکی ہے تمہارے لئے اور تم نہیں جاؤ گی تو کتنا دکھی ہو گی جانتی ہو نا اور تمہارے چچا چچی الگ برا منائیں گے، اگر میری طبیعت زیادہ خراب ہوتی تو میں خود تمہیں روک لیتی، لیکن ابھی ایسی کوئی مجبوری نہیں چلو اٹھو میں تمہارے کپڑے نکال رہی ہوں جلدی تیار ہو اسد بھی بس آتا ہو گا۔'' اس بار وہ ذرا سخت لہجے میں کہتے ہوئے خود بھی بستر سے اٹھ کھڑی ہوئیں تو امی بھی منہ بسورتی اٹھ گئی، تھوڑی دیر میں اسد بھی آ گیا تھا، میمونہ اور اسد کی باتوں نے اس کا موڈ ٹھیک کر دیا تھا گھر سے نکلنے تک اس کی اداسی ختم ہو چکی تھی اور اب اس کی سوچوں کا مرکز رانی کا گھر تھا جہاں آج رانی کی سالگرہ تھی اور وہ صرف اس کی منتظر تھی۔

☆☆☆

''بس یوں سمجھو میں نے ابھی سے تمہارا انتظار کرنا شروع کر دیا ہے۔'' عاصمہ نے فون کان سے لگائے بے حد پرجوش لہجے میں نہ جانے کس سے مخاطب تھیں۔

''چلو ٹھیک ہے بس گھر سے چلتے ہوئے فون کر دینا یاد سے، ہاں ہاں کیوں نہیں تم فکر نہ کرو میں ذابل کو بھیج دوں گی سٹیشن پر، چلو ٹھیک ہے بچوں کو پیار دینا اور بھائی صاحب کو سلام کہنا۔'' ذابل کو بیٹھنے کا اشارہ کرتیں وہ جلدی سے بات سمیٹنے لگیں تو اس نے شکر کا سانس لیا۔

''ذابل بیٹا کیا لو گے ناشتے میں، آملیٹ بنا دوں؟'' فون پر اللہ حافظ کہتے ہی وہ ذابل کی

طرف آئی تھیں۔

''نہیں امی ابھی ناشتے کا موڈ نہیں صرف ایک کپ چائے دے دیں۔'' بظاہر اخبار پر نظریں دوڑاتا وہ اس وقت بھی کسی سوچ میں گم لگ رہا تھا۔

''خالدہ آ رہی ہے۔'' چائے کے لئے پانی رکھ کر وہ اس کی طرف پلٹیں۔

''اس کی بیٹی بھی ساتھ ہو گی۔'' چائے کا پانی ابلنے لگا تھا ابلتے پانی میں پتی ڈالتے ہوئے وہ اس کی معلومات میں اضافہ کرنے لگیں۔

''اچھا!'' اس نے پھر صرف اچھا کہنے پر اکتفا کیا اور کیبنٹ کھول دیا۔

''کیا ڈھونڈ رہے ہو؟''

''بسکٹ دیکھ رہا ہوں امی، ختم ہو گئے ہیں کیا؟''

''وہ تو پرسوں ہی ختم ہو گئے تھے میں نے کہا تو تھا تم سے کہ لیتے آنا۔'' انہوں نے فوراً اس کی کوتاہی جتائی وہ خاموشی سے چائے پینے لگا۔

''کسی بچے کو بھیج کر منگوا لوں؟''

''نہیں رہنے دیں دیر ہو جائے گی اور چائے بھی ٹھنڈی ہو جائے گی، کب آنا ہے خالدہ خالہ نے؟'' اسے اچانک ہی خیال آیا تھا کہ وہ کافی دیر سے عاصمہ کی باتوں کو بے توجہی سے سن رہا تھا تبھی پوچھنے لگا۔

''اس اتوار کا پروگرام ہے، تم ذرا اسٹیشن چلے جانا اب اکیلی ماں بیٹی کیا رکشوں کے چکر میں پڑیں گی۔''

''جی ٹھیک ہے۔'' فرمانبرداری سے جواب دیتا وہ کپ ٹیبل پر رکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''سنو؟'' عاصمہ نے کچن سے باہر جاتے ذابل کو پکارا۔

''کچھ سامان منگوانا ہے مجھے، شام کو شاپ سے واپسی پر لیتے آنا۔''

''آج تو مشکل ہے امی کل لے آؤں گا ویسے بھی ان لوگوں نے تو اتوار کو ہی آنا ہے نا۔''

''چلو ٹھیک ہے کل تک تمہارے ابو بھی آ جائیں گے تو تم فری ہو گے آرام سے سب لے آنا۔'' توقع کے خلاف وہ فوراً اس کی بات مان گئیں ذابل کی گاڑی گیٹ سے نکل رہی تھی تبھی ماجدہ آنٹی کے ساتھ رشتہ کرانے والی اس کے گھر کے دروازے پر پہنچیں۔

''پھر کوئی نیا رشتہ پتا نہیں یہ میرے ہی پیچھے کیوں پڑ گئی ہے سارے شہر میں ایک میں ہی اکیلا کنوارہ ہوں کیا؟'' انہیں دیکھ کر وہ شدید کوفت کا شکار ہو گیا تھا جانتا تھا آج شام واپسی پر عاصمہ کچھ تصویروں کے ساتھ اس کی منتظر ہوں گی۔

''کہاں ہو تم؟'' سگنل پر رکتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھتا وہ اس کے تصور سے پوچھنے لگا، تبھی اردگرد کا جائزہ لیتی اس کی نظریں ایک جگہ ٹھہر گئیں اس سے تھوڑے فاصلے پر موٹر بائیک پر یقیناً وہی تھی، وہ آج سفید کرتے کے ساتھ گلابی پاجامہ اور پیروں میں نازک سا وائٹ سینڈل پہنے ہوئے تھی، سر پر گلابی دوپٹہ سلیقے سے لئے وہ آج بھی بہت باوقار لگ رہی تھی وہ شاید کسی تقریب سے آ رہی تھی یا کسی تقریب میں شرکت کے لئے جا رہی تھی کیونکہ آج اس کے کانوں میں خوبصورت ٹاپس ہاتھوں میں بریسلٹ اور ہونٹوں پر لائٹ پنک لپ سٹک بھی دکھائی دے رہی تھی، اس معمولی سے سنگھار نے اس کے حسن کو کچھ اور جلا بخش دی تھی اس کے چہرہ کا طوائف کرتی ذابل کی نظریں اس کے آگے بیٹھے انسان پر جا رکیں تبھی وہ آگے والے سے کچھ کہتی ہلکے سے ہنسی۔

''نہ جانے اس کے ساتھ کون ہے؟'' ان

کی بائیک کافی آگے نکل چکی تھی۔ ٹریفک جام کی وجہ سے ان کا پیچھا کرنے کی حسرت ذابل کے دل میں ہی رہ گئی تھی لیکن چند لمحے اسے دیکھنا بھی کچھ کم بات نہیں تھی کچھ بھی تھا کم از کم وہ دوبارہ اسے دکھائی تو دی تھی اس سے اتنا تو کنفرم ہو گیا تھا کہ وہ اسی شہر میں ہے اور جیسے آج نظر آئی تھی دوبارہ بھی دکھائی دے سکتی ہے اور پھر...... وہ لبوں پر مسکان لئے منصوبے بناتا اپنے دل کو بہلا رہا تھا۔

☆☆☆

''کیا بات ہے جگر کہاں گم ہے اتنے دن سے؟'' اسے دیکھتے ہی فرحان نے شکوہ کیا تھا ذابل آج کافی دن بعد فرحان کی طرف آیا تھا۔

''بس یار آج کل فری ہوں تو سوچا کیوں نا ابو کو کچھ ریسٹ دیا جائے پھر تو کلاسز شروع ہو جانی ہیں آج کل صبح ہی شاپ پر چلا جاتا ہوں وہاں سے شام واپسی ہوتی ہے تو پھر گھر سے نکلنے کا موڈ ہی نہیں بنتا۔'' وہ اس کی ناراضگی دور کرنے کو تفصیل سے بتانے لگا۔

''تو صبح سے شام تک شاپ پر ہوتا ہے اور انکل گھر پر؟''

''نہیں یار ابو اپنے کسی دوست کے پاس ساہیوال گئے ہوئے تھے کل رات ہی واپس آئے ہیں اور آج میں تیرے پاس۔'' باذل مسکراتا ہوا فرحان کے بیڈ پر دراز ہو گیا۔

''ناشتہ منگواؤں تیرے لئے؟''

''نہیں یار ناشتہ میں نے کر لیا ہے۔''

''چائے تو چلے گی نا؟''

''ہاں اور سن چائے کے ساتھ ایک سر درد کی ٹیبلٹ بھی منگوا لینا، سر میں بہت درد ہے۔'' آنکھوں پر بازو رکھے لیٹے باذل کو فرحان نے بڑے دھیان سے دیکھا تھا اگرچہ باذل نے کسی بات یا انداز سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ پریشان یا اداس ہے لیکن فرحان نے اس کی پریشانی بھانپ لی تھی، چائے آنے تک وہ ادھر اُدھر سے باتیں کرتے رہے تھے، چائے کے ساتھ ٹیبلٹ لے کر وہ کچھ بہتر محسوس کر رہا تھا۔

''چل اب بتا مسئلہ کیا ہے؟'' ریموٹ کنٹرول سے ٹی وی کے چینل بدلتا ذابل کا ہاتھ وہیں تھم گیا تھا۔

''کوئی مسئلہ نہیں ہے یار۔'' اس نے ٹالنے کی کوشش کی۔

''دیکھ ہماری دوستی کوئی آج کی نہیں ہے بچپن کا دوست ہے تو میرا، تیرا ہر انداز پہچانتا ہوں اور یہ اتنی صبح سویرے میرے گھر تو سر درد کی ٹیبلٹ کھانے تو ہرگز نہیں آیا ہے نا؟'' فرحان کے اتنے ٹھیک اندازے پر باذل بے ساختہ ہنس پڑا تھا، وہ آیا ہی اس لئے تھا کہ اتنے دن سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اسے واقعی اس انجان لڑکی سے محبت ہو گئی ہے اور وہ اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتا ہے اور اب یہی فرحان سے شیئر کرنے آیا تھا لیکن یہاں آ کر سوچ میں پڑ گیا تھا، آخر کہتا بھی کیا کہ اس نے ایک لڑکی کو ایک لمحے کے لئے دیکھا اور اس کا چہرہ ذابل کے دل ونظر میں بس گیا ہے اور پچھلے دو مہینوں سے وہ اس لڑکی کے عشق میں مبتلا ہے، جس کے بارے میں وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے اس کا نام کیا ہے کہاں رہتی ہے، یہ ایسی داستان محبت تھی جس پر فرحان کیا کوئی بھی سنتا تو ہنس پڑتا۔

''اچھا بتاؤ کون ہے وہ؟'' ذابل کو ایک بار پھر سوچوں میں گم ہوتے دیکھ کر فرحان نے دل میں آتا سوال سیدھے سیدھے پوچھ لیا۔

''پتا نہیں۔'' ذابل کے لہجے میں واضح بے

بسی تھی۔

''پتا نہیں؟ کیا مطلب ہے اس پتا نہیں کا؟ فون پر ملی ہے یا نیٹ پر؟''

''رئیل میں۔'' ذابل کے منہ لٹکا کر بولنے پر فرحان خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''اتنا گھور کیوں رہے ہو۔'' فرحان کی خاموشی پر ذابل نے اس کی طرف دیکھا تو اسے اپنی طرف گھورتا دیکھ کر ذرا غصے سے بولا وہ پہلے ہی اتنا پریشان اور جھنجلایا ہوا تھا اور فرحان کی آنکھوں سے جھانکتی شرارت اس سے پوشیدہ نہیں رہی تھی۔

''چل پوری بات بتا کہاں ملی کیسے ملی۔'' مسکراہٹ چھپاتے ہوئے فرحان نے فرمائش کی۔

''تو پہلے دانت نکال لے۔'' ذابل کے غصے سے کہنے پر فرحان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''سوری...... یار سچ میں سوری، میں تیری محبت کا مذاق نہیں اڑا رہا ہوں، مجھے تو تیری حالت پہ ہنسی آ رہی ہے، پورا مجنوں لگ رہا ہے میرا یار۔'' فرحان کی وضاحت پر ذابل بھی مسکراتے ہوئے بیڈ سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور کچھ ہی لمحوں میں وہ فرحان کو اس دن سے لے کر آج تک کی کہانی سنا رہا تھا جب اس نے اس لڑکی کو دیکھا تھا، اس کے پاس بتانے کو کچھ بھی نہیں تھا محض چند لمحوں کی ملاقات بلکہ اسے تو ملاقات بھی نہیں کہا جا سکتا ہاں مگر اس دن سے آج تک کی اس کے بیقراریوں کے قصے خاصے طویل تھے، فرحان اب پوری سنجیدگی سے اسے سن رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر ذابل یہ سب کہہ رہا ہے تو اس کا مطلب ہے وہ اس لڑکی کے لئے واقعی بہت سنجیدہ ہے، ابھی وہ اس معاملے میں اور بات چیت کرتے لیکن تبھی فاروق صاحب کا فون آ گیا وہ اسے گھر بلا رہے تھے۔

''خیریت ہے؟''

''ہاں یار خیریت ہی ہے تمہاری امی کے کچھ عزیز آ رہے ہیں انہیں لینے ریلوے اسٹیشن جانا ہے۔'' ذابل فوراً ہی جانے کو تیار ہو گیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ عاصمہ اپنے رشتے داروں کے حوالے سے کتنی زیادہ حساس ہیں۔

''او کے یار ملتے ہیں پھر، نکالتے ہیں کوئی حل تیرے مسئلے کا بھی۔'' فرحان نے اسے تسلی دے کر رخصت کیا تھا فرحان سے بات کر کے ذابل کافی پرسکون ہو گیا تھا اسے پتا تھا کہ فرحان کچھ نہ کچھ حل نکال لے گا، واپسی پر اس کی سوچوں کا مرکز آنے والے مہمان تھے جو نہ جانے کتنے تھے اور کتنے دن کے لئے آ رہے تھے، انہی سوچوں میں گم وہ گھر کے راستے پر گامزن تھے۔

☆☆☆

''اف یار کیا تھوڑی دیر کے لئے ہم اس عذاب سے جان نہیں چھڑا سکتے؟'' ثوبیہ نے سامنے بکھری کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بے چارگی سے کہا تھا ماریہ اور ایمل نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحے دونوں نے اپنے سامنے رکھی کتابیں بند کر دیں، پچھلے دو مہینوں سے وہ لوگ پڑھائی کے لئے بہت سیریس ہو رہی تھیں تینوں اپنے پچھلے ریکارڈ کو بحال رکھنے کے لئے بہت سنجیدہ تھیں۔

''کینٹین چلیں؟'' کتابیں بند ہوتے ہی ثوبیہ کی بشاشت امڈ کر آئی اور کینٹین کی یاد بھی ستانے لگی۔

''نہیں بھئی میں تو کہیں نہیں جا رہی، تم لوگ یہیں کچھ لے آؤ پلیز۔'' ایمل کے انکار پر ثوبیہ نے ماریہ کی طرف دیکھا۔

''میں بھی بہت تھکی ہوئی ہوں ایک قدم بھی

چلنے کو نہیں کر رہا اب یہ اتنا بڑا میدان پار کر کے اتنی دور کون جائے، میری پیاری سی بہن تم اکیلی چلی جاؤ نا۔" وہ لوگ کینٹین سے کافی فاصلے پر گراؤنڈ کے ایک خاموش پرسکون گوشے میں بیٹھی تھیں۔

"میں اکیلی تمہارے ٹھونسنے کے لئے اتنا سب کیسے لاؤں گی؟"

"لو جی سامان اٹھائیں تمہارے دشمن، تم زکوٹا سے کہنا وہ پہنچا دے گا سب، یا پھر کچھ دیر ٹھہر جاؤ چھٹی میں تھوڑا ہی ٹائم ہے گھر جا کر اماں کے ہاتھ کا مزیدار کھانا تناول کر لینا۔" ماریہ نے اسے پچکارتے ہوئے کینٹین پر کام کرنے والے چھوٹے لڑکے کا حوالہ دیا اور ساتھ ہی متبادل حل دیتے ہوئے ہری جھنڈی دکھائی۔

"ہاں چاہے گھر جانے تک میں اللہ کو پیاری ہو جاؤں، بہت خبیث ہو تم لوگ۔" بھوک کی پچی ثوبیہ کے جانے کے بعد ماریہ نے اسے پکارا۔

"ہوں۔" وہ ابھی تک آنکھیں موندے ہوئے تھی شاید تھکن اتار رہی تھی۔

"یار پرسوں جو ٹاپک ڈسکس کیا تھا اس کے بارے میں اور کوئی ڈیٹا ملا؟"

"نہیں یار کچھ بھی نہیں مل رہا، مجھے تو خود کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ کیسے تیار کریں گے ہم کافی اہم ٹاپک۔" ایمی سارا آرام ورام بھول کر اٹھ بیٹھی۔

"تم بتا رہی تھیں کہ مین مارکیٹ میں کوئی لائبریری ہے وہاں اچھی بکس ہیں، کیا خیال ہے چکر لگائیں وہاں کا؟"

"ہاں...... نہیں۔" وہ جو ماریہ سے اتفاق کرنے جا رہی تھی تصور کے پردے پر دو اشتیاق بھری آنکھیں ابھرتی دیکھ کر گڑبڑا گئی۔

"کیا ہاں نہیں؟ آج چلیں کالج سے واپسی پر؟" ماریہ کچھ زیادہ ہی فکر مند تھی اور جلد از جلد ڈیٹا لینا چاہ رہی تھی۔

"نہیں یار آج تو بہت تھکن ہو رہی ہے اور میرا نہیں خیال کہ وہاں ہمارے کام کی کوئی کتاب مل سکے گی، لیکن پھر بھی میں نے ایک دو دن میں بھائی کے ساتھ جانا ہے بازار تو لائبریری کا چکر بھی لگا لوں گی، اگر کوئی بک ہوئی تو لیتی آؤں گی ٹھیک ہے؟" اس نے سمجھداری سے بات بنا کر ماریہ کو ٹال دیا تھا تبھی ثوبیہ زکوٹا کے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں اٹھائے شور مچاتی آ پہنچی تو وہ دونوں بھی سب بھول کر اس کی طرف متوجہ ہو گئیں کہ بھوک تو انہیں بھی بہت لگ رہی تھی۔

☆☆☆

"لیکن امی میں انہیں پہچانوں گا کیسے۔" یہ خیال اسے اسٹیشن جانے سے پہلے ہی آیا تھا۔

"کیا مطلب کیسے پہچانو گے، ملے تو تھے تم خالدہ سے خالد کی شادی میں۔" امی کو اس کے سوال پر بے حد حیرت کے ساتھ ناگواری نے بھی آ گھیرا۔

"اس شادی کو تو بہت ٹائم ہو گیا ہے امی اور وہاں کم از کم دو تین درجن عورتوں سے آپ نے مجھے یہ کہہ کر ملوایا تھا کہ ان سے ملو یہ تمہاری خالہ ہیں اب آپ ہی بتائیں اتنی ساری خالاؤں میں سے خالدہ خالہ کون سی تھیں میں کیسے یاد رکھ سکتا تھا بھلا۔" ذابل عاجزی کی انتہا پر تھا، اس کی بات میں کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا ایک تو یہ کہ وہ ہمیشہ ہی الگ تھلگ رشتے داروں سے دور اپنی دنیا میں مگن رہنے والا انسان تھا اور دوسرے بھی شادی بیاہ کے مواقع پر ہی سب رشتے داروں سے ملاقات ہو پاتی تھی اور اس میں بھی اس کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ اسے وہاں جانا نہ پڑے جس

میں سب سے اچھا بہترین اور آزمودہ بہانہ پڑھائی کا تھا جو کہ سدا بہار بھی تھا اور اکثر ایسے ٹرپ سے اس کی جان چھڑوا دیا کرتا تھا گھر آ کر رہنے والوں سے بھی اس کی بات بس سلام دعا تک ہی رہا کرتی تھی، اب ایسے میں خالدہ خالہ کو یاد رکھنا کسی بھی طرح ممکن نہیں تھا، عاصمہ اسے غصے سے گھورتی اپنی الماری کی طرف جا چکی تھی، جسے ذابل نے عمرو عیار کی زنبیل کا نام دے رکھا تھا کیونکہ اس الماری میں نہ جانے کیا کیا ہوتا تھا جیسے کہ اس وقت کے مسئلے کا حل بھی یقیناً اس الماری میں موجود تھا، تبھی عاصمہ الماری میں سر دیئے کھڑی تھیں انہیں مصروف دیکھ کر اس نے تکیہ اٹھا کر پیچھے رکھا اور لیٹ گیا ٹانگیں ابھی تک بیڈ سے نیچے لٹکی ہوئی تھیں جنہیں وہ آگے پیچھے جھلا رہا تھا۔

"یہ دیکھو ذرا۔" عاصمہ پلٹیں تو ان کے ہاتھوں میں فوٹو البم دیکھ کر وہ ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گیا۔

"اس میں خالد کی شادی کی تصویریں نکالو ذرا۔" عاصمہ کی عادت تھی کہ وہ جس تقریب کی بھی تصویریں رکھتیں، البم پر اس کا نام تاریخ وغیرہ ضرور لکھتی تھیں اسی طرح ذابل کے بچپن کا سب تصویریں موقع اور تاریخ کے مطابق محفوظ تھیں۔

"آئے ہائے ان میں کسی بھی تصویر میں خالدہ نہیں ہے۔" پورا البم دیکھنے کے بعد عاصمہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"اب کیا ہو گا؟" وہ بھی بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

"ایسا کرتا ہوں ابو کو ساتھ لے جاتا ہوں وہ تو پہچان ہی لیں گے نا خالہ کو؟" اس نے جلدی سے حل نکالا تھا کہ امی کے ہائے وائے اس سے برداشت نہ ہوتی تھی۔

"کیا خاک پہچان لیں گے ارے وہ تو اگر مجھے گھر سے باہر دیکھ لیں تو نہ پہچان پائیں میرے رشتے داروں کو کیا خاک پہچانیں گے۔" انہوں نے مبالغہ آرائی کی حد کر دی۔

"تو پھر اب، ارے ہاں آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ میرے موبائل پر کال کر لیں تو مجھے آرام سے پتا چل جائے گا ان کا کہ وہ کہاں ہیں سو سمپل۔" سامنے کی بات تھی لیکن اسے اب خیال آیا تھا۔

"وہ موبائل فون کہاں استعمال کرتی ہے۔" انہوں نے ذابل کی خوشی پر اوس برسائی۔

"تو ان کی صاحبزادی کے پاس تو ہو گا نا امی۔"

"ابھی ایسا رواج نہیں چلا میرے خاندان میں کہ لڑکیوں کو یوں آزاد چھوڑ دیا جائے، پی ٹی سی ایل ہے نا گھر میں بس سب وہی استعمال کرتے ہیں، موبائل کی بھلا کیا ضرورت؟" امی کی اپنی باتیں تھیں۔

"اب وہ پی ٹی سی ایل تو ساتھ لے کر آنے سے رہیں۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

"چلو میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ اسٹیشن۔" امی کی بات نے اسے جلدی سے اٹھ کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا۔

"نہیں امی پلیز، میں خود ہی دیکھ لوں گا آپ فکر نہ کریں، میں انہیں لے آؤں گا۔" وہ کسی بھی صورت عاصمہ کو ساتھ لے جانے پر تیار نہیں تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہاں دیر بھی ہو سکتی ہے اور اتنی دیر بے آرامی ان کی طبیعت خراب کر سکتی تھی اور وہ بہرحال یہ رسک نہیں لے سکتا تھا۔

☆☆☆

اسے ریلوے اسٹیشن پر آئے ایک گھنٹے سے زیادہ ہو چکا تھا اور گاڑی کا دور دور تک نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا وہ حد سے زیادہ بیزار ہو رہا

تھا پچھلے ایک گھنٹے میں وہ پورا میگزین پڑھنے کے علاوہ اردگرد کا بھرپور مشاہدہ بھی کر چکا تھا، اردگرد گزرتے لوگ روتے ہنستے بچے، سامان اٹھائے اِدھر اُدھر جاتے لوگ اور آنے والوں کے انتظار میں بیٹھے لوگ، یہ مناظر دیکھتے دیکھتے وہ کوفت کا شکار ہونے لگا تھا اس نے عاصمہ سے کہا بھی تھا کہ اتنی جلدی جانے کی ضرورت نہیں گاڑی تو روٹین میں بھی دو چار گھنٹے دیر سے ہی آتی ہے اور انہوں نے اسے آدھے گھنٹے پہلے بھیج دیا تھا۔

''بیٹا اکیلی عورتیں آ رہی ہیں یہ نہ ہو تمہیں جانے میں دیر ہو جائے تو خوانخواہ انہیں مسئلہ ہو۔'' عاصمہ کی اس بات نے اسے مزید کچھ بھی کہنے سے روک دیا تھا، خدا خدا کر کے گاڑی پہنچی اور اسٹیشن پر ایک ہجوم بیکراں دکھائی دینے لگا اب ذابل کو اتنے رش میں خالدہ خالہ اور ان کی صاحبزادی کو تلاش کرنا تھا، خوش قسمتی سے خالدہ خالہ کی کچھ سال پرانی ایک تصویر مل گئی تھی لیکن اس میں بھی ان کا سائیڈ پوز ہی تھا بقول عاصمہ۔

''تمہاری خالدہ خالہ اس طرح کی چیزوں سے دور ہی رہتی ہے ہمیشہ سے۔'' ان کی مراد یقیناً کیمرہ تھا ان کا سائیڈ پوز دیکھ کر ہی ذابل اس دوری کی تہہ تک جا پہنچا تھا۔

''ایکسکیوز می!'' وہ پوری طرح ٹرین سے اترتے لوگوں کی طرف متوجہ تھا جبھی اس مترنم آواز پر ذابل نے پلٹ کر دیکھا وہ حسینہ یقیناً اسی سے مخاطب تھی۔

''تم ذابل ہی ہو نا بیٹا!'' اس سے پہلے کہ اس لڑکی سے پکارے جانے کی وجہ پوچھتا لڑکی کے پہلو میں کھڑی والدہ محترمہ بول پڑیں جن پر ابھی تک اس کی توجہ ہی نہیں گئی تھی۔

''خالدہ خالہ؟'' وہ ایک لمحے میں پہچان گیا۔

''ارے ہاں بیٹا، شکر ہے تم مل گئے ہو میں تو پریشان ہو رہی تھی۔'' پہچان کا مرحلہ طے ہوتے ہی وہ چٹا چٹ اس کی بلائیں لینے لگیں، اس حملے سے گھبرا کر اس نے جلدی سے ان کا سامان اٹھایا اور اپنے پیچھے آنے کا کہہ کر گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

''یہ روجی ہے میری بیٹی۔'' گاڑی چلتے ہی خالدہ خالہ نے تعارف کی رسم نبھائی، اس نے مسکرانے پر اکتفا کیا جواب میں روجی بھی مسکرائی۔

''اسی نے تمہیں پہچانا ہے ورنہ مجھے تو اب دکھائی بھی کم پڑتا ہے تم اتنی دور سے کہاں پہچان میں آتے۔'' خاتون باتوں کی کافی شوقین لگ رہی تھیں، ذابل نے بے اختیار ایک متشکرانہ نظر مس روجی پر ڈالی اس نے ذابل کو پہچان کر واقعی اس کا مسئلہ حل کر دیا تھا۔

''امی ابو کیسے ہیں تمہارے؟ تم لوگوں نے تو دوبارہ چکر ہی نہیں لگایا تو میں نے سوچا چلو میں ہی تم لوگوں سے مل آؤں تو پھر روجی بھی ضد کرنے لگی کہ خالہ کے گھر جانا ہے، اب یہ تو ٹھہری گھر بھر کی لاڈلی اس کی بات کون ٹالتا بھلا، ماشاءاللہ سے اکلوتی بیٹی ہے بھائیوں کی لاج دلاری، بڑی سمجھدار ہے میری روجی۔'' وہ نہ جانے کس ٹریک پر جا نکلی تھیں ذابل بس مسکرا کر ہاں جی اور اچھا جیسے الفاظ ادا کرتا رہا وہ اب تک اس حیرت سے نہیں نکلا تھا ان دونوں ماں بیٹی کو دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں مان سکتا تھا کہ وہ ماں بیٹی ہیں، ماں کی رنگت جتنی سیاہ تھی بیٹی اتنی ہی سرخ و سفید، ماں جتنی بے ڈول اور عام سے نقوش کی تھی بیٹی اتنی ہی سانچے میں ڈھلی نرم و نازک گڑیا جیسی، وہ کسی بھی اینگل سے خالدہ خالہ کی بیٹی نہیں لگتی تھی، کوئی ہلکی سی جھلک تک نہیں تھی اس میں خالدہ خالہ کی۔

''سوتیلی ماں...... یقیناً خالدہ خالہ روجی کی سوتیلی ماں ہیں۔'' اس نے سوچ کر گردن ہلائی، تبھی نظر آئینے میں نظر آتے روجی کے عکس پر پڑی وہ بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی ذابل کو لگا کہ جیسے اس کی چوری پکڑی گئی ہو ایک لمحے کو وہ جھینپا لیکن دوسرے ہی پل سر جھٹک کر ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہو گیا باقی کا سفر خاموشی سے گزرا ان کو گھر کے گیٹ پر اتار کر وہ اندر جانے کی بجائے وہیں سے پلٹ گیا تھا دل بے وجہ آوارہ گردی کی طرف مائل تھا شاید یہ امید تھی کہ وہ پھر کہیں راستے میں دکھائی دے جائے، کہ امید پر دنیا قائم تھی اور یہ ایک امید ہی تھی جس کا دامن تھامے وہ انجام کی فکر سے بے نیاز اس انجانے ان دیکھے راستے پر آگے ہی آگے بڑھے جا رہا تھا۔

☆☆☆

میں گریزاں ہوں محبت سے تو سبب کچھ ہیں
ورنہ ہے کون جو چاہت کا طلبگار نہیں
میں تو سرتاپا محبت ہوں مگر پھر بھی
مجھے اس لفظ محبت کا اعتبار نہیں

نوٹس سامنے کھولے وہ کب سے بے خیالی میں رجسٹر پر بال پوائنٹ سے لکیروں کا جال بنائے جا رہی تھی، آج ماریہ نے لائبریری کا ذکر کر کے ان سب باتوں اور سوچوں کو راستہ دے دیا تھا جنہیں وہ بظاہر بالکل بھلائے بیٹھی تھی اور بھولے ہی رہنا چاہتی تھی، آج بے خیالی میں وہ پھر اس دن کو یاد کر رہی تھی جب اچانک ہی وہ سامنے آ گیا تھا، پتا نہیں وہ کون تھا، ایمی کو اپنی خوبصورتی کا باخوبی احساس تھا، ستائشی لہجے اور ستائشی نگاہیں اس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھیں، لیکن نہ جانے اس کی آنکھوں میں ایمل کے لئے ایسا کیا تھا کہ وہ ان نظروں کو بھلا نہیں پا رہی تھی، کسی انہونی کے احساس نے اسے جکڑ لیا تھا، وہ پچھلے ایک سال سے اس لائبریری میں جا رہی تھی لیکن اس دن کے بعد اس نے لائبریری کا رخ نہیں کیا تھا پھر وہ اس روز رانی کی سالگرہ میں جاتے ہوئے وہ ایمل کو نظر آیا تھا دل ایک لمحے کو کچھ الگ انداز سے دھڑکا تھا لیکن ایمل نے فوراً ہی نظروں کا زاویہ بدل لیا تھا، وہ ایک حقیقت پسند لڑکی تھی اپنے حالات اور اوقات سے اچھی طرح واقف تھی، وہ جانتی تھی کہ اس کی خوبصورتی کو سراہا تو جا سکتا ہے اس پر رشک کیا جا سکتا ہے لیکن ایک اچھے کھاتے پیتے گھرانے میں اسے بہو کے طور پر قبول کرنا اتنا بھی آسان نہ تھا اور وہ خود کو اور اپنے گھر والوں کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی اسی لئے ایسے جذبوں سے دامن بچائے ہوئے تھی، مگر کب تک؟ انسان کوشش تو کر سکتا ہے لیکن کہیں نہ کہیں قسمت سے مات کھا ہی جاتا ہے، اسے بھی اپنے دل کی بے وفائی محسوس ہونے لگی تھی اور اس احساس نے اسے بہت بے سکون کر رکھا تھا اس کی بے فکری کی زندگی خواب ہو گئی تھی۔

''کیا میں کوئی بے وقوف لڑکی ہوں؟ نہ جانے وہ کون ہے کیسا ہے اور میں......'' وہ اپنی بے بسی پر جھنجھلا رہی تھی۔

''اور کیا خبر وہ شادی شدہ ہو؟''

''اللہ نہ کرے۔'' ذہن کی اس سوچ پر دل نے بے ساختہ کہا اور وہ عجیب انداز میں ہنس پڑی۔

''تو مس ایمل تمہاری زندگی میں بھی یہ وقت آ ہی گیا آخر چلیں دیکھتے ہیں یہ کہانی کیا موڑ لیتی ہے؟ یا پھر کوئی موڑ لیے بنا ہی اختتام تک جا پہنچتی ہے۔'' سرد آہ بھرتے ہوئے اس نے خود کو تلخ ترین حالات کے لئے تیار کرنا چاہا، وہ ابھی نہ

جانے کتنی دیر انہی سوچوں میں الجھی رہتی لیکن دروازے پر ہونے والی دستک اسے خیالوں سے باہر لے آئی۔

''اتنی دیر سے دروازہ کھولا، میں نے سمجھا سوگئی ہو۔''

''نہیں سوئی تو نہیں بس پاؤں سن ہو گیا تھا اس لئے دروازے تک آتے آتے ٹائم لگ گیا۔'' اسے بر وقت بہانہ سوجھ گیا، میمونہ نے چادر اتار کر تہہ کر کے چارپائی پر رکھی اور وضو کرنے چل دیں، امی نے بھی کتابیں سمیٹ کر سائیڈ پر رکھ دیں اور لیٹ کر آنکھیں موند لیں، سردیوں کی نرم دھوپ جیسے اسے تھپتھپانے لگی میمونہ اس کے پاس آ کر بیٹھیں تو وہ اٹھ بیٹھی۔

''کیسی ہے آمنہ خالہ کی بہو، آسیہ بتا رہی تھی کہ بہت خوبصورت ہے گڑیا جیسی نازک سی۔'' امی ہمسائی کا حوالہ دیتے ہوئے مشتاق لہجے میں پوچھنے لگی، اس کے بچوں جیسے انداز پر میمونہ ہنس پڑیں۔

''ہاں خوبصورت تو ہے لیکن بیٹا صورت شکل ہی تو سب کچھ نہیں ہوتی نا خدا کرے کہ اس کا باطن بھی اتنا ہی خوبصورت ہو جتنا کہ ظاہر ہے، بڑے دکھ دیکھے ہیں آمنہ نے بھری جوانی میں بیوگی کا دکھ سہا محنت مزدوری کر کے بیٹا پالا اب اللہ یہ دن لایا ہے کہ بیٹے کی خوشی دیکھنا نصیب ہوئی ہے اللہ بہو سے بھی خوشیاں ہی دکھائے۔'' آمنہ کے دکھ سناتے ہوئے اپنے دکھ ہی یاد آنے لگے تو ان کا لہجہ دھیما پڑ گیا اس سے پہلے کہ ماحول پر مزید اداسی طاری ہوتی انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔

''تم نے بھی مجھے باتوں میں لگا لیا مجھے ذرا سبزی لا دو اندر سے سالن چڑھا دیتی ہوں، ابھی سے کروں گی تو شام تک کام ختم ہوں گے سردیوں میں رات بھی جلدی آ جاتی ہے نا۔''

''آپ رہنے دیں امی میں بنا لیتی ہوں۔''

''نہیں بیٹا تمہارے پیپر قریب ہیں اپنی پڑھائی پر دھیان دو، چلو تم پڑھو میں خود ہی دیکھتی ہوں کیا رکھا ہے فریج میں۔'' وہ بات کرتے ہوئے خود ہی کمرے کی طرف چلی گئیں تو ایمل بھی کتابیں کھول کر سنجیدگی سے پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

اسے گھر سے نکلے کافی دیر ہو گئی تھی، سڑک پر دور دور تک سناٹا چھایا ہوا تھا، کار میں چلتی مدھر موسیقی ذابل کے دل کے تاروں کو چھیڑ رہی تھی، وہ نہ جانے کتنی دیر اور اسی کیفیت میں سڑکیں ناپتا رہتا لیکن موبائل کی ٹون پر اسے متوجہ ہونا پڑا تھا، ایک ہاتھ سٹیرنگ پر جمائے دوسرے ہاتھ سے موبائل اٹھا کر سکرین پر نظر دوڑائی تو ماما کالنگ لکھا دیکھ کر اس کی نظر خود بخود ٹائم کی طرف چلی گئی۔

''اوہ اتنا لیٹ ہو گیا۔'' ٹائم بارہ سے اوپر ہو رہا تھا اور وہ اس وقت امی کی کال کا مقصد سمجھ گیا۔

''السلام علیکم امی! جی میں گھر آ رہا ہوں، بس تھوڑی دیر تک پہنچ جاؤں گا، آپ فکر نہ کریں پلیز۔'' امی کو تسلی دے کر اس نے روڈ کی اطراف کو دیکھتے ہوئے اندازہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ اس وقت کہاں ہے اور اسے کہاں جانا چاہیے، کچھ ہی دیر میں وہ اپنے گھر کی طرف جانے والی سڑک پر رواں دواں تھا۔

ذابل گھر پہنچا تو عاصمہ ابھی تک اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں، عاصمہ کو ٹی وی لاؤنج میں کھڑے دیکھ کر ایک بار پھر اپنی حرکت پر بہت شرمندہ ہو گیا۔

''سوری امی لیٹ ہو گیا۔''

''کھانا لگاؤں تمہارے لئے؟'' عاصمہ نے اس کی معذرت کا کوئی جواب نہیں دیا جس کا مطلب تھا کہ وہ بہت زیادہ ناراض ہیں۔

''جی کھانا کھاؤں گا لیکن پہلے آپ اپنا موڈ ٹھیک کریں پلیز۔'' عاصمہ کو کندھوں سے تھام کر اپنے سامنے کرتے ہوئے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''اچھا بس چلو جلدی سے ہاتھ دھو کر آؤ میں کھانا لگاتی ہوں۔'' عاصمہ کا موڈ بحال ہونے پر ذابل شکر ادا کرتا فریش ہونے چل دیا۔

☆☆☆

''سنئے سنئے آج کی تازہ خبر سنیے۔'' ماریہ کی آواز خوشی سے بھرپور تھی۔

''کیا ہمارے پیپر لیٹ ہو گئے ہیں؟'' ثوبیہ کی نظر میں آج کل اس سے بڑی خوشی کی خبر اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔

''تم بس ہر ٹائم پیپرز کا ہی سوچتی رہا کرو۔'' ماریہ نے منہ بنایا۔

''تو کیا پاکستان میں کوئی انقلاب آ گیا ہے؟'' یہ ایمل تھی۔

''کیا مصیبت ہے تم دونوں کو کیا ہماری اپنی ذاتی کوئی خبر کوئی خوشی نہیں ہو سکتی؟'' ماریہ اب جھنجھلا گئی۔

''لو پیپرز کا لیٹ ہو جانا ہماری ذاتی خوشی ہی تو ہے۔''

''اور پاکستان میں انقلاب آنا بھی۔'' ایمل نے بھی ثوبیہ کا ساتھ دیتے ہوئے ماریہ کی جھنجھلاہٹ سے لطف اٹھایا۔

''دفع ہو جاؤ تم لوگ میں نہیں بتاتی۔''

''چلو جیسی تمہاری مرضی۔'' ثوبیہ فل چڑانے کے موڈ میں تھی، جانتی تھی خبر سنائے بنا ماریا کو چین نہیں آنا۔

''پھر بعد میں نہ کہنا کہ بتایا نہیں تھا۔'' ماریہ کے روٹھے لہجے پر دونوں ہنس دیں۔

''اچھا چلو بتاؤ کیا خبر ہے؟'' ایمل نے اسے زیادہ ستانا مناسب نہیں سمجھا۔

''میرا انگیج منٹ ہو رہی ہے۔''

''واؤ کب کہاں۔'' سوالات کی بوچھاڑ ہوئی، ماریہ نے مسکراتی نظروں سے دونوں کو دیکھا جو اپنی دوست کی خوشی میں خوش بہت ایکسائیٹڈ دکھائی دے رہی تھیں۔

''احسن!'' ماریہ نے ایک لفظ میں تمام جواب دے ڈالے۔

''بلے بلے یار دیکھا میں نہ کہتی تھی کہ یہ مسٹر احسن اور ان کی امی حضور کے چکر بے سبب نہیں۔'' ثوبیہ نے اپنے اندازے کی داد لینے کو فرضی کالر کھڑے کیے، ایمل خاموشی سے اپنی دوست کی آنکھوں میں جلتے خوشی کے دیے دیکھ کر دل ہی دل میں اس کے ہمیشہ خوش رہنے کی دعا کر رہی تھی نہ جانے کیوں یہ لڑکی اسے بہت عزیز تھی۔

☆☆☆

ذابل نیند کی وادیوں میں کھویا اس پری وش کے ساتھ نہ جانے کون کون سے جہانوں کی سیر کر رہا تھا کہ دروازے پر ہونے والی دستک نے اس کے خوابوں کو بکھیر دیا، اس نے تکیے میں منہ چھپاتے ہوئے اس آواز سے جان چھڑانا چاہی لیکن دستک دینے والا بڑی مستقل مزاجی سے اپنے کام میں لگا ہوا تھا، آخر جھنجھلا کر اس نے بستر چھوڑ دیا، اسے یقین تھا کہ دروازے پر نجمہ عرف نجو کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا تھا دستک اب بھی اسی تسلسل سے ہو رہی تھی اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا لیکن کچھ کہتے کہتے رہ گیا سامنے

نجو نہیں روحی کھڑی تھی۔

''بڑی گہری نیند سوتے ہیں آپ میں کب سے دستک دے رہی ہوں۔'' وہ لبوں پر دلکش مسکراہٹ لیے اپنائیت سے کہہ رہی تھی، اس کے لہجے میں ایسی بے تکلفی تھی جیسے وہ دونوں نا جانے کب سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں، ذابل مہمانوں کی آمد کا بالکل بھول چکا تھا، اس کی بے تکلفی پہ حیران تھا اور نہ جانے کیوں اسے یہ برا بھی لگا۔

''شاید خواب دیکھ رہے تھے آپ ابھی تک اس کے اثر میں لگ رہے ہیں۔'' ذابل کی خاموشی پر ہلکے سے طنز کرتی وہ ایک بار پھر دلکشی سے مسکرائی تو ذابل کو اپنے رویے کا احساس ہوا جو بھی تھا آخر وہ ان کی مہمان تھی۔

''جی بہت ہی خوبصورت خواب تھا مگر آپ نے توڑ دیا۔'' لبوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے ذابل نے اسی کے انداز میں جتایا تو روحی ہنس دی۔

''بند آنکھوں سے خواب دیکھنے والے اکثر حقیقت میں ہونے والی دستک کو نظر انداز کر جاتے ہیں اس میں نقصان تو انہی کا ہوتا ہے نا اور میں بالکل نہیں چاہوں گی کہ آپ کا نقصان ہو اور...... خیر چھوڑیے یہ سب، نیچے ناشتے پر آپ کا انتظار ہو رہا ہے جلدی نیچے آجائیں۔'' ذابل کی گہری نظروں کو محسوس کر کے وہ بات ادھوری چھوڑ کر پلٹ گئی، لیکن ذابل کی پرسوچ نظروں نے سیڑھیاں اترنے تک اس کا تعاقب کیا تھا اور ماتھے پر ابھرتی لکیریں بتا رہی تھی کہ اس کا موڈ صبح صبح خراب ہو چکا ہے۔

☆☆☆

نیچے جانے تک ذابل اپنی یاداشت کو اچھی طرح کھنگال چکا تھا اور آخر اس کو وہ آخری ٹرپ یاد آ ہی گیا تھا جب رشتے داروں کی شادی میں پہلی بار روحی سے ملا تھا، لڑکیوں کے ایک شرارتی ٹولے کی لیڈر نظر آتی وہ لڑکی یقیناً حسن و خوبصورتی کے ہر معیار پر پورا اترتی تھی لیکن نہ جانے کیوں وہ اس وقت بھی ذابل کی توجہ حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی روحی کی خوبصورتی نے اسے متوجہ ضرور کیا تھا، لیکن وہ اس کے دل تک پہنچنے میں ناکام رہی تھی شاید اسی لئے کہ روحی وہ لڑکی نہیں تھی جس کا ذابل کے دل کو انتظار تھا یہ اور بات کہ وہ خود روحی کی توجہ کا مرکز بن کر رہ گیا تھا، بظاہر ہنسی مذاق اور شرارتوں میں مصروف محفل جاں بنی ہر رسم میں آگے آگے رہنے والی وہ لڑکی ارادی غیر ارادی طور پر ذابل کی گرد منڈلاتی رہی تھی، اس وقت بھی ذابل کو اس کی توجہ اور بے تکلفی سے الجھن ہوئی تھی اور اب جب کہ اس کا دل کسی کا اسیر ہو چکا تھا روحی کا رویہ اسے زیادہ الجھن میں مبتلا کر رہا تھا۔

''نہ جانے یہ لوگ کب واپس جائیں گے۔'' روحی کے تیزی سے بڑھتے قدم ذابل کے لئے کسی بھی طور قابل قبول نہیں تھے اور اس کا دل اسے روحی کی آمد کی وجہ سمجھا رہا تھا لیکن فی الحال وہ اپنے دل کی باتوں پر دھیان نہیں دے رہا تھا۔

''شاید اس طرح بات کرنا اس کی عادت ہی ہو۔'' وہ خود کو اسی طرح کے بہلاوے دیتا جلدی جلدی تیار ہو کر ناشتے کی ٹیبل پر پہنچا تھا لیکن یہاں آ کر اسے لگا تھا جیسا روحی نہیں بلکہ ذابل اور اس کے امی ابو روحی کے مہمان ہیں، ناشتے پر سب کی توجہ کا اور تعریفوں کا مرکز وہی تھی، عاصمہ اس کے سلیقے کی تعریف کر رہی تھیں تو فاروق روحی کے ہاتھ کے ذائقے کے گن گانے میں لگے تھے سب کو باری باری چیزیں پیش کرتی

کھانے کے لئے اصرار کرتی وہ کہیں سے بھی ان کی مہمان نہیں لگ رہی تھی جو کہ پہلی بار ان کے گھر آئی تھی، ذابل کو نہ جانے کیوں روحی سے ایک دم چڑ سی محسوس ہوئی شاید اس لئے کہ آج عاصمہ کی توجہ ذابل کے بجائے روحی کی طرف تھی یا شاید اس لئے کہ جس جگہ روحی کھڑی تھی وہ وہاں صرف اور صرف اسے دیکھنا چاہتا تھا جو اس کے دل میں اپنی جگہ بنا چکی تھی، اسے اس ماحول سے بے حد اکتاہٹ محسوس ہوئی وہ یکدم ہی اٹھ کھڑا ہوا، اس کے ایسے اٹھنے پر سبھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور تبھی عاصمہ کو بھی بیٹے کا خیال آیا۔

''ذابل کیا بات ہے ناشتہ تو ٹھیک سے کرو۔''

''ارے ہاں بیٹا بڑی مدت بعد اتنا مزیدار ناشتہ کرنے کو ملا ہے ورنہ روز تو تمہاری امی کے ہاتھوں کا بنا کھانا ہی کھانا پڑتا ہے۔'' فاروق عاصمہ کو شرارت سے دیکھتے ہوئے کہنے لگے تو سب ہنس دیے۔

''نہیں ابو میں جوس لے چکا ہوں بس اب نکلتا ہوں ایک ضروری کام کے سلسلے میں فرحان سے ملنے جانا ہے۔'' اس کے جانے کے بعد عاصمہ اور فاروق نوک جھوک میں لگ گئے تھے خالدہ خالہ بھی پوری طرح ناشتے لطف لینے میں مصروف ہو گئیں، لیکن روحی کی ناشتے میں دلچسپی ختم ہو چکی تھی، وہ جتنا جلدی اس کے قریب ہونا چاہ رہی تھی وہ اتنا ہی دور بہت دور ہوتا نظر آ رہا تھا روحی بہانہ بنا کر اپنے کمرے میں چلی گئی، ذابل کا رویہ اسے تکلیف دے رہا تھا لیکن شکوے کا حق اس کے پاس نہیں تھا۔

☆☆☆

''امی جی ماریہ کی منگنی ہو رہی ہے۔'' وہ کالج سے آتے ہی بڑے خوش و خروش سے امی کو یہ خبر سنانے لگی۔

''یہ تو بہت اچھی خبر ہے اللہ نصیب اچھے کرے اور جلدی میری بیٹی کے لئے بھی اچھا سا دولہا بھیج دے۔'' امی نے پیار سے کہتے ہوئے اس کا ماتھا چوم کر دعا کی تو وہ جھجک سی گئی اور دولہا کے نام سے ایک بے نام تصویر اس کی آنکھوں کے پردے پر جھلملائی تو دل اچانک ہی بے چین ہو گیا۔

''اوہو امی آپ بھی نا، مجھے نہیں کرنی شادی وادی مجھے تو بہت سارا پڑھنا ہے اور آپ کے ساتھ رہنا ہے بس۔'' وہ ان کے کندھے سے لگی لاڈ سے بولی۔

''پگلی ہو تم تو ایسے تھوڑی ہوتا ہے بھلا سب بیٹیوں کو ایک نہ ایک دن جانا ہی ہوتا ہے اچھا چلو تم اٹھو ابھی کپڑے بدل کر کھانا کھا لو۔''

''نہیں امی جی مجھے بھوک نہیں ہے کالج میں بہت کچھ کھا لیا تھا اب تو شاید رات کو بھی بھوک نہ لگے۔''

''ماریہ کی منگنی اسی ہفتے کو ہے اس نے ہم سب کو بلایا ہے ہم جائیں گے نا امی؟'' آخر میں وہ پوچھنے لگی۔

''ہاں بیٹا کیوں نہیں کتنی اچھی دوست ہے تمہاری اور پھر اتنے پیار سے بلایا ہے جانا تو ہو گا، بلکہ تم ایسا کرو کل اسد کے ساتھ جا کر ماریہ کے لئے کوئی اچھا سا گفٹ لے آؤ۔''

''جی امی میں بھی یہی سوچ رہی ہوں مگر سمجھ نہیں آ رہی کیا لوں۔''

''بازار جاؤ گی تو کچھ نہ کچھ سمجھ آ ہی جائے گا، چلو تم کپڑے بدلو میں بھی ذرا عصر کی نماز پڑھ لوں۔'' وہ نماز کے لئے اٹھ گئیں اور ایمل بھی گفٹ کے بارے میں سوچتی کمرے میں چلی آئی۔

☆☆☆

''تم بھی عجیب ہو یار ایک خوبصورت لڑکی تمہیں اتنی لفٹ دے رہی ہے اور تم ہو کہ خوش ہونے کی بجائے پریشان ہو رہے ہو۔'' ذابل نے روحی کے رویے کے بارے میں بتایا تو فرحان اس کی حالت سے لطف اٹھاتا اسے تنگ کرنے لگا۔

''یہ تم کہاں جا رہے ہو؟''

''تمہاری لائبریری۔'' فرحان مختصر جواب دے کر پھر سے ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''لائبریری، تم تو فون پر کسی منصوبے کا ذکر کر رہے تھے اب یہ لائبریری کس لئے؟''

''او یار ذرا صبر تو کر بتاتا ہوں، یہ لو پہنچ گئے ہم لائبریری میں، کام شروع کرتا ہوں تم ذرا یہ گاڑی پارک کر آؤ۔'' اس مصروف علاقے میں پارکنگ کا بڑا مسئلہ ہوتا تھا جگہ تلاش کر کے پارکنگ کرنے کی کوفت سے بچنے کے لئے ہی فرحان نے گاڑی کی چابی ذابل کو تھما دی تھی اور کوئی وقت ہوتا تو ذابل انکار کر دیتا لیکن ابھی فرحان اس کا بہت بڑا مسئلے کا حل لے کر آیا تھا۔

''بڑا خبیث ہے۔''

''دوست کس کا ہوں؟'' ذابل کے کہنے پر فرحان ہنستا ہوا لائبریری کی طرف بڑھ گیا تو ذابل بھی پارکنگ کے لئے اردگرد نگاہ دوڑاتا گاڑی سٹارٹ کرنے لگا، آخر ایک مناسب جگہ مل ہی گئی وہ تیز قدموں سے لائبریری کی طرف بڑھا تھا عجیب بے قراری تھی وہ جلدی سے فرحان کا پلان جان لینا چاہتا تھا۔

فرحان لائبریری میں لائبریرین کی جگہ پر بیٹھا تھا اس کے سامنے ایک رجسٹر کھلا ہوا تھا جس میں کتابیں لینے دینے والوں کے ناموں کا اندراج ہوتا تھا۔

''آ بیٹھ ادھر۔'' ذابل کو اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کرتا وہ پھر سے رجسٹر کے صفحے پلٹنے لگا۔

''کچھ تو بتا آخر تو نے سوچا کیا ہے؟''

''تجھے یاد ہے وہ دن اور تاریخ جب تو نے اسے لائبریری میں دیکھا تھا؟'' فرحان اس کی بات نظرانداز کرتا پوچھنے لگا۔

''ہاں بالکل یہ کیسے بھول سکتا ہوں۔'' ذابل نے فوراً تاریخ دہرا دی تو فرحان کو اس تاریخ کے اندراج دیکھتا دیکھ کر وہ سب سمجھ گیا۔

''زبردست یار لیکن مجھے یہ آئیڈیا کیوں نہیں آیا۔'' ذابل خاصا پرجوش ہو رہا تھا۔

''کیونکہ تو فرحان نہیں ہے۔'' فرحان نے برجستہ جواب دیا لیکن ذابل کی پوری توجہ رجسٹر پر تھی۔

''یار اس تاریخ میں تو کوئی ایک نام بھی کسی لڑکی کا نہیں ہے اس کا مطلب ہے اس نے کوئی بک ایشو نہیں کروائی اس روز۔'' اچھی طرح دیکھنے کے بعد فرحان نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے ذابل کو اطلاع دی۔

''اب کیا ہو گا۔'' ذابل کا چہرہ جو کچھ دیر پہلے خوشی سے چمکنے لگا تھا مایوسی سے مرجھا گیا۔

''اب اتنا بھی مایوس ہونے کی بات نہیں ہے یار ہم کوئی اور طریقہ نکال لیں گے چل ابھی کہیں چل کر پیٹ پوجا کرتے ہیں تیرے چکر میں، میں ناشتہ کیے بنا گھر سے نکل آیا تھا۔''

''میں پرس گھر بھول آیا ہوں۔'' ذابل نے فوراً بے رخی کا لہجہ اختیار کر لیا وہ اس وقت کہیں بھی جانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''کیسی آنکھیں پھیر لیں مطلب نکل جانے کے بعد، یار تو نے تو میاں مٹھو طوطے کو بھی پیچھے چھوڑ دیا قسم سے۔''

''آخر دوست کس کا ہوں؟'' ذابل نے اس کی بات اسے لوٹائی۔

''آہ تم سے کیا گلہ قسمت سے گلہ ہے جو ایسا دوست دیا۔'' فرحان نے جھوٹ موٹ غم زدہ ہوتے ہوئے آہ بھری۔

''اچھا اب زیادہ ڈرامے نہ کر چل کھلاتا ٹھونساتا ہوں تجھے کچھ۔''

''لیکن ذرا تمیز سے او کے۔''

''او ہو تمہیں پتا بھی ہے تمیز کسے کہتے ہیں؟'' یونہی جھگڑتے وہ وہاں سے روانہ ہوئے، فرحان بظاہر اس کا دھیان بٹانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

☆☆☆

آج ماریہ کی منگنی تھی، ثوبیہ اور ایمل کے علاوہ اس نے کسی اور کلاس فیلو کو نہیں بلایا تھا، دوستوں اور کزنز کے جھرمٹ میں بیٹھی سب کی چھیڑ چھاڑ سے لطف اٹھاتی ماریہ بہت خوش نظر آ رہی تھی، ایمل کو اسد چھوڑ گیا تھا اس کی ان لوگوں سے کوئی میل ملاقات نہیں تھی اس لئے اس نے ضروری کام کا بہانہ کر کے معذرت کر لی تھی اور اماں کا کہنا تھا کہ وہ وہاں جا کر کیا کریں گی البتہ فون پر ماریہ کو بہت سارا پیار اور دعائیں دے کر ایمل کو خوشی سے وہاں بھیج دیا تھا۔

''یہ تم اس وقت کس سے میسجنگ میں لگی ہوئی ہو۔'' ایمل نے حیرت سے ماریہ کے ہاتھ میں موبائل کو دیکھ کر پوچھا۔

''احسن سے'' وہ مزے سے بولی۔

''شرم کرو یار تمہاری منگنی ہو رہی ہے سب لوگ تمہاری طرف متوجہ ہیں کچھ تو مشرقی لڑکی والی بات اپناؤ چلو بند کرو یہ سب، احسن صاحب کو بھی کچھ بیقراری کا مزہ لینے دو۔'' ایمی نے شرارت سے کہتے ہوئے ماریہ کے ہاتھ سے موبائل لے لیا اور اس کی نہیں پلیز وغیرہ کو اگنور کرتے ہوئے موبائل اپنے پرس میں ڈال لیا۔

''جاتے وقت دے دوں گی۔'' اس نے گویا تسلی دی۔

''آہ ظالم سماج.....'' ماریہ نے مصنوعی آہ بھری، ایمل نے ہنستے ہوئے سامنے دیکھا اور کچھ لمحوں کو دیکھتی ہی رہ گئی سامنے یقیناً وہی تھا جسے بھلانے کی کوشش میں دن رات یاد کیا کرتی تھی، وہ جلدی سے رخ موڑ گئی وہ نہیں چاہتی تھی کہ اسے پھر ان پرشوق نگاہوں کا سامنا کرنا پڑے دل انوکھی لے پر دھڑکنے لگا تھا، فرحان کی بہن ماریہ کی منگنی تھی ذابل اس کا سب سے قریبی دوست تھا اور ماریہ کو بھی چھوٹی بہنوں کی طرح عزیز رکھتا تھا اس لئے وہ صبح ہی سے وہاں موجود مختلف کاموں کی نگرانی میں موجود تھا تاکہ فنکشن میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہ جائے وہ اس بات سے بالکل بے خبر تھا کہ جس کی تلاش میں اس نے سارا شہر چھان مارا ہے وہ نازنین اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر سٹیج پر موجود ہے۔

☆☆☆

''ذابل کہاں جا رہے ہو بیٹا؟'' باہر جاتے ذابل کو عاصمہ کی آواز پر رکنا پڑا۔

''جی امی وہ ذرا فرحان کی طرف جا رہا تھا آپ کو کوئی کام ہے تو بتائیے؟''

''ایسا لگتا ہے تمہارے بیٹے کو ہمارا آنا اچھا نہیں لگا عاصمہ ہر وقت گھر سے باہر رہتا ہے، کبھی دو گھڑی ہمارے پاس نہیں بیٹھا اتنے دن سے۔''

''جی ایسی تو کوئی بات نہیں ہے خالہ، بس ذرا مصروفیت تھی۔'' خالدہ خالہ کے اس اچانک حملے سے وہ واقعی گڑبڑا گیا تھا۔

''ارے ذابل کو کیوں برا لگے گا بھلا تمہارا آنا، بس تمہیں تو پتا ہے پڑھائی کے جھمیلے بچوں کو

الجھائے رکھتے ہیں۔''
''ہاں یہ بھی تم نے ٹھیک کہا ہماری تمہاری طرح فارغ کہاں ہوتے ہیں آج کل کے بچے۔''
''امی میں جاؤں فرحان انتظار کر رہا ہو گا۔'' ذابل نے انہیں آپس میں باتیں کرتا دیکھ کر جان بچنے پر شکر کرتے ہوئے پھر سے اڑان بھرنے کا سوچا۔
''ہاں ٹھیک ہے تم جاؤ لیکن کل کے لئے کوئی مصروفیت نہیں رکھنا کل تم نے اپنی خالہ اور روجی کو سارا شہر گھمانا ہے۔''
''جی ٹھیک ہے۔'' مجبوراً ہامی بھرنا پڑی تھی ورنہ پھر سے خالدہ آنٹی کی طرف سے کوئی شکوہ آ جاتا تو وہ خوامخواہ میں امی کو بھی ناراض کر بیٹھتا عاصمہ مہمانوں کے معاملے میں بہت حساس تھیں یہ وہ بہت اچھے سے جانتا تھا، اسی لئے آرام سے ہاں بول کر اپنی راہ لی۔
ایمل جس دن سے ماریہ کی منگنی سے آئی تھی اس کا دل پہلے سے زیادہ اداس اور بے چین ہو گیا تھا، وہ انجانے میں ایک ایسے رشتے میں بندھ گئی تھی جس کا کوئی نام کوئی پہچان نہیں تھی اور نہ ہی وہ یہ جانتی تھی کہ وہ اب تک اسے یاد بھی ہو گی یا وہ اسے بھلا چکا ہو گا اور وہ اکیلی یہ سب بھگت رہی تھی، کبھی کبھی اس کا دل کرتا وہ اچانک اس کے سامنے چلی جائے اور دیکھے اس کا کیا ری ایکشن ہوتا ہے لیکن یہ خیال اسے ڈرا بھی دیتا تھا کہ اگر اس نے ایمل کو نہ پہچانا تو......؟ اس تو کے آگے بھی ایمل کے لئے غم ہی غم تھا۔
''ایمی بیٹا اٹھ جاؤ صبح کی نماز کا ل وقت ہو گیا ہے۔''
''اوہ ایک اور رات اس کے خیالوں کی نظر ہو گئی۔'' اماں کی آواز پر وہ چونکی، پھر نماز کے لئے اٹھ گئی تا کہ اپنے مالک حقیقی کے دربار میں سکون کی التجا کر سکے۔

☆☆☆

''یہ ذابل نہیں آیا ابھی تک؟'' کھانے کی میز پر آتے ہی فاروق صاحب کو ذابل کی کمی محسوس ہونے لگی، کھانے کے بعد کرنٹ افیئرز اور گپ شپ کرنا ان دونوں کا معمول تھا کبھی کبھار عاصمہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جایا کرتیں ورنہ عام طور پر وہ اس وقت عشاء کی نماز پڑھا کرتی تھیں۔
''اس کا فون آیا تھا کہہ رہا تھا لیٹ ہو جائے گا۔'' عاصمہ نے ان کی پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے جواب دیا خالدہ اس دوران خاموشی سے کھانا کھاتی رہیں روجی بھی خاموشی سے کھانا کھا رہی تھی لیکن اس کی ساری توجہ عاصمہ کے جواب کی طرف تھی، یونہی اِدھر اُدھر کی باتوں میں کھانا کھا لیا گیا۔
''انکل چائے نہیں پئیں گے؟'' فاروق صاحب کو کھانا ختم کر کے اٹھتا دیکھ کر روجی کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
''جیتی رہو۔'' فاروق صاحب دعا دیتے سٹڈی کی طرف چلے گئے اور روجی چائے بنانے کچن کی طرف چل پڑی۔
روجی کو بستر پر بے چینی سے کروٹیں بدلتے بہت دیر ہو چکی تھی ابھی تک باہر خاموشی تھی یعنی ذابل ابھی تک گھر نہیں آیا تھا، اس نے ایک بار پھر کروٹ بدلی اور ساتھ والے بستر پر گہری نیند سوتی اپنی ماں پر ایک پیار اور رشک بھری نگاہ ڈالی۔
''کیا میں نے یہاں آ کر ٹھیک کیا ہے؟''
''لیکن اس کے سوا میں کرتی بھی کیا۔''
''لیکن یہاں آنا بھی تو رائیگاں ہی گیا اس

بے خبر کو تو میرے وجود کا احساس تک نہیں ہے۔'' وہ اپنی کربناک سوچوں میں بالکل تنہا اپنے ساتھ سوال و جواب میں لگی ہوئی تھی، اسی بے چینی میں بستر سے اٹھ کر لاؤنج میں آئی تو وہاں عاصمہ کو دیکھ کر چونکی۔
''آنٹی آپ اب تک جاگ رہی ہیں۔''
''ہاں بیٹا بس وہ ذابل کا انتظار کر رہی تھی۔''
''بس اتنی سی بات، آنٹی آپ جا کر آرام کریں اگر انہوں نے کھانا کھانا ہو گا تو میں کھانا گرم کر دوں گی۔''
''ارے نہیں بیٹا تمہیں تکلیف ہو گی ویسے بھی جب سے آئی ہو کسی نہ کسی کام میں لگی رہتی ہو سچ پوچھو تو مجھے بہت شرمندگی ہوتی ہے تمہارے اس طرح کام کرنے سے چار دن کو مہمان آئی ہو اور اس میں بھی کام۔''
''مہمان سمجھتی ہیں مجھے بھی تو شرمندگی ہوتی ہے، بیٹی سمجھیں گی تو کچھ محسوس نہیں ہو گا۔'' روجی مسکراتے ہوئے ان کے پاس آ بیٹھی، اس لمحے اس کے لہجے میں اتنی اپنائیت اور اتنا خلوص تھا کہ اس لہجے نے عاصمہ کے دل کو چھو لیا۔
''چلو پھر اب یہ تمہاری ذمہ داری میں جاتی ہوں۔'' انہوں نے مزید اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اٹھتے ہوئے ذابل کو کھانا دینے کی ذمہ داری دیتے ہوئے روجی کا مان بڑھایا تو وہ اور کھل کر مسکرا دی۔
''یہ خوبصورت ذمہ داری تو میں تمام عمر کے لئے لینا چاہتی ہوں آنٹی مگر وہ سمجھتا ہی نہیں۔'' ذابل کو سوچتے ہوئے اس کے حسین چہرے پر قوس قزاح کے رنگ جھلملانے لگے ذابل کو سوچتے ہوئے وقت کیسے گزرا اسے کچھ خبر نہ ہوئی چونکی تو تب جب ذابل لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا، اپنی دھن میں اندر آتا ذابل بھی اسے محو انتظار دیکھ کر چونکا تھا لیکن پھر کچھ کہے بنا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔
''السلام علیکم۔'' روجی کے سلام پر وہ تھوڑا شرمندہ ہو کر پلٹا۔
''وعلیکم السلام کیسی ہیں آپ اب تک جاگ رہی ہیں، میں تو کھانا کھا آیا ہوں تھینکس۔''
''چائے؟''
''نہیں چائے بھی نہیں چاہیے آپ آرام کیجئے۔'' ذابل کے جواب پر وہ بنا کچھ کہے اپنے کمرے میں جانے لگی اس وقت اس کے چہرے پر ایسی مایوسی جیسے کسی نے اس سے اس کی کوئی خوشی چھین لی ہو۔
''سنیے۔''
''جی۔'' روجی کے بڑھتے قدم تھم گئے۔
''آپ پلیز آئندہ میرے لئے ایسی کوئی زحمت نہ کیجئے گا مجھے عادت نہیں ہے ان سب باتوں کی۔'' ذابل کی بات پر وہ گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔
''آپ کے کسی کام سے مجھے زحمت نہیں ہوتی اور عادت کا کیا ہے کبھی بھی ڈالی جا سکتی ہے۔'' وہ اپنی بات مکمل کر کے وہاں رکی نہیں تھی، ذابل نے کچھ کہنا چاہا لیکن کچھ سمجھ نہ آنے پر سر جھٹک کر سیڑھیاں چڑھ گیا۔

☆☆☆

''امی میں جا رہا ہوں تھوڑا لیٹ ہو جاؤں گا پریشان نہیں ہونا آپ۔'' آج پھر وہ جاتے جاتے عجلت میں کہہ رہا تھا۔
''جیسے تمہاری مرضی بیٹا ویسے بھی ہم کون ہیں تمہیں کچھ کہنے والے۔'' عاصمہ کی ناراضگی واضح تھی وہ سب بھول کر ان کے پاس آ بیٹھا۔
''کیا بات ہے امی آپ ناراض ہیں مجھ

سے؟'' ان کے کندھے پر سر رکھے پریشانی سے پوچھ رہا تھا عاصمہ کا دل پگھلنے لگا ناراضگی ہوا ہونے لگی جی چاہا اپنے جگر کے ٹکڑے کو گلے لگا کر چوم لیں لیکن وہ ڈھیٹ بن کر خاموش بیٹھی رہیں۔

''بتائیں نا پلیز۔'' عاصمہ کی خاموشی اسے بے چین کرنے لگی۔

''ذابل تم ایسے تو کبھی نہیں تھے بیٹا، تم سے کہا تھا کہ روحی کو ذرا گھما لاؤ ایک ہفتہ ہو گیا ہے بیٹا کیا سوچتی ہوگی وہ بھی۔''

''او اچھا یہ بات ہے۔'' ذابل نے سر پر ہاتھ مارا وہ واقعی بالکل بھلا بیٹھا تھا کہ اس نے روحی لوگوں کو گھمانے لے جانا تھا دراصل وہ اس لڑکی کو ڈھونڈنے میں اتنا مصروف تھا کہ اپنا آپ بھلائے ہوئے تھا ایسے میں کچھ اور کہاں یاد رہتا۔

''سوری امی اتنا مصروف رہا کہ یاد ہی نہیں رہا، میں جلدی لے جاؤں گا اب اپنا موڈ ٹھیک کریں پلیز۔''

''موڈ ٹھیک ہو جائے گا اگر تم کل انہیں لے جاؤ تو۔''

''کل..... کل نہیں لے جا سکوں گا امی تھوڑا کام ہے لیکن جلدی لے جاؤں گا پرامس، پلیز اب مان جائیں نا۔''

''چلو ٹھیک ہے لیکن جلدی پروگرام بنانا ہے۔'' ذابل کے وعدہ کرنے پر عاصمہ اپنی ناراضگی ختم کر کے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر مسکرا دیں۔

جان من تجھ سے نہیں
وقت سے ناراض ہوں میں
جو کبھی تجھ کو
میرے واسطے نہیں ملتا

کسی کام سے عاصمہ کے پاس آتی روحی نے ان کے درمیان ہونے والی باتیں سن لی تھیں ایک اداس مسکراہٹ نے اس کے لبوں پر احاطہ کیا اور وہ تیزی سے وہاں سے ہٹ گئی ذابل عاصمہ کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''سنا ہے محبت کرنے والے دل انمول ہوتے ہیں لیکن ان کے حصے میں ہمیشہ آنسو ہی کیوں آتے ہیں؟ محبت کسی نیکی کا صلہ ہے جو کسی کی صورت دلوں پر اترتی ہے یا پھر کسی غلطی کی سزا جو دل کی بستی کو ویران کر دیتی ہے؟ اور یہ سب میرے ہی ساتھ کیوں ہوا آخر میرے ہی ساتھ کیوں، کیا میں نے کبھی کسی کا دل دکھایا ہے؟'' وہ خود کلامی کرتے ہوئے ماضی میں کیے کسی گناہ کی غلطی کو سوچنے لگی، اس کی ہنستی کھلکھلاتی زندگی میں اچانک ہی آنسو در آئے تھے اور ان آنسوؤں کا حل جس کے پاس تھا وہ انجان بنا دور کھڑا تھا اتنے فاصلے پر کہ اس تک جانا ناممکن لگتا تھا، ابھی تو اس نے محبت کے سہانے سپنوں کی وادی میں قدم ہی رکھا تھا کہ نارسائی کا درد اس کا ہمسفر بن کر ساتھ چل دیا تھا، وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں اس کا دل گواہی دیتا تھا کہ جس دل پر حکمرانی کے خواب اس کی آنکھوں میں آن بسے تھے وہ پہلے ہی کسی اور کا ہو چکا تھا، وہ کتنی بھی اس سوچ کو جھٹلاتی خود کو تسلی دیتی لیکن بے چینی تھی کہ کسی طرح کم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔

''روحی بیٹا سوئی نہیں ابھی تک؟'' اس کی مسلسل کروٹیں لینے سے خالدہ کی آنکھ کھل گئی اپنی بیٹی کی بے چینی ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھی مگر وہ درست وقت کے انتظار میں تھیں۔

''سو رہی ہوں امی آپ بھی سو جائیے۔''

خالدہ کی طرف سے کروٹ بدل کر اس نے اپنے آنسو چھپانے کی کوشش کی لیکن بھیگے لہجے نے بھید کھول دیا، اپنی بچی کے دکھ پر خالدہ کا دل تڑپ کر رہ گیا باقی کی رات انہوں نے روحی کی خوشیوں کے لئے دعا کرتے گزار دی۔

☆☆☆

''ارے واہ جی آج تو ہماری رانی گڑیا آئی ہے۔'' کالج سے واپسی پر رانی کو دیکھ کر اسے واقعی بہت خوشی ہوئی تھی، کتنے دن ہو گئے تھے اس سے ملے۔

''مگر میں آپ سے بہت خفا ہوں امی آپی۔''

''ارے ایسی کیا خطا ہو گئی آپ کی امی آپی سے۔'' اس کے خفا لہجے پر وہ بیگ وہیں سائیڈ پر رکھتی اسے گود میں بٹھاتے ہوئے گدگدانے لگی۔

''آپ مجھ سے ملنے کیوں نہیں آئیں۔'' وہ امی کے گلے میں بانہیں ڈالے پوچھ رہی تھی۔

''یار آپ تو اپنی نانو کے گھر گئے ہوئے تھے پھر میں کیسے آتی آپ سے ملنے ہوں؟''

''مگر ہم تو کب سے واپس بھی آ گئے ہیں۔''

''اچھا مجھے تو نہیں پتا چلا، کب واپس آئے آپ لوگ؟''

''پورے دو دن ہو گئے۔'' رانی نے دو دن پر زور دے کر کچھ اس انداز میں کہا جیسے دو دن نہیں دو صدیاں گزر گئی ہوں، اس کے اس انداز پر امی کے ساتھ ساتھ اماں بھی مسکرا دیں۔

''سوری یار پیپرز ہونے والے ہیں نا تو بس اتنا بزی ہو گئی کہ کچھ پتا ہی نہیں چلا، اب آپ ہی سوچو پیپرز کی تیاری تو کرنا پڑے گی نا ورنہ سب کیا کہیں گے رانی کی امی آپی نالائق ہیں یہ تو بری بات ہو جائے گی نا۔'' امی کے پوچھنے پر رانی ساری ناراضگی بھلا کر اقرار میں گردن ہلانے لگی۔

''چلو بتاؤ کیا کھانے کا موڈ ہے؟ میں ابھی اپنی گڑیا کو اس کی فیورٹ چیز بنا کر دیتی ہوں۔'' وہ ساری تھکن بھلائے رانی میں مگن ہو گئی تھی اماں مسکراتے ہوئے ان کی باتیں سن رہی تھیں جانتی تھی اب رات تک ان کی باتیں نہیں ختم ہونی۔

☆☆☆

''موسم بدلنے لگا ہے اب دھوپ میں زیادہ دیر نہیں بیٹھا جاتا۔'' اپنی کرسی چھاؤں میں کھینچتے ہوئے خالدہ نے تبصرہ کیا۔

''لیکن چھاؤں میں بھی تو ٹھنڈ لگنے لگتی ہے تھوڑی ہی دیر میں۔'' عاصمہ نے جواب دیتے ہوئے چادر اپنے پاؤں پر پھیلا دی تبھی ڈور بیل نے کسی کی آمد کی اطلاع دی۔

''نجو کہاں ہو دیکھو جا کر کون آیا ہے نجو......
نہ جانے کہاں مگن رہتی ہے یہ لڑکی۔'' عاصمہ کی آواز پر بھی نجو اندر سے برآمد نہ ہوئی تو انہوں نے پھر پکارا اس بار عاصمہ کی آواز میں جھنجلاہٹ تھی۔

''جی باجی دیکھتی ہوں ہاتھ روم دھو رہی تھی اس لئے آنے میں دیر ہو گئی۔'' وہ جواب دیتی گیٹ کی طرف بڑھی اتنی دیر میں تیسری بار بیل ہونے لگی تھی۔

''اچھا بس جا، جا کر گیٹ کھول باہر کھڑا بندہ بھی کیا سوچتا ہو گا۔''

''خیر تو ہے اتنی دیر میں گیٹ کھولا۔'' گیٹ کھلتے ہی ماجدہ خالہ رشتے کرانے والی عورت کے ساتھ اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔

''ارے ماجدہ تم ہو۔'' اس سے پہلے کہ نجو کچھ جواب دیتی عاصمہ خود اٹھ کر آ گئیں۔

''بڑے دن بعد آئی آج، آؤ بیٹھو کیسی

ہو۔'' عاصمہ کے اشارے پر نجو فٹافٹ دو کرسیاں اٹھا لائی۔

''بس کیا بتاؤں ہفتے بھر سے بیماری نے پیچھا پکڑا ہوا ہے بخار ہے کہ اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا، آج ماجدہ آئی تو میں نے سوچا اس کے ساتھ خود تمہارے پاس ہو آؤں۔'' ماجدہ خالہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اپنا دکھڑا سنایا۔

''بدلتا موسم تو اپنا رنگ دکھائے گا ہی نا، نجو سب کے لئے چائے لے آؤ۔''

''آپ یہ دیکھیں، کیا ہیرا لڑکی ڈھونڈی ہے آپ کے بیٹے کے لئے۔'' اب تک خاموش بیٹھی ماجدہ نے پرس سے ایک تصویر نکال کر عاصمہ کے ہاتھ میں تھما دی۔

''ماشاءاللہ۔'' تصویر میں نظر آتی لڑکی واقعی بہت خوبصورت تھی اور اس کے چہرے پر نظر آتی معصومیت اس کی خوبصورتی کو بڑھا رہی تھی بے ساختہ ہی عاصمہ کے منہ سے ماشاءاللہ نکلا۔

''تم بھی دیکھو خالدہ کیسی پیاری بچی ہے۔''

خالدہ کے چہرے پر آتے جاتے رنگوں سے بے خبر عاصمہ نے تصویر خالدہ کی طرف بڑھا دی، ذابل کے کمرے کی صفائی کرتی روحی نے بھی ڈور بیل کی آواز سنی تھی لیکن وہ اطمینان سے اپنا کام کرتی رہی اور اب فارغ ہو کر نیچے آئی تو خالدہ خالہ اور ایک اجنبی خاتون کو وہاں بیٹھا دیکھ کر وہیں چلی آئی۔

''تم بھی دیکھو روحی۔'' عاصمہ نے تصویر خالدہ کے ہاتھ سے لے کر روحی کی طرف بڑھا دی وہ بھی سارے معاملے سے انجان شوق سے تصویر دیکھنے لگی۔

''کیسی ہے؟'' حاجرہ نے اپنی دریافت پر داد لینے والے انداز میں روحی کی طرف دیکھا۔

''بہت خوبصورت، مگر یہ ہے کون؟''

''بیٹا ذابل کے لئے لڑکی دیکھ رہے ہیں۔''

عاصمہ کے اطمینان بھرے لہجے نے روحی کے اندر سے سارا سکون لمحے میں چھین لیا تھا مگر اس نے خود کو سنبھال لیا لیکن تصویر تھامے ہاتھ کی کپکپاہٹ پر قابو پانے میں کچھ لمحے ضرور لگ گئے۔

''میں چائے لے کر آتی ہوں۔'' وہ چائے کا بہانہ کر کے وہاں سے ہٹ گئی کسی نے بھی اس طرح جانے پر توجہ نہیں دی تھی ہاں مگر خالدہ کی نظروں نے اپنی لاڈلی بیٹی کے پیلے پڑتے چہرے پر دل ڈوبتا محسوس کیا تھا۔

''کیا نام ہے؟''

''ایمل نام ہے ابھی بی اے کر رہی ہے بہت ہی نیک شریف خاندان ہے۔''

''لڑکی کے باپ بھائی کیا کرتے ہیں؟''

خالدہ کے سوال پر ایمل کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتی حاجراں ایک لمحہ کو خاموش ہوئی۔

''یتیم بچی ہے، بہت سال پہلے باپ گزر گیا گھر میں ایک بڑا بھائی اور بیوہ ماں کے سوا کوئی نہیں، بھائی کسی دفتر میں ملازمت کرتا ہے۔''

''بی بی اس گھر اور گھر کے مالکوں کی حیثیت کا کچھ اندازہ ہے تمہیں؟ کیا کسی بھی ایرے غیرے خاندان کا رشتہ لے کر آ جاؤ گی ہمارے ہیرے جیسے لڑکے کے لئے تم؟''

''میں نے سوچا لڑکی بہت خوبصورت ہے پڑھی لکھی اور پھر خاندان بھی بہت اچھا ہے۔''

خالدہ کے کاٹ دار لہجے پر حاجراں نے مدد مانگنے کے انداز میں عاصمہ کی طرف دیکھا۔

''بی بی رشتہ اپنے برابر کے لوگوں میں ہی اچھا لگتا ہے اور کوئی رشتہ ہو تو بتانا۔'' خالدہ نے

گویا بات ہی ختم کر دی۔

☆☆☆

ایمل آخری پیپر دے کر باہر نکلی تو خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی، پیپرز اس کی امید سے کہیں زیادہ اچھے ہوئے تھے۔

''تھینکس گاڈ پیپرز سے تو جان چھوٹی۔''

''ہاں جی اب تم آرام سے پیا دیس سدھار سکتی ہو۔'' ثوبیہ نے ماریہ کو چھیڑا۔

''تمہارا کیا ارادہ ہے ایمی، آگے پڑھنا ہے یا تم بھی پیا کو پیاری ہونے کا سوچ رہی ہو؟'' اب وہ ایمی کی طرف متوجہ تھی جو خاموشی سے بیٹھی ان کی نوک جھونک سے لطف اٹھا رہی تھی۔

''کیا بتاؤں یار میرا تو پکا ارادہ ہے یونیورسٹی جانے کا اسد بھائی بھی میرے ساتھ ہیں لیکن اماں روایتی ماؤں کی طرح بی اے کے بعد بیاہ کی قائل ہیں، اب دیکھو کیا بنتا ہے۔''

''تم سے کچھ کہا انہوں نے؟'' ماریہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

''نہیں ابھی کچھ کہا تو نہیں لیکن پچھلے کچھ دنوں سے ان کی سرگرمیاں کافی مشکوک ہیں۔''

''چلو یہ تو بہت اچھا ہو جائے گا۔'' ماریہ نے جواب دیا۔

''کیا خاک اچھا ہو جائے گا، خود تو جا رہی ہو اب ایمی کو بھی شادی کے مشورے دے رہی ہو ذرا بتاؤ میں یونیورسٹی میں اکیلی کیا جھک ماروں گی؟'' ثوبیہ نے لڑاکا عورتوں کے سٹائل میں کہا۔

''تم سے کس نے کہا ہے یونیورسٹی میں جھک مارو تم بھی مزے سے شادی کرو اور زندگی کا لطف اٹھاؤ۔'' ماریہ کے مزے سے کہنے پر ثوبیہ کے چہرے پر اداسی چھا گئی، جسے ماریہ اور ایمل دونوں نے فوراً محسوس کر لیا وہ دونوں اچھی طرح جانتی تھیں کہ ثوبیہ کے لئے شادی کرنا اتنا آسان نہیں تھا وہ مڈل کلاس گھرانے سے تعلق رکھتی تھی میٹرک میں تھی کہ باپ کی وفات نے ان کی زندگی کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا بڑے بھائی نے پڑھائی کے ساتھ پارٹ ٹائم جاب شروع کر دی اور اماں سلائی مشین تھام کر لوگوں کے کپڑے سینے لگیں اسی طرح زندگی ایک بار پھر چلنے لگی، پڑھائی کے بعد جاب ملتے ہی بھائی نے اپنی ایک کلاس فیلو سے شادی کا فیصلہ کر لیا، ماریہ کی امی کو وہ لڑکی اور اس کی فیملی کچھ زیادہ پسند نہیں آئی تھی وہ چاہتی تھیں کہ بیٹا اپنے فیصلے پر غور کر لے لیکن ماریہ کا بھائی اس کے عشق میں پوری طرح غرق تھا وہ گھر کا اکلوتا کفیل تھا ماں کو اس کی بات ماننا پڑی، اس کے بعد کی کہانی بہت عام سی تھی، کچھ عرصے بعد ہی ماریہ کی بھابھی نے الگ گھر کی رٹ لگا دی اور روز روز کی لڑائیوں سے تنگ آ کر ماریہ کی امی نے خود ہی بیٹے کو الگ گھر لینے کا کہہ دیا، کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ گھر کے پریشانی والے ماحول کا اثر ان کے بچوں کی پڑھائی پر پڑے، ماریہ پڑھائی کے ساتھ ساتھ کپڑوں کی سلائی میں ماں کا ہاتھ بھی بٹاتی تھی اور شام میں محلے کے بچوں کو ٹیوشن دیتی تھی اس کی محنت اور لگن سے بچوں کے رزلٹ اچھے آتے رہے اور اس کے پاس بچوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا اب وہ اچھا خاصا ٹیوشن سینٹر بن چکا تھا اور آمدنی کا معقول ذریعہ بھی تھا، ماریہ سے چھوٹے ایک بہن اور بھائی بھی ابھی پڑھ رہے تھے ایسے میں ماریہ کے نازک کندھوں پر بہت سی ذمہ داریاں تھیں شادی کے بارے میں سوچنا فی الحال اس کے لئے ممکن ہی نہیں تھا۔

''ایک تو مجھے یہ سمجھ نہیں آتی جس کی شادی ہو جائے یا ہو رہی ہو وہ باقی ساری دنیا کی شادی کے پیچھے کیوں پڑ جاتا ہے مطلب ہم تو ڈوبے

ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔'' اس بہادر لڑکی نے لمحوں میں اپنی اداسی کو ہنسی میں چھپالیا تھا لیکن آج پہلی بار ایمل ثوبیہ کو دوستی سے ہٹ کر کسی اور نظر سے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

''چلو آج سکون سے سونا اتنے دن سے تو تمہیں صبح شام کا کوئی ہوش ہی نہیں۔'' عشاء کی نماز پڑھ کر میمونہ اپنے بستر پر آئیں تو ایمی بھی ان کے پاس آبیٹھی۔

''جی امی رزلٹ آنے تک سکون ہی سکون ہے۔''

''ماریہ کی شادی طے ہوگئی ہے نا؟'' میمونہ کسی اور خیال میں تھیں۔

''باقاعدہ تاریخ تو طے نہیں ہوئی ابھی لیکن ارادہ یہی ہے کہ اگلے مہینے کی کوئی سی تاریخ رکھیں گے۔''

''ہونہہ۔''

''امی جی کیوں نا ہم بھی اسد بھائی کی شادی کر دیں، اب تو ان کی اچھی جاب ہوگئی ہے۔''

''کہتی تو تم ٹھیک ہو بیٹی لیکن میں چاہتی ہوں پہلے تمہارے فرض سے فارغ ہو جاؤں پھر اسد کا سوچوں یا پھر تم دونوں کی ایک ساتھ ہی کر دوں۔''

''مجھے ابھی پڑھنا ہے امی پلیز آپ اسد بھائی کا سوچیں نا چلیں شادی نہ سہی منگنی تو کر ہی سکتے ہیں نا کتنا مزا آئے گا مجھے تو بہت انتظار ہے اس دن کا، میں تو کہتی ہوں بس میری ان چھٹیوں میں ہی منگنی کر دیتے ہیں بھائی کی۔''

''ارے ارے ذرا صبر کرو یہ کام اتنی جلدی کے تھوڑی ہوتے ہیں بیٹا کچھ سوچنا ہوتا ہے کچھ دیکھنا ہوتا ہے۔'' میمونہ کو اس کی جلد بازی پر ہنسی آنے لگی۔

''کیا سوچنا ہوتا ہے امی اور کیا دیکھنا ہوتا ہے یہی نا کہ لڑکی کیسی ہے فیملی کیسی ہے وغیرہ؟ اگر میں کہوں کہ میں نے بھائی کے لئے ایک لڑکی پسند کی ہے تو؟''

''اچھا جی تو یہ بات ہے، ہماری چھوٹی سی ایمی اتنی بڑی ہوگئی ہے کہ بھائی کے لئے دلہن تلاش کرنے لگے، کون ہے میری بیٹی کی پسند؟'' اماں دوستوں کی طرح گھل مل کر بات کر رہی تھیں اس نے بھی پوری تفصیل کے ساتھ ثوبیہ کے بارے میں بتا دیا، کافی سالوں سے جانتی تھی وہ ثوبیہ کو اور کئی بار گھر بھی آچکی تھی ایمی کی باتیں سن کر میمونہ سوچ میں پڑ گئیں، وہ ایمل سے پہلے اسد کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتی تھیں لیکن دوسری طرف ایمی کا اصرار تھا کہ شادی نہ سہی منگنی ہی کر دیں۔

''اچھا چلو ابھی تم سو جاؤ میں اسد سے بات کروں گی۔'' اس کے چھوٹے بچوں جیسی ضد پر آخر اماں کو ہار ماننا ہی پڑی۔

''بات نہیں کرنی ہے آپ نے منانا ہے بھائی کو پلیز امی وہ بہت اچھی ہے۔'' ایمل نے ماں سے وعدہ لے کر انہیں پابند کر دیا اس رات اس کے دل میں عجیب سا سکون اتر رہا تھا، وہ تصور میں ثوبیہ کے مسکراتے چہرے کو دیکھتی نیند کی وادیوں میں اترتی چلی گئی۔

☆☆☆

''کیا میں اندر آسکتی ہوں؟'' روحی کی آواز پر کی بورڈ پر تیزی سے ہاتھ چلاتا ذابل رک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''جی آئیے۔''

''دراصل مجھے کچھ بکس چاہئیں تھیں آنٹی نے کہا کہ آپ مجھے مارکیٹ لے چلیں گے۔'' وہ

اطمینان سے قدم بڑھاتی اس کے سامنے والی کرسی پر ٹک گئی۔

''آپ مجھے لسٹ دے دیں میں آتے ہوئے......''

''مجھے وہیں جا کر دیکھنا ہے کہ کون سی بکس لینا ہیں۔'' روحی تیزی سے ذابل کی بات کاٹ گئی جیسے اسے اندیشہ ہو کہ اس کے انکار کے بعد وہ اصرار نہ کر پائے گی۔

''او کے چار بجے تیار رہیے گا۔''

''تھینک یو۔'' ذابل کے حساب سے جو بات وہ کرنے آئی تھی وہ ختم ہو چکی تھی اب اسے چلے جانا چاہیے تھا لیکن وہ وہیں بیٹھی کمرے کا جائزہ لے رہی تھی، بظاہر پرسکون نظر آتی روحی کے اندر اس وقت کتنے طوفان برپا تھے یہ بس وہی جانتی تھی، وہ آج بڑی ہمت کر کے ذابل کے پاس اپنے درد کی دوا مانگنے آئی تھی مگر اب جیسے زبان پر تالا لگ گیا تھا حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے، اس نے بے بسی سے ذابل کی طرف دیکھا۔

''میں چار بجے لے جاؤں گا آپ کو۔'' وہ خود اسی راستے کا مسافر تھا کیسے نہ پہچانتا مگر وہ اسے ہمسفری کا آسرا نہیں دے سکتا تھا سو نظریں چرا گیا۔

''او کے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی شکستہ قدموں سے چلتی کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

''کیا بات ہے خالدہ کچھ پریشان لگ رہی ہو۔'' عاصمہ کافی دیر سے دیکھ رہی تھیں کہ وہ کسی گہری سوچ میں تھیں آخر پوچھ بیٹھیں۔

''جوان بیٹیوں کی ماؤں کو پریشانیاں تو لگی ہی رہتی ہیں۔'' خالدہ خالہ کی مسکراہٹ بھی اداسی میں لپٹی ہوئی لگ رہی تھی۔

''ایسا کیوں سوچتی ہیں خالہ ماشا اللہ اتنی پیاری اتنی سمجھدار بیٹی دی ہے خدا نے آپ کو، فکر کیوں کرتی ہیں انشا اللہ اچھا گھر ملے گا اسے۔'' عاصمہ نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

''یہی تو ڈر رہتا ہے دل کو عاصمہ، پتا نہیں کیسے لوگ ملیں، قدر بھی کر سکیں میری چاندی سی بیٹی کی یا نہیں، اسی لئے سوچتی ہوں کہیں اپنوں میں رشتہ ہو جائے تو اچھا ہے، اپنا مارے گا بھی تو چھاؤں میں ڈالے گا۔''

''تو پھر دیکھا کوئی لڑکا آپ نے؟''

''گاؤں میں تو تمہیں پتا ہی ہے کوئی ایسا نہیں جو میری بیٹی کے ساتھ جچے اور شہر میں ایک تم ہی ہو، ذابل تو مجھے اپنے بیٹوں کی طرح پیارا ہے اور روحی تمہارے سامنے ہے جس گھر میں جائے گی اجالا کر دے گی۔'' خالدہ خالہ کے صاف اشارے پر عاصمہ کچھ گڑبڑا گئیں کہ آخر کیا جواب دیں۔

''لگتا ہے تمہیں میری بات کچھ اچھی نہیں لگی؟'' عاصمہ کی اس وقت کی خاموشی خالدہ خالہ کو بری محسوس ہوئی۔

''ایسی بات نہیں ہے خالہ مجھے تو روحی بہت پسند ہے لیکن آپ تو جانتی ہیں آج کل زمانہ کچھ اور ہے بچوں کی رضا مندی معلوم کیے بنا کوئی فیصلہ کرنا ٹھیک نہیں۔''

''اس میں کیا پریشانی ہے کر لو بات ذابل میاں سے اپنی تسلی کے لئے، میری روحی لاکھوں میں ایک ہے وہ انکار کیوں کرے گا بھلا۔'' خالدہ خالہ کے لہجے میں دبا دبا جوش محسوس کر کے عاصمہ بھی کچھ سوچتے ہوئے مسکرا دیں تو خالدہ نے بھی سکون کا سانس لیا۔

☆☆☆

میمونہ کی بات سن کر اسد نے بھی پہلی بات

یہی کی تھی کہ ایمل سے پہلے وہ اپنے بارے میں نہیں سوچ سکتا لیکن پھر امی کے دیے دلائل دہرا کر میمونہ نے اسے منگنی کے لئے تیار کر لیا تھا ساتھ میں اس کی پسند بھی پوچھ لی تھی۔

''اس سلسلے میں آپ جسے پسند کریں امی وہی میری پسند ہوگی۔'' اس کے فرمانبرداری سے کہنے پر انہوں نے اسے ثوبیہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اور ساتھ میں ایمل کی خواہش کا بھی ذکر کیا تو بھی، ''جیسا آپ مناسب سمجھیں'' کہہ کر وہ سب کچھ ماں کی مرضی پر ڈال گیا، ایمل کو پتا چلا تو وہ جلدی ثوبیہ کے گھر جانے کے لئے ضد کرنے لگی آخر اتوار کو انہوں نے ثوبیہ کے گھر جانے کا پروگرام بنایا اور اسے بھی اپنے آنے کی خبر کر دی لیکن آنے کے مقصد سے بالکل بے خبر رکھا تھا اور آج میمونہ اور ایمل ان کے گھر موجود تھے، سلام دعا کے بعد میمونہ ثوبیہ کی امی سے باتوں میں لگ گئیں اور ثوبیہ چائے کا انتظام کرنے کچن میں چلی آئی۔

''تمہیں پتا ہے ہم آج کیوں آئے ہیں؟'' کیتلی میں چینی ڈالتی ثوبیہ کے گلے میں بانہیں ڈالے وہ شوخی سے پوچھ رہی تھی۔

''میرے گھر آنے کے لئے بھی کسی خاص وجہ کی ضرورت ہوتی ہے کیا؟''

''کبھی کبھی کوئی خاص مقصد ہوتا ہے نا یار بور مت کرو چلو گیس کرو۔''

''ہونہہ عید تو ہے نہیں بکرا عید بھی نہیں ہے، میری برتھ ڈے میں بھی ابھی کافی دن ہیں اور الحمدللہ میں ابھی باقید حیات بھی ہوں تو پھر ایک ہی وجہ ہوسکتی ہے۔''

''کیا؟'' ثوبیہ کی بونگیوں پر اسے گھورتی ایمل بے تابی سے بولی۔

''یہی وجہ یار تمہارا مجھ سے ملنے کو دل چاہا اور تم آ گئیں۔''

''اف کھودا پہاڑ نکلا چوہا، میں تو تمہیں کافی سمجھدار سمجھتی تھی یار مگر تم تو...... خیر ذرا سوچو کہ لڑکے والے کسی لڑکی کے گھر مٹھائی لے کر کب آتے ہیں بھلا؟'' آخر ایمل سے رہا نہیں گیا اور اس نے اپنے آنے کا راز کھول ہی دیا۔

''ایمی...... تم یہ کیا کہہ رہی ہو؟'' ثوبیہ چائے بھول کر حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اب اتنا بھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مت دیکھو کوئی انوکھی بات تو نہیں ہے سبھی لڑکیوں پر یہ دن آتا ہے، ارے دیکھو چائے ابل رہی ہے، چلو شاباش اپنی ہونے والی ساس اور نند کی خدمت میں چائے پیش کرو۔''

''لیکن ایمی یہ سب......'' ثوبی کے لئے یہ بات بہت اچانک تھی وہ ابھی تک حیرت میں تھی۔

''اوہو یار او کے چائے میں دے آتی ہوں تم اس وقت تک حیرت کے سمندر میں دو چار غوطے لگا لو لیکن پلیز میرے آنے تک اپنی شکل کے زاویے درست کر لینا۔'' وہ شرارت سے مسکراتی چائے کی ٹرے اٹھا کر لے گئی۔

''تم مجھ پر ترس کھا کر یہ سب کر رہی ہو نا ایمل۔'' وہ دونوں ثوبیہ کے کمرے میں آ بیٹھی تھی۔

''وہاٹ، شٹ اپ دوبارہ ایسی بکواس مت کرنا، مجھے یہ بتاؤ کیا تم معذور ہو؟ بدصورت ہو؟ کیا خرابی ہے تم میں بس یہی نا کہ تھوڑی نکمی تھوڑی نالائق تھوڑی لڑاکا ٹائپ ہو، نو پرابلم ہم گزارا کر لیں گے۔'' ایمی پھر شرارتی ہوئی۔

''ایمی پلیز یار آئی ایم سیریس، اسد بھائی میرا مطلب ہے وہ خوش ہیں اس رشتے سے؟''

''ویسے چھلانگیں وغیرہ تو نہیں لگا رہے تھے

نہ ہی دھمال ڈال رہے تھے لیکن ظاہر ہے خوش ہوں گے بھی تو ہم یہاں آئے۔''

''ایمی......'' ایمل کے غیر سنجیدہ لہجے پر ثوبیہ نے اسے گھورا۔

''یار تم کیوں خوامخواہ واہموں کا یا کسی قسم کے احساس کمتری کا شکار ہو رہی ہو، دیکھو تم میری دوست ہو اور وہ میرے بھائی ہیں کیا میں اپنے بھائی کا برا سوچوں گی؟ مجھے یقین ہے تم میرے بھائی کے لئے آئیڈیل لائف پارٹنر ثابت ہو گی، انہیں تمہارے جیسی لڑکی اور مجھے اتنی اچھا بھابھی کہیں نہیں ملے گی اب تم جلدی سے بتا دو تمہاری کیا رضا ہے؟'' ثوبیہ نے کچھ نہیں کہا خاموشی سے سرہانے کی طرف سے اپنا بستر پلٹ دیا، وہاں اسد کی تصویر دیکھ کر ایمی کو زور کا جھٹکا لگا تھا، اسد بائیک تھامے مسکرا رہا تھا۔

''اچھا جی تو یہ تمہارے پاس ہے اور ادھر بھائی صاحب نے شور مچایا ہوا ہے کہ ان کی موسٹ فیورٹ تصویر ان کے البم سے غائب ہے، بڑی چھپی رستم نکلی تم تو ہم سے بھی پردہ داری۔'' ایمل نے اس کے بازو پر گھونسہ رسید کیا۔

''اف ابھی سے ظلم کرنا شروع ہو گئیں نند صاحبہ۔''

''اتنی بڑی بات مجھ سے کیوں چھپائی پاگل اگر جو اسد بھائی کا رشتہ کہیں اور ہو جاتا تو؟''

''میرے حالات مجھے اپنے جذبات کے اظہار کی اجازت نہیں دیتے تھے ایمی میں کیا کرتی؟'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''پاگل ہو تم۔'' ایمل نے بے ساختہ اسے گلے لگا لیا ثوبیہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے لیکن اس کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی دوسری طرف ایمی کا حال بھی اس سے مختلف:

نہ تھا۔

☆☆☆

''اگر آپ کتابوں سے نظر ہٹا کر دو منٹ میری طرف متوجہ دے سکیں تو مہربانی ہو گی۔'' خالدہ خالہ سے بات کرنے سے لے کر شام تک وہ فاروق کے انتظار میں تھیں اور اب کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر کمرے میں آئے تھے تو کتنی دیر سے کتاب میں سر دیے بیٹھے تھے۔

''دو منٹ کیوں جناب ہماری تو ساری توجہ آج بھی صرف اور صرف آپ کے لئے ہے۔''

''بس اب مکھن لگانا بند کریں اور ذرا دھیان سے میری بات سنیں۔'' فاروق کے انداز والفاظ نے اس عمر میں بھی عاصمہ کے چہرے پر سرخی بکھیر دی۔

''جی سنائیے ہم ہمہ تن گوش ہیں۔'' فاروق کا انداز ہنوز تھا۔

''یہ کتاب تو ایک طرف رکھ دیں پہلے۔''

''چلیں اب جلدی سے بتا دیں آپ کے انداز نے تو مجھے تجسس میں ڈال دیا ہے۔'' کتاب کو سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے فاروق سنجیدہ ہو کر بیٹھ گئے۔

''روحی کیسی لگتی ہے آپ کو؟''

''اگر آپ ذابل کے لئے پوچھ رہی ہیں تو بہتر ہے ذابل سے ہی پوچھیں ویسے تو وہ یقیناً اچھی لڑکی ہے۔''

''مجھے بھی بہت پسند ہے خالدہ خالہ نے اشارتاً بات کی تھی تو میں نے بھی سوچا کہ آخر اس میں برائی ہی کیا ہے، گھر کی بچی ہے پڑھی لکھی، سمجھدار اور فرمانبردار بھی، لیکن آپ کو کیا لگتا ہے ذابل مان جائے گا؟''

''دیکھو بیگم میں اس بارے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا بہتر ہے آپ ذابل سے خود بات کر لیں۔'' فاروق نے ساری ذمہ داری عاصمہ پر ڈالتے ہوئے پھر سے کتاب اٹھالی۔

''میں اسے بلاتی ہوں ابھی آپ کے سامنے پوچھ لیتی ہوں۔'' عاصمہ جلد از جلد اس بات کا فیصلہ کر لینا چاہتی تھی کہ بہو کی تلاش میں اچھا خاصا خوار ہو چکی تھیں۔

''ارے نہیں اتنی جلدی کس بات کی ہے ابھی رہنے دو کافی رات ہو گئی ہے صبح بات کر لینا اور بہتر ہے تم اکیلے میں اس سے بات کرو۔''

''چلیں ٹھیک ہے آپ کہتے ہیں تو صبح بات کر لیتی ہوں۔''

''نوازش۔'' فاروق ان کے انداز پر مسکرائے۔

''لیکن ایک بات یاد رہے عاصمہ بیگم ذابل ہمارا بیٹا ضرور ہے لیکن بہتر ہے اپنی زندگی کے اہم فیصلے وہ اپنی مرضی اور خوشی سے کرے کسی قسم کے دباؤ میں آ کر نہ کرے ٹھیک ہے نا؟''

''جی بالکل میرا اس پر دباؤ ڈالنے کا کوئی ارادہ نہیں لیکن اگر وہ ہاں کر دے تو مجھے خوشی ہو گی روحی اچھی لڑکی ہے۔''

''یہ سب قسمت کے فیصلے ہیں چلو تم اب لائٹ آف کر دو میں بھی اب سوتا ہوں صبح جلدی جاگنا ہے، شاپ پر جانے سے پہلے راشد صاحب کی طرف جانا ہے سنا ہے بیمار ہیں کچھ دن سے۔'' لائٹ آف کر کے عاصمہ بستر پر آئی تو نیند کی وادیوں میں کھونے تک اس کا ذہن انہی خیالات میں الجھا رہا تھا۔

''ذابل بھائی آپ کو باجی اپنے کمرے میں بلا رہی ہیں۔'' اپنی بات کا جواب سنے بنا نجو جس تیزی سے آئی تھی اسی تیزی سے پلٹ گئی اور اس تیزی کی وجہ تھی وہ سوپ سیریل جو اس وقت آیا کرتا تھا ذابل کو یہ بات معلوم تھی کہ عاصمہ کی

ہزار ڈانٹ ڈپٹ کے باوجود اس نے یہ ساس بہو کے سازشی ڈرامے دیکھنا نہیں چھوڑے تھے۔

''جی امی آپ نے بلایا مجھے؟''

''ہاں بیٹا بیٹھو کیسے ہو؟ ایک تو تم اتنا مصروف پتا نہیں کدھر رہنے لگے ہو کہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے ڈھنگ سے شکل بھی نہیں دیکھ سکتے تمہاری۔''

''لیکن آپ نے مجھے اب کس لئے یاد کیا ہے؟'' عاصمہ اصل بات بھول کر گلے شکوؤں میں لگ گئیں تو ذابل کو ہی یاد کرانا پڑا۔

''ہاں بیٹا یہ بتاؤ تمہیں روحی کیسی لگتی ہے؟'' عاصمہ کے سوال اور انداز پر ذابل فکرمند ضرور ہوا تھا لیکن گھبرایا بالکل نہیں شاید اسے لاشعوری طور پر کچھ دن سے ایسے کسی سوال کا انتظار تھا اور وہ اس سوال کا جواب دینے کے لئے بھی ذہنی طور پر تیار تھا اسی لئے بنا کسی ہچکچاہٹ کے بولا۔

''وہ جیسی بھی ہے لیکن میرا اس سے شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے امی۔''

''لیکن بیٹا اس انکار کی کوئی وجہ تو ہو گی نا؟'' عاصمہ کو ذابل سے اس صاف انکار کی امید بالکل بھی نہیں تھی ان کے لہجے میں مایوسی جھلک رہی تھی۔

''وجہ صرف اتنی ہے کہ مجھے اس میں اپنی شریک حیات کا کوئی عکس تک دکھائی نہیں دیتا میرے دل میں اس کے لئے کوئی ایسی فیلنگز نہیں ہیں امی پلیز آپ اس بات کو یہیں ختم کر دیں، مجھے ابھی شادی کرنی بھی نہیں ہے۔'' ذابل عاصمہ کو خاموش چھوڑ کر وہاں سے اٹھ گیا کیونکہ وہ اس موضوع پر مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

کچھ ہی دنوں میں، ایک شام بہت سادگی کے ساتھ اسد اور ثوبیہ کی منگنی کر دی گئی، دونوں بہت مطمئن نظر آ رہے تھے، اس تقریب میں صرف گھر کے افراد کے علاوہ دو چار خاندان کے بڑے ہی موجود تھے، ثوبیہ کا صرف بڑا بھائی آیا تھا بھابھی کی بیماری کا بتا کر نہ آنے پر معذرت کر لی تھی، ایمی نے خود کو گھر میں بری طرح مصروف کر لیا تھا لیکن جب سب کاموں سے فارغ ہو کر بستر پر آتی آنکھیں بند کرتے ہی دو اشتیاق بھری آنکھیں اس کے خوابوں پر چھا جاتیں، دوسری طرف میمونہ نے ایمل کے لئے زیادہ شدومد سے رشتے کی تلاش شروع کر دی تھی، جس نے ایمل کی بے چینی میں اضافہ کر دیا تھا لیکن وہ کر بھی کیا سکتی تھی، وہ خاموشی سے اپنی گزرتی زندگی کو کسی اجنبی کی طرح دیکھ رہی تھی، نہ جانے آنے والے دنوں میں کیا ہونے والا تھا۔

☆☆☆

ذابل اپنے کمرے میں لیٹا ہوا آنکھیں موندے گہری سوچ میں غرق تھا چہرے پر بھی گمبھیر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی اور پیر دھیرے دھیرے ہل رہے تھے، بظاہر پرسکون لیٹے ذابل کے دل میں بے چینیوں کا ڈیرا لگا ہوا تھا، اس نے بڑی شدت کے ساتھ روحی یا کسی بھی دوسری لڑکی سے شادی کے لئے انکار کر دیا تھا اور جس کے لئے یہ سب کر رہا تھا اس کا کچھ اتا پتا نہیں مل رہا تھا، کبھی کبھی تو امید کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹنے لگتا، عجیب واہمے اسے ستانے لگتے، نارسائی کا خوف اس کی نیندیں لے اڑا تھا اور اس کے لئے سب سے مایوسی کی بات یہ تھی کہ محبت کے اس سفر میں وہ بالکل اکیلا تھا وہ جان ادا اپنی زندگی میں مگن اس کے حال سے بے خبر تھی۔

''وہ مجھے ضرور مل جائے گی۔'' اس نے اپنے دل کو تسلی دی اور پھر سے اس کی یاد میں کھو

گیا۔

☆☆☆

وہ آج کل فرحان کے ساتھ بہت مصروف تھا ماریہ کی شادی میں بہت تھوڑے دن رہ گئے تھے اور وہ ایک مخلص دوست کی طرح فرحان کی ذمہ داریاں بانٹ رہا تھا دوسرے وہ گھر سے فرار بھی چاہتا تھا اس لئے بلاوجہ بھی لیٹ گھر آتا اور صبح سویرے گھر سے نکل جاتا اکثر ناشتہ بھی گھر سے باہر ہی کرتا، جتنی دیر وہ گھر رہتا اسے لگتا روحی کی کچھ بولتی آنکھیں التجا کرتی سوال کرتی نظریں ہر لمحہ اس کا پیچھا کرتی ہیں اور اس کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا وہ بس اس دن کا منتظر تھا جب ان کہے سوال کے ان کہے جواب کو روحی سمجھ لے، آج ان لوگوں نے فرنیچر خریدا تھا سارا دن مارکیٹ میں گھوم گھوم کر تھکن سے برا حال ہوگیا تھا، جب وہ اپنے پاس موجود چابی سے دروازہ کھول کر چھت پر آیا تو وہاں ایک سائے کو بے قراری سے گھومتے دیکھ کر چونک گیا، وہ یقیناً روحی تھی جو اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر یہاں تک آپہنچی تھی۔

''آپ اس وقت یہاں؟ خیریت تو ہے؟''

وہ جانتے بوجھتے انجان بنا۔

''جی آپ سے کچھ بات کرنا ہے۔''

''وہ بات ابھی اسی وقت کرنا ضروری ہے میں بہت تھکا ہوا۔''

''میں آپ کا زیادہ ٹائم نہیں لوں گی۔''

''ذابل پہلو بچا کر گزرنا چاہ رہا تھا لیکن روحی نے اس کے فرار کے سارے راستے بند کر دیئے۔''

''آئیں بیٹھ جاتے ہیں۔'' وہ چھت پر پڑ بچھی کرسیوں کی جانب بڑھا روحی بھی خاموشی سے اس کے پیچھے چلتی ہوئی اس کے سامنے پڑی کرسی پر آبیٹھی۔

''جی کہیے کیا کہنا چاہتی ہیں آپ؟'' روحی کی خاموشی سے گھبرا کر ذابل خود ہی بول پڑا روحی نے اسے ایسی نظروں سے یدکھا جیسے کہہ رہی ہو میرا حال تو میرے چہرے پر لکھا ہے تمہیں دکھائی کیوں نہیں دیتا۔ ذابل نظریں چرا گیا وہ ہمیشہ سے اس وقت سے بچنا چاہتا تھا جب اسے روحی کو صاف صاف انکار کرنا پڑا وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس معصوم لڑکی کا دل دکھائے لیکن وہ بھی مجبور تھا۔

''ذابل انٹی نے آپ سے شادی کی بات کی تھی آپ سے منع کر دیا میں اس انکار کی وجہ جاننا چاہتی ہوں، جاننا چاہتی ہوں کہ کس خامی کی بنا پر مجھے ٹھکرایا گیا ہے۔''

''دیکھیں پلیز آپ اس وقت کے الفاظ استعمال نہ کریں میں کیا کوئی بھی انسان آپ جیسی لڑکی کو نہیں ٹھکرا سکتا۔ بات صرف اتنی ہے کہ میرا ابھی شادی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''میں انتظار کر سکتی ہوں۔'' وہ فوراً بول اٹھی، انا، شرم، جھجک سب کو سائیڈ پر کرتی اپنی خوشیوں کو پالینے کی آخری کوشش۔

''مگر میں اس طرح کسی کو انتظار کروانے کا قائل نہیں ہوں۔''

''کیوں؟'' وہ بحث پر آمادہ تھی۔

''کیا آپ کا دل میں کوئی اور بسیرا کر چکا ہے؟'' روحی کے سوال پر ذابل چونکا تھا جو بات کوئی نا جان سکا تھا وہ اس لڑکی نے کیسے جان لی تھی۔

''ایسا ہی ہے نا؟'' دل کی صداؤں کو پاؤں تلے روندتی وہ تصدیق چاہ رہی۔

''ہاں۔'' یہ ایک لفظ ہاں اگر اس کے جذبوں کی تائید میں ہوتا تو اسے نئی زندگی دے

جاتا لیکن یہ اقرار محبت کسی انجانی ہستی کے لیے تھا جو اس وقت روحی کو دنیا کی سب سے خوش نصیب لڑکی لگ رہی تھی جو وہاں نہیں تھی مگر پھر بھی ہر جگہ تھی کیونکہ وہ اس دشمن جاں کے دل میں تھی اس کی سوچوں میں تھی۔

''میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں روحی اور یہ پسند اس حد تک آگے جا چکی ہے کہ میں اس کی جگہ کبھی کسی کو نہیں دے سکتا، آئی ایم سوری۔''

''میرا اب خیال ہے اب آپ کو جانا چاہیے رات بہت ہوگئی ہے۔'' اب کہنے سننے کو رہ بھی کیا گیا تھا روحی شکستہ قدموں سے چلتی سیڑھیاں اتر گئی، ذابل کے دل میں اس کے لیے کسی ایسے احساسات نے جنم نہ لیا تھا پھر بھی اس کا دل اس لڑکی کے دل پہ دکھی تھا شاید اس لیے کہ وہ محبت کے درد سے واقف تھا۔

آنکھ تو نم ہے ہماری
لب پہ مسکان لائے ہیں
ہم ان کو الوداع کہہ کر
کیسے بے جان آئے ہیں
خوشی کی ہر صبح دے کر
غموں کی شام لائے ہیں
کہ ان کو بے ریا کہہ کر
خود پہ الزام لائے ہیں
تم ان کو زخم مت سمجھو
یہ ہم انعام لائے ہیں
کہ رکھ کر اپنا سر اس پر
سجا کر دار آئے ہیں
ہمارے پاس تھا ہی کیا
لٹا سنسار آئے ہیں
انا کی بات مت پوچھو
وہ ان پر وار آئے ہیں
شکستہ چال سے سمجھو
کہ ہم ناکام آئے ہیں

اپنے کمرے میں آ کر باقی کی رات روحی نے اپنے روتے تڑپتے دل کو سنبھالنے میں لگا دی تھی، بھول جانا ممکن نہیں تھا لیکن صبح ہونے تک وہ اپنے ٹوٹے شکستہ وجود کو بظاہر سمیٹنے میں کامیاب ہو چکی تھی اور ساتھ ہی اس نے گھر واپسی کا فیصلہ بھی کر لیا تھا کیونکہ واپسی کا سفر مشکل تھا مگر اسے یہ سفر کرنا ہی تھا۔

☆☆☆

صبح جب خالدہ خالہ کی آنکھ کھلی تو روحی کو اب تک بستر پر دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی کیونکہ وہ ان سے پہلے اٹھ جایا کرتی تھی۔ اسے جگانے کے لیے ہاتھ پکڑا تو لگا جلتے توے کو چھو لیا ہو۔ روحی بری طرح بخار میں مبتلا تھی۔

''روحی...... روحی بیٹا آنکھیں کھولو۔'' وہ گھبراہٹ میں اسے پکارنے لگیں لیکن وہ بخار کی شدت کے سبب غنودگی میں تھی۔ پھر اس نے جاگتے ہی بس ایک ہی رٹ لگا لی تھی۔

''امی اپنے گھر چلیں مجھے یہاں سے لے چلیں پلیز۔'' وہ رو دی تو خالدہ بھی حوصلہ چھوڑ بیٹھیں، انہوں نے رات روحی کو چھت پر جاتے اور پھر شکستہ قدموں سے لوٹتے دیکھ لیا تھا ان کا دل بیٹی کے درد پر تڑپ رہا تھا، مگر وہ بے بس تھیں اپنی لاڈلی بیٹی کی یہ خواہش پوری کرنا ان کے اختیار میں نہیں تھا، ذابل کا دل بھی روحی کو اس حال میں دیکھ کر دکھی ہوگیا تھا وہ خود کو مجرم محسوس کر رہا تھا اس کی وجہ سے پھول جیسی لڑکی مرجھا کے رہ گئی تھی لیکن وہ خود اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ خالدہ فوری واپس جانا چاہتی تھی لیکن روحی کی حالت کے پیش نظر عاصمہ نے انہیں ضد کر کے روک لیا تھا۔ اگلے ایک دو دن میں روحی نے خود کو کافی سنبھال لیا تھا لیکن واپسی کی ضد جوں کی توں تھی۔

آخر بوجھل دل سے انہوں نے خالدہ اور روحی کو رخصت کر دیا۔

☆☆☆

ماریہ کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور ثوبیہ اور ایمل ہر چیز میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی۔

''بس بہت ہوگیا اب میں کھائے پیئے بنا کچھ نہیں کروں گی۔'' وہ کئی گھنٹوں سے پاپنگ کر رہی تھیں اور چل چلا کر تھکن سے برا حال ہوگیا، تبھی ثوبیہ نے بھوک کا شور مچا دیا۔

''یار بس وہ سامنے والی شاپ پر ایک دو ساڑھیاں دیکھ لیں پھر کھاتے ہیں کچھ۔'' مارہ کی نظر سامنے لگی ساڑھیوں پر تھی۔

''بالکل نہیں یہ سب بعد میں ابھی چلو یہاں سے۔'' ثوبیہ کی زبردستی پر وہ سب ریسٹورنٹ کی طرف چلی آئیں، سامان انہوں نے باہر کھڑی گاڑی میں رکھ دیا تھا اور اب کھانے کا مزہ لے رہی تھیں۔ ساتھ میں نوک جھونک بھی جاری تھی، تبھی ماریہ کے فون پر کال آنے لگی۔

''جیجا جی کی کال ہے؟''

''جی نہیں بھیا جی کی ہے۔'' ماریہ نے جواب دیتے ہوئے فون کان سے لگا لیا۔

''السلام علیکم بھائی۔''

''وعلیکم السلام، شاپنگ ہوگئی تم لوگوں کی؟''

''نہیں بھائی ابھی تو باقی ہے۔''

''اچھا سنو تم لوگوں نے اب تک جو شاپنگ کی ہے وہ ڈرائیور کے ساتھ گھر بھیج دو، میری گاڑی پرابلم کر رہی ہے اور مجھے اسی وقت کام سے جانا ہے۔''

''لیکن بھائی ہم لوگوں کی شاپنگ؟'' وہ بسوری۔

''یار تم لوگ آرام سے باقی کی شاپنگ کرو جب فری ہو جاؤ تو بتانا میں تم لوگوں کو پک کر لوں گا بلکہ میرا تو جلدی فری ہونا مشکل ہے ذابل آ جائے گا تم لوگوں کو لینے میں اسے کہہ دوں گا او کے ڈونٹ وری بائے۔'' فرحان بہت مصروف لگ رہا تھا اپنی بات مکمل کر کے اس نے فون کاٹ دیا۔

جب وہ لوگ شاپنگ سے فارغ ہوئیں تو حسب وعدہ ذابل گاڑی لیے ان کی مطلوبہ جگہ پر موجود تھا۔ انہیں دیکھتے ہی ذابل نے ان کے شاپنگ بیگز لے کے ڈگی میں رکھے اور ان کے لیے گاڑی کے دروازے کھول دیئے۔ ماریہ اگلی سیٹ پر جبکہ ثوبیہ اور ایمل پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایمل کو ماریہ کے ساتھ دیکھ کر ذابل کو ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو وہ جسے دن رات ڈھونڈتا تھا وہ اچانک یوں مل جائے گی اسے بالکل امید نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتا خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کر رہا تھا، کبھی کبھی ایک نظر بیک مرر میں نظر آتی ایمل پر بھی ڈال دیتا تھا جو خود اس اتفاقیہ ملاقات پر عجیب سے احساسات کا شکار ہو رہی تھی۔ ذابل کی نظروں کا ارتکاز اس کے جذبوں کی تصدیق کر رہا تھا۔ اسے بے یقینی کے اندھیروں سے نکال رہا تھا۔

''کیا بات ہے سب اتنے خاموش کیوں ہیں؟'' ماریہ کے کہنے پر سب ہی چونک پڑے۔

''ارے ہاں میں نے تعارف تو کروایا ہی نہیں ذابل بھائی یہ میری بیسٹ فرینڈز ہیں ثوبیہ اور ایمی۔''

''ایمی؟'' ذابل نے غیر ارادی طور پر زیر لب دہرایا مگر ماریہ نے سن لیا۔

''دراصل اس کا اصل نام تو ایمل ہے لیکن ہم سب پیار سے ایمی بلاتے ہیں، ایمل کا مطلب

ہے آرزو، خواہش۔'' ماریہ کے تفصیل سے بتانے پر ایمل نے اسے گھورا مگر ذابل کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی، وہ سچ مچ اس کی خواہش اس کی آرزو ہی تو تھی۔

''اور یہ ذابل بھائی ہیں فرحان بھائی کے بیسٹ فرینڈ۔''

''اور ذابل کا مطلب وہ نشیلی آنکھوں والا۔'' ماریہ کی بات کے اختتام پر ذابل نے اسی کے انداز میں بات آگے بڑھائی تو ماریہ سمیت سب ہنس دیئے۔ باتوں باتوں میں ماریہ نے ان دونوں کے بارے میں ساری تفصیلات ذابل کو سنا دی تھیں اور ذابل یہ بھی جان گیا تھا کہ ثوبیہ ایمل کی ہونے والی بھابھی ہے لیکن ایمل نے ابھی تک کسی کے نام کی انگوٹھی نہیں پہنی ہے۔ انہوں نے پہلے ثوبیہ اور پھر ایمل کو ڈراپ کیا، آخر میں وہ دونوں ہی رہ گئے تھے ذابل کا دل چاہ رہا تھا ماریہ یونہی بولتی رہے اس کی باتیں کرتی رہے لیکن آخر گھر پہنچنے پر باتوں کا یہ سلسلہ رک ہی گیا۔

''ویسے ذابل بھائی یہ بتائیں آپ ایمل کو اتنا گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے تھے اور سارا راستہ اس کے بارے میں معلومات کیوں لیتے آئے ہیں مجھ سے؟'' ذابل سمجھ رہا تھا کہ وہ بڑی چالاکی سے ماریہ سے سب معلومات حاصل کرتا رہا ہے اور ماریہ کو احساس تک نہیں ہوا مگر اس کے اس سوال پر وہ پہلے تو شپٹایا پھر ہنس دیا۔

''ذرا سوچو اگر تمہاری دوست تمہاری بھابھی یعنی مسز ذابل بن جائے تو کیسا ہو؟''

''بہت اچھا بہت زبردست۔'' ماریہ نے تصور میں ان دونوں کو ساتھ کھڑے دیکھا اور جوڑی او کے کر دی۔

''میں آپ کے ساتھ ہوں۔''

''تھینکس سسٹر مجھے تمہارے ساتھ کی بہت ضرورت بھی ہے تم تو جانتی ہو تمہارے علاوہ میری کوئی بہن نہیں ہے۔''

''ڈونٹ وری میں ہوں نا۔'' اس کے معصومیت سے کہنے پر ذابل مسکرا دیا۔

''او کے ڈیئر سسٹر اب میں چلتا ہوں کل ملتے ہیں۔'' اس نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''ارے کھانا تو کھا کر جایئے۔''

''پھر کبھی ابھی جلدی میں ہوں۔'' وہ مسکراتا ہوا رخصت ہوگیا تھا اور ماریہ کو خوش ہونے اور منصوبے بنانے کو ایک اور موضوع دے گیا تھا۔

☆☆☆

اس رات ذابل گھر پہنچا تو تھکن کے باوجود اس کے انگ انگ سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی، بہت دن بعد امی ابو کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے وہ مسلسل بولتا رہا تھا، کھانے کے بعد ابو کے ساتھ دیر تک مختلف موضوعات پر بحث مباحثہ بھی جاری رہا، رات گئے جب وہ انہیں شب بخیر کہہ کر اپنے کمرے میں آیا تو نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی مگر آج ایک فرق تھا آج اس کے رت جگے کے ساتھی، اندیشے اور غدشے نہیں بلکہ خوبصورت سپنے تھے۔

☆☆☆

عاصمہ اور احمد بھی اپنے کمرے میں جاگ رہے تھے۔

''کیا سوچ رہی ہو؟''

''سوچ رہی ہوں اگر ذابل مان جاتا تو روحی آج اس گھر میں ہوتی اچھی لڑکی ہے۔'' ان کے لہجے میں افسوس تھا۔

''دیکھو بیگم میں نے تمہیں پہلے بھی سمجھایا تھا یہ شادی بیاہ کے فیصلے اس طرح نہیں کیے جا سکتے بچوں کی پسند ناپسند دیکھنا اور ماننا پڑتی ہے، اللہ

اس بچی کے نصیب اچھے کرے لیکن اب تم اپنے بیٹے کا سوچو وہ خوش رہے ہماری خوشی تو اسی میں ہے نا؟"

"جی بالکل وہ تو بس یونہی مجھے خیال آ گیا تھا۔"

"چھوڑو ان خیالوں کو اور سب کچھ اللہ پہ چھوڑ دو اللہ جو کرے گا بہتر ہی کرے گا، اللہ ہمارے بیٹے کو صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق دے ایک اچھی ہمسفر دے تاکہ وہ ہمیشہ خوش رہے۔"

"آمین۔" احمد کے کہنے پر عاصمہ نے بے اختیار آمین کہا۔

☆☆☆

اس شہر کے ایک چھوٹے آنگن والے گھر میں بھی کوئی اس وقت جاگ رہا تھا اور وہ تھی ایمل، مسکراہٹ مستقل اس کے ہونٹوں پر کھلے جا رہی تھی، ذابل کی آنکھوں سے جھلکتے جذبے اس کی آنکھوں سے پوشیدہ نہیں رہے تھے۔ اسے یہ یقین مل گیا تھا کہ محبت کے سفر میں وہ تنہا نہیں تھی بس اب آنے والے کل کی منتظر تھی اس امید کے ساتھ کہ آنے والا کل اس کے دامن میں کچھ خوشیاں ڈالنے والا تھا۔

☆☆☆

ذابل نے فرحان کے ذریعے اپنی بات بڑی سہولت سے اپنے امی ابو تک پہنچا دی تھی۔ فرحان اور اس کی فیملی نے ایمل کی اس قدر تعریف کی تھی کہ عاصمہ ملے بنا ہی اس لڑکی کے لیے دل میں پسندیدگی کے جذبات محسوس کرنے لگی تھیں اور جب احمد کے ذریعے انہیں یہ پتا چلا کہ وہ ان کے بیٹے کی بھی پسند ہے تو وہ ان کے گھر جانے کے لیے بے قرار ہو گئیں۔ آخر بات ان کے لاڈلے اکلوتے بیٹے کی خوشی کی تھی۔

فون کب سے بجے جا رہا تھا اماں قرآن پڑھ رہی تھیں اور وہ کچن میں تھی۔ آخر اسے مسلسل بجتے فون کی پکار پر لبیک کہنا ہی پڑا، دوسری طرف ماریہ تھی۔

"کہاں غائب ہو یار کب سے فون کر رہی ہوں۔"

"تم بھی تو تھوڑا سا بھی صبر نہیں کر سکتی میں کچن میں تھی۔"

"اچھا خیر چھوڑو اس بات کو یہ بتاؤ تم ذابل بھائی کو کب سے جانتی ہو۔" اس کے اچانک پوچھنے پر ایمی بوکھلا گئی اسے ماریہ سے اس قسم کے سوال کی بالکل امید نہیں تھی۔ اس نے ایک نظر صحن میں بیٹھی اماں پر ڈالی اور آواز دھیمی کرتے ہوئے بولی۔

"میں تو انہیں نہیں جانتی، ایک بار لائبریری میں دیکھا تھا یا اب تمہارے ساتھ۔" اس نے سرسری لہجہ اپنایا تھا مگر ماریہ اتنی آسانی سے کہاں ٹلنے والی تھی۔

"اوہو ایک بار دیکھا اور اب تک یاد ہے یعنی دال میں کچھ کالا ادھر بھی ہے۔"

"بکو نہیں کوئی کالا والا نہیں تم جلدی بولو کیوں فون کیا ہے میں اس وقت بہت بزی ہوں۔" ایمل نے اس کی بڑھتی شرارتوں کو روکنے کے لیے ذرا بے رخی دکھائی۔

"محترمہ آپ اطمینان سے اپنے کام کیجیے مجھے تو بس اتنا بتانا تھا کہ تم کچھ کتابوں کے ساتھ ساتھ کتابوں کے مالک کا دل بھی لے آئی ہو، اسی سلسلے میں ذابل بھائی اپنی فیملی کے ساتھ آج شام تمہارے گھر آ رہے ہیں۔"

"یہ تم اماں سے بات کرو۔" اماں کو اندر آتے دیکھ کر اس نے گھبرا کر فون اماں کو تھما دیا اور خود دھڑکتے دل کے ساتھ کچن میں آ کر جلدی سے پانی پی کر خود کو نارمل کرنے لگی۔

دوسری طرف ماریہ کے بعد ماریہ کی امی میمونہ سے ذابل کے بارے میں تفصیل بتاتے ہوئے آنے کی اجازت طلب کر رہی تھیں، اماں بھلا کیا کہتی، آنے والوں کو منع کرنا تو نہیں تھا باقی بیٹی کی قسمت۔ انہوں نے فوراً اسد کو فون کر کے مہمانوں کی آمد کا بتا کر آفس سے جلدی آنے کا کہہ دیا تھا اور پھر جلدی جلدی رات کے کھانے کی تیاری میں لگ گئی تھیں۔

"ایمی بیٹا آج کچھ مہمان آ رہے ہیں ماریہ لوگوں کے جاننے والے ہیں تم ذرا شام میں تیار ہو جانا۔" انہوں نے بس اتنا ہی کہا تھا اور ایمی نے بھی آگے کچھ نہیں پوچھا تھا۔

"تم فوراً یہاں پہنچو میں بہت نروس ہو رہی ہوں۔" ایمل نے ماریہ کو فون کر کے کہا تھا۔ منگنی ہو جانے کی وجہ سے اب ثوبیہ کا ان کے گھر آنا تو مشکل تھا کہ اماں ذرا پرانے خیالات کی تھیں مگر ماریہ تو آ ہی سکتی تھی۔

☆☆☆

اماں اور اسد ذابل اور اس کی فیملی سے مل کر بہت خوش اور مطمئن تھے، عاصمہ تو ایمل کو دیکھتے ہی اس پر فدا ہو گئی تھیں ان کا ارادہ تو انگوٹھی پہنا کر جانے کا تھا لیکن اماں نے سوچنے کے لیے کچھ مہلت لی تھی، بظاہر سب کچھ ٹھیک ٹھاک لگ رہا تھا لیکن پھر بھی وہ اپنی تسلی کر لینا چاہتی تھیں آخر ماں تھیں۔

"آپ پوری طرح اپنی تسلی کر لیں بہت بس اتنا یاد رہے کہ اب آپ کی بیٹی ہماری امانت ہے۔" عاصمہ جاتے جاتے بھی کہنا نہیں بھولی تھیں۔

☆☆☆

"یہاں اکیلی اندھیرے میں کیوں بیٹھی ہو بیٹی؟" موسم بدل گیا تھا اب رات میں چاند کی روشنی میں بیٹھنا بھلا لگتا تھا، روحی کو کرسی پر ساکت بیٹھے آسمان کی طرف تکتے دیکھ کر خالدہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

"میرے مقدر کا ستارہ کھو گیا ہے امی اسے ہی تلاش کر رہی ہوں۔" روحی کی آواز میں درد تھا۔

"میری بچی۔" خالدہ نے بے اختیار اسے سینے سے لگا کر بھینچ لیا۔ آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے، ان کی بیٹی کو بیٹھے بٹھائے ایسا روگ لگ گیا تھا جس کی کوئی دوا ان کے پاس تھی نا کوئی علاج۔

"میری بات مان جا روحی تیری خالہ بڑی چاہ سے تیرا ہاتھ مانگ رہی ہے، میری طرف دیکھ میرے بڑھاپے پہ رحم کھا تیری یہ حالت دیکھی نہیں جاتی مجھ سے۔" وہ سراپا التجا بنی ہوئی تھیں۔

"امی پلیز ایسا مت کریں۔" ماں کے اس طرح بلک بلک کر رونے پر روحی تڑپ اٹھی۔

"تو پھر تو میری بات مان جا۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں امی ویسا ہی ہو گا جیسا آپ چاہیں گی لیکن مجھے تھوڑا وقت دیں پلیز کہ میں خود کو سنبھال سکوں نئی زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے قابل ہو سکوں، پلیز ابھی ٹھہر جائیں۔"

"ٹھیک ہے مگر بہت دیر نہ کر دینا بیٹی یہ بڑھیا اب تیری خوشیوں دیکھنے کی خاطر ہی جی رہی ہے بس۔" روحی نے چاند کی روشنی میں دیکھا اس کی ماں واقعی اپنی عمر سے بہت بڑی دکھنے لگی تھی، بچوں کا غم بھی کیا چیز ہے مگر میں اپنی ماں کو اب اور نہیں تڑپنے دوں گی اپنے لیے نہ سہی ان کے لیے زندگی کی طرف لوٹ آؤں گی۔ اس نے جیسے اپنے آپ سے عہد کیا اور اپنی ماں کا ممتا سے

فیصلہ

سمیرا عثمان گل

چمکتا چہرہ چوم لیا۔

محبت کے سفر میں کسی کے ہاتھ خوشیاں لگتی ہیں تو کسی کا دامن غم کے موتیوں سے بھر جاتا ہے، کسی کو محبوب کا ساتھ ملتا ہے تو کسی کے حصے میں صرف درد آتا ہے، بدقسمتی سے وہ دوسری قسم کے لوگوں میں شامل تھی۔ اسے ذابل کے رشتے کی خبر مل چکی تھی اور اس نے بے اختیار اس کی خوشیوں کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے تھے۔ یہ محبت بھی عجیب ہے درد دینے والے کو کوئی درد نہ ملے۔ آنسو بخشنے والا آنسوؤں سے ناآشنا رہے بس یہی دعا لبوں پر رہ جاتی ہے اور محبت کرنے والے مرتے دم تک ان دعاؤں کا جاپ کرتے رہتے ہیں اور وہ بے خبر محبوب اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ کسی کی دعاؤں کے سائے میں خوشیوں کے جھولے میں جھول رہے ہیں۔

"میرا دل محبت کے درد سے آشنا ہے پھر میں اتنے محبت کرنے والے گھر والوں کو درد کیسے دے سکتی ہوں؟" روحی نے آخری بار آسمان پر نظر ڈالی شاید اپنی قسمت کا ستارہ دیکھنے کی آخری کوشش مگر وہاں اس کے مقدر کا کوئی ستارہ نہیں تھا وہ کسی اور آنگن پر جگمگا رہا تھا اس نے بے ساختہ آہ بھری پھر گالوں پر بہتے آنسوؤں کو ہتھیلیوں سے پونچھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆

ذابل اور اس کے گھر والوں نے ایسی جلدی مچائی تھی کہ ماریہ کی شادی سے بھی پہلے ایمل دلہن بن کر ذابل کے آنگن میں اتر آئی تھی۔ یہ سب اتنا جلدی جلدی ہوا تھا کہ ایمل ابھی تک بوکھلائی ہوئی تھی اسے لگتا تھا وہ کوئی حسین سپنا دیکھ رہی ہے۔ اس وقت وہ دلہن بنی ذابل کے بیڈروم میں بیٹھی اس کی بے قراریوں کی داستان سنتے ہوئے شرمائے جا رہی تھی۔ ذابل کی گستاخ نظریں اور بے باکیاں اسے گھبراہٹ میں مبتلا کر رہی تھیں۔ وہ چاہتی تھی وہ بھی اپنے دل کا حال ذابل کو بتائے مگر شرم وحیاء نے زبان تالو سے لگا رکھی تھی۔ ذابل نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر دھیرے سے دبایا اور بے اختیار ذابل کی طرف دیکھنے لگی۔

"اتنی گھبراہٹ کیوں؟ کیا میرا ساتھ پسند نہیں آیا؟"

"نہیں نہیں ...... ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

ذابل کی مصنوعی سنجیدگی نے ایمل کی تو جان ہی نکال دی تھی وہ بے ساختہ بولی تو ذابل ہنس دیا اس کے ہنسنے پر ایمل بھی اس کی شرارت سمجھ کر مسکرائی۔

نگاہ سے دور تھا جو
دل کے بہت پاس مگر
کبھی تو خواب کی چلمن سے جھانکتا تھا مجھے
کبھی خیال کی دنیا میں کھینچ لیتا تھا
وہ جس کو خواب سمجھ کر بھلا رہی تھی میں اب
جسے نگاہ میری ڈھونڈ ہی نہ پائی تھی
ہوں خوش نصیب، اسی شخص کی نگاہ میں ہوں
میں اس کی جان، اپنی جان کی پناہ میں ہوں

ذابل نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا وہ بھی اعتماد اور سکون سے ذابل کے کاندھے پر سر رکھے اپنے ہمسفر کے ساتھ پیار کے ساگر میں ڈوبتی چلی گئی۔

☆☆☆

"ایک ہفتہ ہو چکا ہے اور کتنا وقت چاہیے تمہیں سوچنے کے لئے، غضب خدا کا سات دن ہو گئے اور تم سے ایک فیصلہ نہیں ہو سکا، میری ہی غلطی ہے جس نے تمہارے کم عقل، بیوقوف دماغ پر تمہاری عقل سے زیادہ بوجھ ڈال دیا۔" رابیل ایک ہفتے بعد بھی اس کا حسب معمول جواب "ابھی میں کوئی فیصلہ نہیں کر پائی" سن کر کھول اٹھی تھی اور اب برابر اسے صلواتوں سے نواز رہی تھی لیکن مہرو کا اطمینان بھی قابل دید تھا یوں جیسے اپنی شان میں کی گئی قصیدہ خوانی اس نے سنی ہی نہ ہو۔

وہ چائے کا مگ ہاتھ میں لئے ریلنگ پہ جھکی سنہری نرگس کی کلیوں پہ پھدکتی کالی چڑیا کو دیکھ رہی تھی۔

"دیکھا تم آخر میری محنت رنگ لے ہی آئی لان دیکھو دیکھو کیسا مہک رہا ہے۔" اسے اپنے پودوں سے بہت پیار تھا ویسے بھی سارے پودے اس نے خود اپنے ہاتھوں سے لگائے تھے اور اب ہر ٹہنی پر لہلہاتے پھول اسے خوشگوار احساس سے دوچار کر رہے تھے بہار اپنے جوبن پر تھی سارا لان نکھرا ہوا تھا اور رابیل کا میٹر ایک بار پھر سے گھوم چکا تھا۔

"عمر دیکھی ہے اپنی ستائیس کی ہو چکی ہو اماں کو ہر وقت تمہاری فکر ستائے رکھتی ہے ایسے ہی تم ہر رشتے کے لئے ٹال مٹول کرتی رہی تو مزید دو سال بعد یہ گنے چنے رشتے بھی نہیں آئیں گے۔" وہ بھی آج فیصلہ کر کے آئی تھی کہ اس سے فیصلہ کروا کر ہی جائے گی چاہے اس کے لئے اسے کتنی ہی تلخ گوئی سے کام کیوں نہ لینا پڑے۔

"تم ویسے بہت بدذوق ہو۔" مہرو نے سر جھٹکا۔

"کتنی خواہش تھی میری کہ دونوں بہنیں ایک ہی گھر میں مزے سے رہیں گی تمہیں شاید پتہ نہیں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں تمہارے دور جانے کے خیال سے بھی میرا دل کانپ اٹھتا تھا مگر جب سے شہریار نے تمہارا نام لیا تھا تب سے ہی میں کتنی خوش تھی اتنے ڈھیر سارے خواب سجا لیے تھے میں نے۔" غصے سے کام نہ چلتا دیکھ کر اب وہ ایموشنل بلیک میلنگ پر اتر آئی تھی۔

"اوفوہ، رابی کیا چاہتی ہو تم۔" وہ جھنجھلا گئی۔

"تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔" رابیل نے جیسے بڑی منت سے کہا تھا۔

"میں خوش ہوں دیکھو۔" مہرو کلوز اپ کا اشتہار بن گئی رابیل کا ضبط چھلک اٹھا تھا۔

"اڑا لو مذاق، ویسے بھی تمہیں دوسروں کے جذبات کی کیا فکر، بس ایک بندے کو خوش کر دیا تم نے، اب باقی جائیں بھاڑ میں اور کسی کی تمہیں کیا پروا۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے زخم ادھیڑ گئی تھی مہر کی رنگت ایک لمحے کو متغیر ہوئی لیکن اگلے ہی پل اس نے ہنستے ہوئے واپس باغیچے پر نظریں جما دی تھیں مگر اب کی بار وہ اپنی سابقہ بے نیازی قائم نہیں رکھ پائی تھی کچھ تھا جو اس کے اندر سے سسک اٹھا تھا وہ ایک بار پھر اسے ہی سوچ رہی تھی۔

وہ گھر آج بھی وہیں تھا اس کے ٹیرس سے بالکل واضح نظر آتی ہوا وہ کمرہ اور اس کمرے سے آگے کی بالکونی، زیادہ فاصلہ نہیں تھا مگر اب تو جیسے صدیوں کی دوریاں حائل تھیں۔

"مہرو جب سارے فیصلے ہو چکے تو اب یہ فرار کیسا؟" اس نے خود کو ڈپٹا تھا، رابیل بھی خفا ہو چکی تھی اماں نے الگ سے موڈ بنا رکھا تھا وہ کرے تو کیا۔

☆☆☆

بارش اسے بالکل اچھی نہیں لگتی تھی ہر طرف کیچڑ، گیلی دیواریں آنے جانے کی دشواری، اس پہ رابیل کی کال۔

"بارش میں بھیگنے کی ضرورت نہیں، شہریار تمہیں پک کر لے گا۔" اس کا موڈ بری طرح سے خراب ہوا تھا پہلے بھی تو وہ دفتر اکیلے ہی آتی جاتی تھی، بس کی جگہ آج رکشے میں چلی جاتی مگر اس رابیل کو چین کہاں تھا، اس کی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی کے باوجود وہ دونوں میں افسانوی سچویشن کریٹ کرنے سے باز نہیں آتی تھی۔

کوفت سے سوچتے ہوئے وہ سڑک کے اس پار کافی شاپ پہ چلی آئی اور پھر وقت گزاری کے لئے بیگ میں رکھا اخبار نکال لیا بلیک کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے وہ خبروں میں مشغول تھی جب دو انگلیاں اس کی میز پر تھرکیں۔

"ٹک...... ٹک...... ٹک۔" یہ انداز وہ بری طرح سے چونکی تھی۔

"مگر وہ یہاں کہاں۔" دل نے سرزش کی لیکن یہ کوئی واہمہ نہیں تھا، بلکہ حقیقت میں وہ سامنے مجسم کھڑا تھا مغیث انکل کا بیٹا اس کے بچپن کا دوست اور اس کا۔

"کیسی ہو مہرو۔" اسے اپنی جانب متوجہ دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا، سات سال بعد وہ اسے دیکھ رہی تھی وہ بالکل نہیں بدلا تھا ہاں بس تھوڑی صحت اچھی ہو گئی تھی یا پھر وہ اور بھی پیارا ہو گیا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ جیسے بے یقینی سے بولی کیا وہ سچ میں سامنے کھڑا تھا دل چاہا ایک بار چھو کر تسلی کر لے۔

"بیٹھو نا۔" وہ جانے کب کھڑی ہوئی تھی، شیراز نے بیٹھتے ہوئے اسے بھی اشارہ کیا تھا تھوک نگلتے ہوئے اس نے جیسے اپنی حیرت پہ قابو پایا اور ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے کچھ با اعتماد اور پر تکلف سی ہو کر بیٹھ گئی، سب کی خیریت پوچھ رہا تھا مہرو کو ابا یاد آ گئے۔

مغیث انکل اور ابا کی کتنی گہری دوستی ہوا کرتی تھی ان کے گھر بالکل ایک دوسرے کے فرنٹ پہ بنے ہوئے تھے ان دونوں کا بچپن ایک ساتھ کھیلتے ہوئے گزرا تھا وہ مغیث انکل کا اکلوتا بیٹا تھا ان کی بیٹیاں نہیں تھیں اور ابا کا کوئی بیٹا نہیں تھا سو وہ تینوں مل جل کر ایک فیملی کی مانند رہتے تھے شیراز تو جیسے ان کے گھر کا پانچواں فرد تھا۔

اس کی اماں کی گود میں سر رکھ کر اپنی فرمائشیں منوانے والا شیراز، کبھی اس کی پونی کھینچ کر بھاگ جاتا، کبھی اس کے لنچ باکس سے گوبھی والا پراٹھا چرا لیتا اور جو کبھی مہربان ہوتا تو پچھلی گلی میں لیچیوں کے باغ کی اونچی دیوار پھلانگ کر اس کی خاطر خوب کھٹی میٹھی لیچیاں توڑ کر لایا کرتا تھا اس کوشش میں بیچارے کی کہنیاں چھل جاتیں تو کبھی کپڑے پھٹ جاتے مگر پروا کسے تھی وہ دور تو ایسا ہی تھا لاابالی، من موجی ٹائپ۔

"ابا کی تو ڈیتھ ہو گئی اماں اور رابی ٹھیک ہیں۔"

"اوہ۔" شیراز نے افسوس کے انداز میں ہونٹ سکیڑے، مہرو کی کافی ٹھنڈی ہو چکی تھی کڑوے کسیلے گھونٹ اس نے ایک ہی سانس میں اندر انڈیل لئے۔

کچھ پل کے لئے خاموشی چھا گئی جیسے کہنے سننے کو کچھ بچا نہ ہو حالانکہ وہ کس قدر باتونی ہوا کرتا تھا سارے دن کی روداد اسے سنائے بغیر اسے نیند نہیں آتی تھی اس نے آج کیا کھایا، کون سا نیا دوست بنا، کرکٹ میں اس نے کتنے رن بنائے، کسی ڈرامے میں کیا ہوا، شاپنگ میں اس

نے کیا خریدا اور ماں سے کتنا جھوٹ بولا ایک ایک بات وہ اسے بتایا کرتا تھا جیسے اس کی پکی سہیلی ہو۔

''عبیدہ کیسی ہے؟'' مہرو نے اس کی بیوی کے متعلق دریافت کیا تھا اس کے باوجود کہ اس لڑکی کا حوالہ آج بھی اس کے لئے اتنا ہی کرب آمیز تھا جتنا آج سے سات سال قبل تھا۔

اسے یاد تھا آج بھی وہ دن جب ابا اور مغیث انکل نے دونوں کو ایک بندھن میں باندھنے کا فیصلہ کیا تھا وہ دن کتنے حسین اور خوشگوار تھے وہ کسی رنگین تتلی کی مانند ہر سو اڑی پھرتی تھی شیراز بچپن کا دیکھا بھالا تھا، گھر کے بالکل سامنے سسرال اور اس کا ماحول جیسے اپنا ہی گھر ہو اور پھر جو دھڑکنوں نے آج کل اس کا ورد شروع کر رکھا تھا وہ اس کی اولین چاہت، وہ پہلا خواب اور پہلا پیار تھا خواہشوں کی تکمیل اور اتنی محبتیں، وہ مسرور تھی شاد، مطمئن، اب تو جیسے محض شیراز کا انتظار تھا وہ ان دنوں یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا۔

وہاں سے اس کے فون آتے تھے مہرو نے سب کو منع کر دیا تھا کہ کوئی اسے کچھ نہیں بتائے گا، وہ اسے سرپرائز دینا چاہتی تھی، جیسے وہ بہت دنوں سے اسے تنگ کر رہا تھا۔

''مہرو مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے لیکن گھر آ کر بتاؤں گا۔'' وہ پوچھ پوچھ کر ہار گئی دھمکیاں، لالچ سب دے ڈالا مگر بے سود، وہ بتا کر نہیں دے رہا تھا۔

''بتا دو ورنہ کھانا ہضم نہیں ہو گا پیٹ میں بل پڑ جائیں گے۔'' مہرو نے بہت ڈرایا جواب میں اس کے قہقہے تھے اور بات بے بات ہنسی۔

''مجھے بھوک لگتی کہاں ہے آج کل تم بدہضمی کی ٹینشن نہ لو۔'' اور اب اس نے بھی کسوٹی، کسوٹی کھیلنا شروع کر دیا تھا اور جب وہ آیا تو جیسے دونوں گھرانوں میں بھونچال آ گیا تھا۔

''مہرو تم آ کہ ابا کو سمجھاؤ یہ بھلا کوئی بات ہے خود سے وہ میری زندگی نظر ہی نہیں آ رہی تھی پلکوں پہ سجے خواب جیسے چھن سے ٹوٹے تھے دل میں کانچ سا چبھ گیا۔'' مہرو کی نم آنکھیں لرزتے لب اور زردی مائل ہوتی رنگت جیسے سب پس پشت چلا گیا تھا اگر کچھ تھا سامنے تو عبیدہ کا عکس۔

''تم جانتی ہو نا بس تم ہو جو ابا کو روک سکتی ہو انہیں عبیدہ کے لئے منا سکتی ہو تمہیں کیسے بتاؤں مہرو کہ میں کس عذاب سے گزر رہا ہوں وہ لڑکی میری زندگی ہے میں مر جاؤں گا اس کے بغیر۔'' اور مہرو نے وہ سارے بکھرے کانچ سمیٹ کر خوابوں کا وہ شیش محل اسے سونپ دیا تھا انکل کو منانے کی ذمہ داری اس نے بخوبی نبھا ڈالی تھی مگر پھر اپنے دل کو منانا بہت مشکل ہو گیا تھا اور اتنا ہی مشکل تھا ابا کے لئے اب مغیث انکل کی فیملی سے پہلے جیسے مراسم رکھنا، ایک ان دیکھی خلیج تھی جو دونوں گھروں کے مابین حائل ہو چکی تھی انکل نے اپنا ٹرانسفر لاہور کروا لیا شیراز کو نوکری بھی وہیں مل گئی تو یہ حصہ ہی پارینہ ہو چکا تھا۔

عبیدہ کیسی ہو گی یہ سوچ کر وہ خود سوچ میں پڑ چکا تھا اسے تو ٹھیک سے یہ بھی نہیں یاد تھا کہ جھگڑا کس بات پر ہوا تھا اور وہ کیوں روٹھ کر چلی گئی تھی لیکن اتنا بڑا مطالبہ جو وہ کر چکی تھی اس کا تو اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا وہ کل رات سے ہی بہت پریشان تھا۔

''وہ علیحدگی چاہتی ہے مجھ سے۔'' ایک پل میں اس کے چہرے پہ جیسے مایوسی چھا گئی تھی مہرو کو سن کر شاک سا لگا وہ عبیدہ سے مل چکی تھی اس کے تو ہر انداز ہر روپ میں شیراز کے لئے صرف

پیار جھلکتا تھا وہ موم سی گڑیا شیراز کے بغیر ایسی ہی تھی جیسے کوئی بے جان خوبصورت آبنوسی مجسمہ۔

اگر یہ اس کا فیصلہ تھا تو اسے کرتے ہوئے وہ کس جان لیوا عذاب سے گزری ہو گی مہرو کو وہ آپ بیتی جیسا لگا تھا۔

''ہر وقت ایک یہ شکایت، تم بدل چکے ہو اب پہلے والے شیراز اب ہم میچور ہو چکے ہیں یار، اسے سمجھنا چاہیے میں اپنے بزنس میں اتنا مصروف ہوتا ہوں کہ......''

''تمہارے پاس اب اس کے لئے وقت ہی نہیں ہے۔'' مہرو نے اس کی بات کاٹ کر ترشی سے کہا تھا۔

''شیزی کیا ساری امیچورٹی، ساری اسٹوپڈ ٹین ایجرز والی حرکتیں اور عاشقی کا وہ ایک سو چار نوعیت والا بخار کیا صرف گرل فرینڈ کے لئے ہوتا ہے اور بیوی کے لئے وہ ساری باتیں غیر جذباتی، بچکانہ پن ہو، جاتی ہیں، یاد ہے تمہیں عبیدہ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے تم اپنی کلاسز بنک کر کے گھنٹوں اس کے ڈیپارٹمنٹ کے باہر کھڑے رہتے تھے اس سے چند جملوں کے تبادلے کی خاطر بہانے سے نوٹس مانگا کرتے تھے جب اس کی برتھ ڈے تھی اور تم نے ساری رات جاگ کر اپنے ہاتھوں سے اس کے لئے کارڈ بنایا تھا تمہاری ان شدتوں کی میں گواہ ہوں تمہارا وہ لاسٹ ٹائم پہ مجھ سے کہنا وہ لڑکی میری زندگی ہے میں مر جاؤں گا اس کے بغیر، کیسا خوف اور بے بسی تھی تمہاری آنکھوں میں، جیسے سچ میں تمہارے لئے زندگی اور موت والا معاملہ ہو اور آج کتنے سکون سے بیٹھے تم بتا رہے ہو کہ وہ تم سے علیحدگی چاہتی ہے۔'' طیش کے عالم میں وہ بولتی ہی چلی گئی تھی اسے لگا اب وہ کہے گا تم ہو مہرو، تم ہو جو آج بھی ہمارے مابین اپنی نم پلکیں لئے کھڑی ہو ایک مجرمانہ سا احساس مجھے کھل کر ہنسنے نہیں دیتا تمہارے خوابوں کا بھاری بوجھ ہے مجھ پر، وہ کانچ آج بھی مجھے چبھتے ہیں میں شرمندہ ہوں تم سے مگر وہ بولا تو......

''تم یقین نہیں کرو گی مہرو، لیکن میں سچ میں اسے بہت چاہتا ہوں۔'' شیراز نے جیسے اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش میں اپنے ''بہت'' پہ بہت زور دیا تھا اس کے لہجے کی شدت مہرو کے دل کو جیسے پھر سے جوڑ گئی تھی۔

وہ کہیں تو سچا تھا مگر اسے عبیدہ پہ ترس آ رہا تھا۔

''ہم کتنے ہی میچور کیوں نہ ہو جائیں شیزی لیکن یہ جو محبت ہے نا یہ کبھی میچور نہیں ہوتی اسے ہمارے بچکانہ پن کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے یہ لفظوں کی بیساکھی تھام کر چلتی ہے ہماری وہ اسٹوپڈ حرکتیں اور ایک سو چار نوعیت والا بخار ہی اسے ہمیشہ مضبوط اور توانا رکھتا ہے۔'' وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی شیشے کے اس پار سیاہ کار میں کوئی اس کا منتظر کھڑا تھا، بارش میں بھیگتا ہوا، ہاتھوں میں وائیٹ للی کا بکے تھامے۔

اس کے قدم واپسی کی راہ میں پلٹنے لگے کہ آج آخری بھرم بھی ٹوٹا تھا اور ویسے بھی جب سارے خواب وہ اس شخص کو دان کر ہی چکی تھی تو حقیقت کو قبول کرنے میں اب کیا مضائقہ تھا۔

باہر ہلکی ہلکی پھوار ابھی بھی برس رہی تھی پہلی بار آج اسے بارش اچھی لگ رہی تھی راستہ اچھا لگ رہا تھا اور ساتھ بیٹھا ہمسفر بھی۔

جس کی والہانہ نظروں سے جھلکتا پیغام محبت وہ قبول کر چکی تھی بس اب یہ فیصلہ رابیل کو سنانا باقی تھا جو پچھلے سات روز سے اس کے گھر میں ڈیرا ڈالے بیٹھی تھی۔

☆☆☆

سندس جبیں

پندرویں قسط

وہ ہاسپٹلائز تھی، تیمور احمد اور مرینہ خانم بھی وہاں تھے، مرینہ کے پاس تو عورت ہونے کی فیور تھی جبھی وہ مسلسل رو رہی تھیں، مگر تیمور احمد مرد ہونے کی حیثیت سے آنسو بھی نہیں بہا سکتے تھے، وہ بس مرینہ کو تسلی دے سکتے تھے اور ایسا ہی کر رہے تھے۔

کب سے ان کی انگلیاں ایک نمبر ملا رہی تھیں مگر دوسری طرف ان کا نمبر دیکھتے ہی کال ڈسکنکٹ کر دی جاتی، ہار کر وہ اپنی سرگرمی موقوف کر کے ایک طرف بیٹھ گئے۔

کچھ دیر کے مزید جاں توڑ انتظار کے بعد ڈاکٹر صائمہ نے انہیں یہ نوید سنائی کہ سزیرین کے بعد حبا نے بچی کو جنم دیا تھا، تیمور کو جیسے نئی زندگی ملی تھی، وہ بے ساختہ فون نکال کر دوبارہ سے وہی مخصوص نمبر پریس کرنے لگے، نتیجہ اس بار بھی وہی تھا، بہت بے بس ہو کر انہوں نے اسد کو فون

ناولٹ

کیا، اسے بیٹی کی خبر دی اور ساتھ ہی درخواست کی تھی۔

"میں نے ڈاکٹر سلطان سے اسید کا نمبر لیا تھا اسے بھی اطلاع کر دوں، مگر وہ میرا فون نہیں اٹھا رہا، کیونکہ وہ میرے نمبر کو پہچانتا ہے، تم کوشش کرو اس سے رابطہ کرنے کی۔" وہ دھیمے انداز میں کہہ رہے تھے، اسد جواباً کچھ دیر کے لئے بالکل خاموش رہا، اس کا دل چاہا وہ تیمور کو یاد دلائے کہ یہ لہجہ ان کا نہیں، کہاں گیا ان کا طنطنہ اور اکڑ؟ مگر نہ تو یہ مناسب موقع تھا اور نہ ہی وہ اتنا کم ظرف تھا کہ ان سے یہ بات کر سکتا، اس نے حبا کا حال پوچھا، بچی کی مبارک دی اور حامی بھر کر فون بند کر دیا۔

جب حبا کو ہوش آئی تو اسے پتا چلا کہ باہر زمانے بدل چکے تھے اور زندگی کی بساط اس کی بساط لپیٹی جا چکی تھی اور بازی پلٹ گئی تھی، بیٹی کی

خبر سن کر اس کا زرد رنگ کچھ اور بھی زرد پڑ گیا تھا اور آنکھوں کی ویرانی دو چند ہو گئی تھی اور لبوں پہ خاموشی کا قفل کچھ مزید مضبوط ہو گیا تھا، وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اپنی گود میں پڑی اس نومولود بچی کو دیکھتی رہی جو بالکل اس جیسی تھی، اس جیسی سانولی رنگت لئے مقدر اس سے بھی زیادہ سیاہ بخت لائی تھی۔

"ایک اور حبا۔" اس کے اندر پھیلی ویرانی میں بازگشت ہوئی اور وہ اپنی ٹھکرائی ہوئی ذات اور کچلی ہوئی روح کے ساتھ کچھ اور بھی ٹوٹ گئی۔

دو دن بعد جب وہ آئی تو لاؤنج میں کھڑی دیواروں پہ سجی اپنی اور اسید کی تصاویر دیکھتی رہی، پھر اس نے وحشت کے عالم میں انلارجڈ تصویر کو اٹھا کر زمین پہ دے مارا، شیشے کا فریم زوردار آواز کے ساتھ ٹوٹا اور کرچیاں دور دور تک پھیل گئیں۔

"حبا کیا کر رہی ہو، پاگل ہو رہی ہو؟" مرینہ نے حیرت و پریشانی اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔

"ہاں پاگل ہوں میں، آپ دور رہیں مجھ سے۔" اس نے چلا کر کہتے ہوئے نفرت سے ان کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

"مت کیا کریں میرے ساتھ یہ محبت کے ڈرامہ، سب نفرت کرتے ہیں مجھ سے سب، اللہ بھی مجھے پسند نہیں کرتا اور مجھے اپنے گناہوں کی سزا مل تو گئی ہے، اس کی صورت میں۔" اس نے زہر زہر لہجے میں کہتے ہوئے بچی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو، بیٹا اور بیٹی تو خدا تعالیٰ کی دین ہیں۔" وہ غصے سے بولیں، حبا کے کمزور اور کملائے ہوئے چہرے پہ غصہ پھوٹ پڑا تھا۔

"ہاں پتا ہے مجھے، وہی کر رہا ہے میرے ساتھ یہ سب۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھی اور وہاں سے نکل گئی۔

☆☆☆

"علینہ اور شاہ بخت...... ناممکن۔" طارق مغل نے بے یقینی سے نیلم کو دیکھا تھا۔

"احمر بھائی پاگل ہیں جو جانتے بوجھتے اپنی بیٹی کو کنویں میں دھکا دیں گے، کرتوت دیکھو اپنے بیٹے کے، وہ قابل ہے کہ اسے علینہ جیسی لڑکی ملے۔" انہوں نے تلخی سے کہا، نیلم نے ناراضی اور خفگی سے انہیں دیکھا۔

"بھلا کیا کمی ہے میرے بیٹے میں۔"

"خوبی بھی کوئی نہیں۔" وہ دوبدو بولے۔

"آخر کیوں؟ کیوں وہ اس قابل نہیں کہ اسے علینہ جیسی لڑکی مل سکے، ایسی کون سی خامی ہے میرے بیٹے میں، ایک صرف اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے اس نے، کون سا کچھ غلط کیا ہے۔" انہوں نے کہا۔

"تم مجھے جتنی مرضی دلیلیں اور وضاحتیں دے لو، میں کبھی بھی یہ بات نہیں کرنے والا۔" وہ قطعیت سے بولے۔

"تو ٹھیک ہے مت کریں، میں خود کر لوں گی۔" وہ غصے میں آ گئیں۔

"ہرگز نہیں، نیلم بیگم یاد رکھنا ایسی غلطی کبھی مت کرنا ورنہ انجام کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔" انہوں نے خبردار کیا۔

نیلم بے بسی سے چپ رہ گئیں اور جب یہی بات انہوں نے شاہ بخت سے کہی تو وہ بہت دیر چپ رہا تھا۔

"میں کیسے بھول گیا تھا کہ میرے ماں باپ کو میرے کام کرنے کی عادت نہیں ہے، کوئی بات نہیں، میں خود ہینڈل کر لوں گا۔" اس کا لہجہ ہموار تھا، نیلم کو اس کے تیوروں نے ٹھٹکا دیا تھا۔

"کیا کرو گے تم؟"

"میں کچھ کیوں کروں گا؟ وقار بھائی ہیں نا، میرے کام کرنے کے لئے۔" وہ فخر سے ہنسا۔

"نہیں تمہارے بابا نے صاف کہا ہے کہ کوئی بات نہیں کرے گا۔" نیلم نے اسے سمجھانا چاہا۔

"انہوں نے آپ کو منع کیا ہے، مجھے یا بھائی کو نہیں کیا۔" شاہ بخت نے وضاحت کی۔

"لیکن پھر بھی۔" انہوں نے کچھ کہنا چاہا۔

"کچھ نہیں ہو گا، امی پلیز یو ڈونٹ وری۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر چلا گیا، وقار تو پہلے ہی اس مسئلے کو لے کر پریشان تھے، اگرچہ وہ بہت پہلے سے آگاہ تھے کہ شاہ بخت علینہ میں انٹرسٹ لیتا تھا مگر انہیں ہمیشہ سے یہی انتظار تھا کہ وہ خود اپنی پسندیدگی کا اظہار کرے گا، مگر اس کے بعد کے واقعات تاحال اندھیرے میں تھے، کیا ہوا تھا؟ وہ نہیں جانتے تھے، وہ کون لوگ تھے جنہوں نے شاہ بخت کو اس قدر بے رحم اور سنگدلانہ تشدد کا نشانہ بنایا تھا، وہ لاعلم تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ چھوٹی سی بات پر اتنا طوفان اٹھانے والا شاہ بخت اس معاملے میں یکسر خاموش تھا اور اس کے موڈ اور مزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے وقار نے اس سے مزید کچھ پوچھنے سے گریز کیا تھا اور اب جب یہ مسئلہ سامنے آیا تو پہلی بار وقار بھی صحیح معنوں میں ہچکچا گئے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس بار طارق چچا نے صاف ہاتھ اٹھا دیئے تھے کہ وہ قطعاً یہ معاملہ شروع نہیں کریں گے جبکہ وہ نتائج سے پہلے ہی آگاہ تھے، اسی وجہ سے وہ بھی شش و پنج میں تھے مگر تا بکے، انہیں یہ کام کرنا تو تھا ہی اور اتنے سارے خدشات کے پیچھے سب سے مضبوط وجہ بھی تو تھی۔

اور وہ وجہ شاہ بخت تھا، ایسا نہیں تھا کہ وہ

اس بار بھی صرف شاہ بخت کی ضد اور خواہش کو پورا کرنا چاہتے تھے بلکہ وہ تو خود بھی یہی خواہش رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ اس وقت شاہ بخت کی جو ذہنی کیفیت تھی وہ کچھ بھی کر سکتا تھا اور وہ قطعاً اسے اس سطح تک نہ لانا چاہتے تھے، جبھی حامی بھر کر اس وقت نبیلہ چچی اور احمر چاچو کے سامنے موجود تھے، وقار کے منہ سے شاہ بخت کی خواہش جان کر، احمر چاچو بہت دیر تک چپ رہے تھے، انہیں شاہ بخت سے بے حد محبت تھی اور اس وقت بھی یہ ہی محبت ان کے پیروں کی زنجیر بن گئی تھی، پھر انہوں نے سارا معاملہ علینہ پہ ڈال دیا کہ اس کی جو مرضی ہوگی وہ اس کی رائے کو مقدم سمجھیں گے۔

وقار کو ایک گونہ تسلی ہوئی تھی کہ انہوں نے دوٹوک انکار تو نہ کیا تھا، یہ بات جب مغل ہاؤس کے در و دیوار میں پھیلی تو اس کے دو ردعمل سامنے آئے تھے، پہلا تو طارق چچا کا تھا جو وقار پر ازحد غصہ تھے جنہوں نے یوں بڑا بنتے ہوئے اتنی بڑی بات احمر چاچو سے کر دی تھی اور پھر دوسرا دھماکہ ہوا۔

"شاہ بخت سے شادی......؟ ناممکن امی جان، میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔" مغل ہاؤس کے اندر علینہ کی سرگوشی نے آگ لگا دی تھی اور جب یہ سرگوشی سفر کرتی ہوئی شاہ بخت تک پہنچی تو وہ جیسے خاک ہو گیا، وقت واقعی بدل گیا تھا اور اس کی سلطنت تو کب کی لوٹی جا چکی تھی۔

☆☆☆

معصب اور ستارا اس وقت شادی کا لباس پسند کرنے آئے تھے، معصب بضد تھا کہ وہ سفید رنگ میں ہی کوئی لباس منتخب کرے جبکہ ستارا اس کی فضول ضد سے چڑ گئی تھی۔

"یہاں رواج نہیں ہے شادی پہ سفید رنگ پہننے کا، آپ پلیز میری بات کو سمجھیں۔" وہ غصہ ضبط کر کے سمجھانے والے انداز میں بولی تھی۔

"اس میں پسند ناپسند زیادہ اہم ہے بانسبت رواج کے۔" معصب نے اپنی خوشنما آنکھیں اس پہ مرکوز کر دیں۔

ستارا نے پل میں نظر پھیری تھی، وہ اس کی آنکھوں کی چمک سہہ نہ پائی تھی۔

"مگر پھر بھی...... سفید رنگ؟" وہ ہچکچا سی گئی۔

"تو اس میں کیا پرابلم ہے؟ آپ نے میرے لئے سنورنا ہے نا؟ تو پھر ڈریس بھی میری پسند کا ہونا چاہیے۔" وہ قطعی انداز میں بولا تھا۔

ناچار ستارا خاموش ہو گئی، وہ شخص بلا کا ضدی تھا، وہ بھلا کب پہلے اس کی ضد کے آگے ٹھہر پائی تھی جواب ٹھہر پاتی، جبھی خاموشی بہتر جانی اور یوں ویڈنگ ڈریس بھی اس کی پسند سے منتخب کر لیا گیا، واپسی کے سفر میں حسب معمول چپ تھی، معصب نے اس خاموشی کو پہلے سے بڑھ کر محسوس کیا تھا مگر کچھ کہا نہ تھا، معصب کے اندر کیا تھا جاننا مشکل تھا، جیولری کی دفعہ بھی معصب نے بلا دریغ اپنی پسند ٹھونسی تھی اور حقیقتاً ستارا نے اس بار اپنی رائے دینے کی کوشش بھی نہیں کی تھی، جب وہ گھر لوٹی تو جسمانی تھکن سے زیادہ ذہنی طور پر تھک چکی تھی، اماں کو سارے دن کی تفصیلات بھی سنانا تھیں کہ وہ بڑی دیر سے محوِ انتظار تھیں، اس نے حوصلہ مجتمع کر کے انہیں نہایت خشوع خضوع سے سارا دن کی روداد سنائی تھی اور ایک روایتی معاشرتی سوچ کے مطابق وہ اتنی قیمتی اشیاء دیکھ کر ہی خوش ہو گئی تھیں کیونکہ آج بھی تحفے کی قدر و قیمت سے دوسرے کے خلوص کا اندازہ لگایا جاتا تھا، جب وہ سارے دن کی

تھکن کو اتارنے کی غرض سے بستر پہ آئی تو حیدر اور علشبہ کی کال آ گئی، وہ بات کرنے کے موڈ میں قطعاً نہ تھی مگر ان کی محبت اور خلوص کے آگے ہار گئی، ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں اور میٹھی شرارتوں نے اس کے موڈ کو ساری کلفت خوشگواری میں بدل دی تھی۔

اگلے دن مہندی کی رسم تھی اور ستارا کے دل کی حالت ناقابل بیان ہو رہی تھی، مہروز کمال کی دی ہوئی ذلت کی یادیں اور نوفل کی اذیت ابھی اتنی مدہم نہیں پڑی تھی وہ ازحد ڈسٹرب تھی مگر اس کے باوجود بھی اسے احساس تھا کہ وہ اپنا موڈ دکھا کر سب کو تکلیف نہیں دے سکتی تھی کیونکہ بابا سمیت سب بے حد خوش تھے، مہندی کی رسم کرنے کے لئے حیدر اور علشبہ کے ساتھ ان کے دیگر کزنز بھی آئے تھے، رات کو عینی ستارا کو مہندی لگانے بیٹھی تو ستارا نے ہاتھ چھڑوا لیا۔

"میرا دل نہیں چاہتا عینی، پلیز نہ کرو۔" اس کا گلا رندھ گیا، عینی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ایسا کیوں کہہ رہی ہو ستارا؟ کچھ بھی نہیں ہوا ہے، شکر کرو تمہیں اتنا اچھا شخص مل رہا ہے، اتنی چاہت سے لے کر جا رہا ہے تمہیں اور کیا چاہیے تمہیں؟" عینی نے غصہ کر لیا تھا۔

مگر ستارا نے ان سنی کرتے ہوئے کمبل کھینچ کر منہ اندر دے لیا، وہ اس وقت کسی سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی، عینی نے زبردستی کرنا چاہی مگر ستارا نے اتنے دوٹوک لہجے میں اسے ٹوکا کہ وہ خاموشی سے پیچھے ہٹ گئی، اگلے دن سب نے غور کیا تھا یا نہیں مگر معصب شاہ کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی، یہ کانٹا بڑے اندر سے چبھا تھا کہ "دولہن کے ہاتھ اور مہندی سے خالی؟"

اس شاندار تقریب میں سب بے حد مگن تھے مگر معصب شاہ کے اندر ایک سوال تھا، وہ سفید شاندار لباس میں کسی پری کی طرح اس کے پہلو میں تھی مگر اس پری کی ہتھیلیاں سونی تھیں اور اب جبکہ حیدر اسے تنگ کر رہا تھا اور وہ اس بڑے سے گھر میں اس کے عالیشان کمرے میں بیٹھی روایتی دلہنوں کی طرح محوِ انتظار تھی تو اس کا دل صحیح معنوں میں خالی تھا۔

اور پھر وہ آیا، وہ جو اب اس کا شرعی مالک و حقدار تھا، جس کے اختیار میں اس کے سارے اختیار آ گئے تھے اور جس کی دسترس میں وہ تھی، اور اب وہ اس سے باتیں کر رہا تھا، اس کے سونے ہاتھوں کو اپنے ہونٹوں سے چوم کر رنگ پہنا کر رہا تھا اور اس کے بالوں کو ایک والہانہ وارفتگی سے چھو رہا تھا اسے بتا رہا تھا کہ وہ اسے کتنا پیار کرتا ہے، ستارا نے بے بسی سے آنکھیں بند کر کے خود کو اس کے حوالے کر دیا، پتا نہیں کیسی زندگی تھی اور کیا تھی؟ اسے تو سمجھ نہیں آتی تھی، وہ تو صرف بے بس و مجبور تھی، وہ اس کا ساتھ نہ دے پائی اور اگلی صبح جب اس کا سامنا معصب سے ہوا تو اس کی آنکھ کا شکوہ ستارا کو مار گیا تھا، یہ سبز نگینے اس سے سوال کر رہے تھے اور سوال وہ تھے جن کا جواب ستارا کے پاس نہیں تھا۔

☆☆☆

مرینہ اندر آئیں تو بڑا عجیب منظر تھا، کاٹ میں پڑی ہوئی بچی زور زور سے رو رہی تھی جبکہ حبا واش روم میں تھی، انہوں نے آگے بڑھ کر بچی کو اٹھایا اور اسے چپ کرانے لگیں، کچھ دیر بعد حبا باہر آ گئی، اس کا چہرہ گیلا تھا، وہ منہ دھو کر آئی تھی، حبا نے ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر اپنے چہرے کو خشک کرنے لگی۔

"حبا! شفق کب سے رو رہی ہے۔" مرینہ کو ازحد غصہ آیا تھا۔

حبا کا چہرہ بے تاثر تھا، اس نے کوئی جواب

نہیں دیا، مرینہ کو اس کی نظر اندازی از حد کھلی تھی مگر وہ خاموشی سے شفق کو بہلانے لگیں، اسے شدید بھوک لگی تھی جبھی وہ مسلسل روئے گئی۔

"اسے بھوک لگی ہو گی، اسے فیڈ کرواؤ۔" انہوں نے تھک کر حبا سے کہا، حبا خاموشی سے شفق کو لے کر بیڈ پر بیٹھ گئی، مرینہ چند لمحے اسے دیکھتی رہیں پھر باہر نکل گئیں اور رات وہ تیمور سے کہہ رہی تھیں۔

"مجھے حبا کے رویے سے ڈر لگتا ہے تیمور! اسے ذہنی طور پر یقیناً کچھ مسائل کا سامنا ہے اس کا ردعمل بہت عجیب ہوتا جا رہا ہے شفق کی پیدائش کے بعد، شاید وہ بیٹے کی امید لگائے بیٹھی تھی، خیر جو بھی تھا کم از کم اب کچھ نہیں ہو سکتا آپ اس سے بات کیا کریں، آپ بھی نجانے کدھر مصروف رہتے ہیں وقت ہی نہیں آپ کے پاس۔" وہ تشویش سے بول رہی تھیں، تیمور نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"کیا کہنا چاہ رہی ہیں آپ؟" وہ ٹھٹکے تھے۔

"آپ کیوں سمجھ نہیں رہے؟ وہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ عاجز سی ہو کر بولیں۔

"مگر کیوں؟" وہ چیخ گئے۔

"یہ میں نہیں جانتی، وہ از حد متاثر ہوئی ہے اور یہ اس کے رویے سے صاف ظاہر ہے خدا معلوم آپ کو کیوں نظر نہیں آتا، آپ کے پاس فرصت ہی نہیں اس کے پاس دو گھڑی بیٹھنے کی، اس کے ساتھ بیٹھیں اس سے ڈسکس کریں کہ آخر اس کے ساتھ مسئلہ کیا ہے، اتنی دفعہ میں نے دیکھا ہے کہ شفق کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہے، وہ روتی رہتی ہے اور حبا بالکل اسے لفٹ نہیں کرواتی اسے یوں دیکھتی ہے جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو اور میں......" مرینہ کی بات ادھوری رہ گئی، کھٹاک سے دروازہ کھول کر حبا اندر آئی تھی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ، ایک لڑکی اس قابل نہیں ہوتی کہ اسے توجہ دی جائے اور ایک بدصورت لڑکی تو بالکل کچھ ڈیزرو نہیں کرتی۔" اس کا لہجہ زہر زہر تھا۔

"حبا! کیا فضول بات کر رہی ہو تم۔" تیمور چیخ کر بولے تھے۔

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں پاپا، ایک لڑکی کو اتنے ناز نخروں سے نہیں پالنا چاہیے ورنہ کل کو جو اسے مشکلات پیش آتی ہیں ماں باپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔" وہ بدستور اسی طرح محو گفتگو تھی، مرینہ ہکا بکا سی اسے دیکھ رہی تھیں۔

"ایسا مت کہو، ہم نے تمہیں یہ سب تو نہیں سکھایا تھا اور ہم نے تمہیں ایسے پالا بھی نہیں۔" تیمور تڑپ کر بولے تھے۔

"یہی تو آپ کی غلطی تھی۔" وہ چلائی تھی۔

"ہماری غلطی یہ تھی کہ ہم تمہارے ماں باپ ہیں۔" اس بار مرینہ تڑخ کر بولی تھیں۔

"ساری زندگی اسے رونا ہی ہے، تو اچھا ہے ابھی سے پریکٹس کر لے، ویسے بھی کون لے کے جائے گا اسے، کون کرے گا اس سے شادی، ایک بدکردار ماں کی شناخت پوری زندگی اس کی جان نہیں چھوڑے گی اور بدصورتی کا ٹیگ اسے ہمیشہ احساس کمتری میں مبتلا رکھے گا جبھی میں نے سوچا ہے کہ میں نے اسے ایسے کسی مقابلے میں نہیں دیکھنا، نہ وہ پڑھے گی اور نہ ہی میری طرح اس کا دماغ خراب ہو گا۔" وہ بولی نہیں تھی پھٹ پڑی تھی، تیمور زرد رنگت لئے اسے دیکھتے رہ گئے۔

"ایسا مت کہو حبا! میری جان ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ کپکپاتے ہوئے لہجے میں بمشکل بولے تھے۔

"ایسا ہی ہے پاپا اگر آپ نے مجھے میری حد اور اوقات یاد کروائی ہوتی تو آج میری روح اتنی کچلی نہ جاتی اور وجود اس قدر روندا نہ گیا ہوتا کہ مرنے کی دعا مانگتے مانگتے میں خودکشی پر آ جاتی۔" وہ سفاکی سے خود پر ہنس رہی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں حبا؟ کیوں اس طرح خود ترسی کا شکار ہو رہی ہو؟" تیمور احمد اس سے سراپا سوال تھے۔

"میں؟ کیوں میں کیوں خود ترسی کا شکار ہوں گی؟ میرا دماغ بالکل ٹھیک ہے، میں تو شکر گزار ہوں اسید کی جس نے مجھے عرش سے فرش لا پھینکا، میں جو دوسروں کو معمولی کیڑے مکوڑے سمجھتی تھی اب اپنی اصل حیثیت سے آشنا ہوئی ہوں، مجھے اب پتا چلا ہے کہ زمین پہ رینگنے والے معمولی حشرات الارض میں، میں خود بھی شامل ہوں، بہرحال میں آپ سے زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتی، آپ دونوں سے درخواست ہے کہ میرے معاملے میں دخل اندازی مت کریں، اگر آپ مجھے برداشت نہیں کر سکتے تو میں یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

تیمور احمد کے چہرے پہ سوالات کا انبار تھا اور مرینہ کی خاموشی بے بس تھی۔

☆☆☆

رات کے سیاہ پر چہار سو پھیلے ہوئے تھے اور مغل ہاؤس نیند میں ڈوبا ہوا تھا سوائے دو افراد کے، جو از حد بے چین و بے قرار تھے، علینہ احمر مغل اور شاہ بخت مغل۔

علینہ نے چائے کی طلب سے بے تاب ہو کر کچن کی راہ لی اور شاید یہی اس کی غلطی تھی، کچن میں پہلے سے شاہ بخت موجود تھا، وہ اسے دیکھ کے ٹھٹکا اور پھر سے اپنی کافی پھینٹنے میں مگن ہو گیا، علینہ نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ وہ واپس مڑ جائے مگر پھر اگلے ہی لمحے اس نے یہ خیال رد کر دیا، وہ کسی طرح بھی اسے یہ باور نہیں کروانا چاہتی تھی کہ وہ اس سے ڈر گئی ہے یا کنفیوزڈ ہے جبھی آگے بڑھ آئی۔

اس نے فریج سے دودھ نکالا اور چین نکالنے کے لئے کیبن کھول لیا، خاموشی میں صرف چمچ ہلنے کی آواز تھی، اس نے دودھ چین میں ڈالا اور برنر چلانے لگی وہ بالکل پاس ہی تو تھا، ڈارک براؤن شلوار قمیض میں آستین فولڈ کیے اپنی مسحور کن خوشبو کے ساتھ وہ علینہ کے اعصاب کشیدہ کر گیا، وہ چند لمحے کے لئے بھول گئی کہ اس نے کرنا کیا تھا؟ جبکہ وہ ہنوز اسی طرح مگن تھا، علینہ نے سر جھٹکا اور شوگر پاٹ کے لئے ادھر ادھر دیکھا وہ شاہ بخت کے سامنے سلیب پہ پڑی تھی، پہلے اس کے دل میں آئی کہ وہ اسے پکڑانے کو کہے پھر اس نے فوراً ہی پھر سے اپنے خیال کی نفی کی اور آگے بڑھ کر جار پکڑ لیا، دوسری طرف وہ اپنی کافی تیار کر چکا تھا، اپنے فیورٹ مگ میں انڈیل کر اس نے مگ تھام لیا، علینہ نے دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھا اسے انتظار تھا کہ وہ باہر جائے، مگر وہ وہیں سلیب سے پشت ٹکا کر کھڑا ہو گیا اور کافی کے گھونٹ لینے لگا۔

علینہ نے خاموشی سے اپنی چائے مگ میں ڈالی اور تھام کر واپس مڑی مگر اسے رک جانا پڑا، اس کی کلائی ایک ہاتھ کی گرفت میں تھی، وہ پلٹ پڑی۔

"بات کرنی ہے تم سے۔" شاہ بخت کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ علینہ کے حوصلے یک بیک پست ہوئے تھے۔

"یہ بات کرنے کا کون سا طریقہ ہے؟" وہ جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی، شاہ

بخت نے بھی کوئی تعرض کیے بغیر کلائی چھوڑ دی تھی۔
''دوسرے طریقے سے تم بات نہیں سنتی نا جبھی۔'' وہ دو ٹوک بولا، علینہ نے نظر اندازی کے ساتھ واپس مڑنا چاہا مگر اس بار حملہ پہلے سے شدید تھا، علینہ کے ہاتھ میں موجود چائے کا مگ چھلک گیا۔
''تمہارا مسئلہ کیا ہے؟'' وہ تڑخ کر بولی تھی۔
''یہی بتانے کے لئے تمہیں روک رہا ہوں۔'' اس کا انداز حظ لینے والا تھا، اس نے کلائی البتہ چھوڑ دی تھی، علینہ نا چاہتے ہوئے بھی رک گئی تھی۔
''کیا چاہتے ہو تم؟'' وہ طنزیہ بولی تھی۔
''اب یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ تمہیں چاہتا ہوں کیونکہ اس سے تم خاصی خوش فہمی کا شکار ہو سکتی ہو۔'' اس کا انداز مزاح اڑانے والا تھا۔
''میں ایسی کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں۔'' وہ تڑپ اٹھی تھی۔
''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے اس سے بات جلدی ختم ہو گی۔'' وہ مزید چڑا رہا تھا، علینہ کے اندر کہیں کچھ ہوا تھا۔
''تم کیا بات کرنا چاہتے ہو؟'' علینہ نے پوچھا۔
''میں صاف بات کروں گا اور......'' اس نے بات شروع کی مگر علینہ نے قطع کر دی۔
''اور صاف بات کیا ہے؟''
''شادی تو تمہیں کرنا ہی ہے تو پھر انکار کیوں؟''
''میں تمہاری بات کا جواب دینا پسند نہیں کرتی۔'' وہ چلائی تھی، شاہ بخت کی رنگت میں سرخی دوڑ گئی، اس نے یکا یک ہاتھ میں پکڑا مگ سامنے دیوار پہ دے مارا، چھناک کی آواز کے ساتھ مگ ٹوٹا اور کافی دیوار کو داغدار کر گئی۔
''ڈونٹ شاؤٹ...... اوکے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سرسراتے لہجے میں بولا تھا۔
علینہ فریز سی ہو گئی، شاہ بخت کا رد عمل اس قدر خوفناک اور اچانک تھا اس کی حسیات پر منوں برف جم گئی تھی، وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی اور ساکت سی اسے دیکھتی رہ گئی، پھر اچانک اس کے پیروں نے حرکت کی اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے مگ سلیب پر رکھا اور الٹے قدموں سے باہر بھاگ گئی۔
شاہ بخت بھینچے لبوں کے ساتھ وہیں کھڑا تھا اس کی آنکھوں میں برداشت کی سرخیاں اتر رہی تھیں۔
''علینہ احمر مغل۔'' اس کی برداشت اور حوصلے کا ضرورت سے زیادہ امتحان لے رہی تھی اور اس کا موڈ مزید خطرناک کر رہی تھی۔
☆☆☆
''آپ جانا چاہتی ہیں؟'' مصعب نے اتنے دو ٹوک انداز میں سوال کیا کہ ستارا گڑبڑا سی گئی، وہ ولیمے کی صبح اس کے والدین کے ہاں جانے کے بارے میں دریافت کر رہا تھا۔
''بات میری مرضی کی نہیں ہے یہ تو رسم ہے۔'' وہ آہستگی سے وضاحت کرتی ہوئی بولی۔
''بھاڑ میں گئی رسم، میں نہیں مانتا، آپ کہیں نہیں جا رہیں۔'' اس نے بلند آواز میں کہا اسی دوران اس کا موبائل بج اٹھا، اس نے اسکرین دیکھا تو اس کے ماتھے پہ ایک گہری شکن آ گئی۔
''یس، مصعب شاہ ازہیر۔'' وہ بالکل بدلے ہوئے لہجے میں بات کرتا باہر نکل گیا، ستارا

اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی، پھر اس کے اندر تھکن اترنے لگی تھی، کیا یہ کسی قسم کی ذہنی تسکین تھی؟ وہ شخص اسے ڈکٹیر لگا تھا، کیا وہ مستقبل میں بھی اسی قسم کا رویہ روا رکھنا چاہتا تھا، ستارا کے ہاتھوں سے پسینہ پھوٹ پڑا، سوالیہ نشان کا سامنا زندگی کے اور کتنے مقامات پر اسے کرنا تھا؟ دوسری طرف مصعب نے جیسے ہی کال بند کی، پاپا سے سامنا ہو گیا۔
''مصعب! کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان دکھائی دیتے ہو؟''
''کچھ نہیں پاپا، بس رات کے فنکشن کے متعلق کچھ ڈسکشن کرنا تھی۔'' اس نے نہایت آرام سے ان کا ذہن بدلا، وہ سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور رات ولیمہ کی تقریب میں جب مصعب نے ستارا کو دیکھا تو چند پل نظریں نہیں ہٹا سکا، وہ ایک سلکی ریڈ ایوننگ گاؤن میں تھی اور اس کے دراز بال گردن سے بہت اوپر ایک جوڑے کی شکل میں بندھے تھے اور اس کی لمبی گردن بہت نمایاں تھی جس میں موجود ایک خوبصورت ہار اس کی دلکشی کو دوچند کر رہا تھا۔
حیدر نے اس کے یوں بے خود ہو جانے کو بہت شدت سے نوٹ کیا تھا اور پھر وہ بہت دیر مصعب کا ریکارڈ لگاتا رہا تھا، جس پر مصعب نے قطعی برا نہ مانا تھا۔
فنکشن کا آغاز ہو چکا تھا، ستارا کے خاندان کے قریباً سبھی افراد موجود تھے اور صحیح معنوں میں اس پر رشک کر رہے تھے، یہ سب وہی تھے جنہوں نے پہلے مہروز کمال سے اس کی طلاق کو اپنی بے رحم تنقید کا نشانہ بنایا تھا اور ہر طرح سے ستارا کو قصوروار سمجھا تھا، مگر اب یہی لوگ ستارا کی قسمت یوں بدلنے پہ حیران تھے، کھانے کے دوران مصعب کا رویہ بے حد والہانہ تھا وہ مستقل اس کی پلیٹ میں کچھ نہ کچھ رکھتا جاتا تھا، ستارا کے گھر والوں نے بھی اس کا یہ التفات نوٹ کیا تھا، خصوصاً اماں کے دل میں صحیح معنوں میں اطمینان اترا تھا۔
کھانے کے بعد فوٹو شوٹ تھا، جیسے ہی مصعب ادھر ادھر ہوا، ستارا نے فوراً اماں کے کان میں سرگوشی کی تھی۔
''اماں! مصعب نہیں چاہتے کہ میں رہنے کے لئے گھر جاؤں، آپ بابا کو سمجھا دیجئے گا وہ مصعب کے پاپا سے یا حیدر کی ممی سے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کریں۔'' ستارا نے دھیمے لہجے میں کہا تو اماں الجھ سی گئیں۔
''مگر کیوں تاری! یہ تو رسم ہے بچی۔''
''میں نے بھی یہی کہا تھا مگر ان کا کہنا ہے کہ میں نے ماننا، اماں بحث کا کیا فائدہ ہے؟ جب انہیں پسند نہیں ہے تو میں وہ کام ہی کیوں کروں؟'' ستارا نے مدھم لہجے میں بات ختم کر دی۔
اماں نے بھی فہم و فراست سے معاملے کی نازکی کو دیکھا اور خاموش رہنے میں ہی غنیمت جانی اور اٹھ گئیں، اسی وقت عینی اور عائشہ آپی وہاں آ گئیں، ستارا نے فی الفور اپنا موڈ ٹھیک کیا تھا، بہت خوشگوار میں تینوں بہنیں گپ شپ میں مصروف تھیں جب حیدر اور علشبہ نے وہاں ہلہ بولا تھا، باتوں کا انداز اور لہجے فوراً ہی بدل گئے، اب باتوں کا متن رسمی تھا، وہ سب بہت مگن سے تھے جب ایک دم سے ہی داخلی گیٹ سے شور سا اٹھا تھا، سب کی نظریں بے ساختہ اس سمت اٹھ گئیں۔
وہ بلند قامت شخص سیکورٹی گارڈز سے الجھ رہا تھا، ساتھ ساتھ وہ بلند آواز میں چیخ رہا تھا، ستارا کو دور ہونے کی وجہ سے اس کی آواز نہیں آ

رہی تھی جس کی وجہ سے وہ اس کی باتیں نہیں سن سکی مگر اس نے بلند آواز میں مصعب کا نام لیا تھا اور ساتھ ہی چیخ کر اسے بلانے کو کہا تھا۔

"یا اللہ! یہ کیا ہو رہا ہے؟" اماں دہل سی گئیں۔

"آپ پریشان مت ہوں آنٹی میں دیکھتا ہوں۔" حیدر کے چہرے پر تشویش تھی وہ آگے بڑھ گیا، ہجوم اب اکٹھا ہوتا جا رہا تھا اور پھر کہیں سے مصعب آگے بڑھا اور اس آدمی کے قریب چلا گیا، اب وہ دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑے تھے۔

"کیوں آئے ہو یہاں؟ میں نے تمہیں منع کیا تھا نا؟" مصعب کی بلند غصیلی آواز گونجی تھی، جواباً اس آدمی نے بھی کچھ کہا، مگر وہ مقامی زبان نہیں تھی، وہ کیا کہہ رہا تھا؟ ستارا کو پل بھر میں خون رگوں میں جمتا ہوا محسوس ہوا تھا، وہ ملائی زبان میں بول رہا تھا، جواباً مصعب نے بھی اس سے ملائی میں بات شروع کی تھی۔

"آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ میں آپ کا بھائی ہوں۔" وہ اجنبی شخص بے بسی سے چلایا تھا، ستارا کو دھچکا لگا تھا، مصعب کا بھائی؟

☆☆☆

دن کا آغاز ہی بڑا عجیب تھا، وہ صبح جاگی تو اس کی کمر میں انتہائی شدید درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کل رات ماربل کے فرش پر پھسل گئی تھی، وہ درد کو برداشت کرتے ہوئے اٹھ گئی، فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں، اس نے شفق کو دیکھا، وہ لحاف میں مزے سے سو رہی تھی، اس نے وضو کیا اور جائے نماز پر کھڑی ہو گئی، قیام میں اس محسوس ہوا کہ اس کی درد میں یکدم اضافہ ہو گیا تھا، رکوع کرتے ہوتے اس کے لبوں سے بے اختیار کراہ نکل گئی تھی، وہ چند لمحے تک خود پہ ضبط کرتی رہی پھر اس نے ہمت مجتمع کی تھی اور سجدے میں جاتے ہی اس کے لبوں سے ایک کراہتی ہوئی چیخ نکلی تھی اور پھر وہ تڑپ تڑپ کر رونے لگی، کردہ اور ناکردہ گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے اس کا پورا جسم لرز رہا تھا، بمشکل وہ اٹھی تو باہر بادل گرج رہے تھے، اس نے حیرت سے کھڑکی کھولی، نومبر کی سرد بارش کی چند بوندیں اس کے چہرے سے ٹکرائیں تو وہ کچھ دیر کے لئے رک سی گئی، ورنہ ارادہ کھڑکی بند کرنے کا تھا، اسے یاد آیا کبھی اسے بارش بہت پسند تھی، مگر یہ تو تب کی بات تھی جب وہ زندہ تھی اب تو کچھ بھی نہ رہا تھا، نہ زندگی نہ خواہش نہ خوشی، سب ختم ہو چکا تھا۔

لاکھ کوشش کی مگر نکل ہی گئے
گھر سے یوسف، جنت سے آدم
اور......!!!
تیرے دل سے ہم......!!!

کیا کوئی شخص اس سے زیادہ تباہ حال تھا؟
کیا کوئی ذی نفس اس سے زیادہ ذلیل تھا؟
کیا روئے زمین پہ کوئی اس سے زیادہ بدقسمت تھا؟
اور کیا کوئی اس سے زیادہ بے بس تھا؟
نہیں...... یقیناً نہیں

اس نے نم آنکھوں سمیت کھڑکی بند کر دی اور پلٹ کر بیڈ کی طرف آئی جب نظر شفق پہ پڑی تھی، وہ یکایک جیسے سن سی ہو گئی ایک اور بدبختی!!

اس کے اندر زہر دوڑنے لگا، کیا تھا اگر اسے ایک بیٹا مل جاتا؟ اس نے خود ترسی کی انتہا پہ جا کے سوچا تھا، مگر پھر کیا ہوتا؟ کیا اسید اسے معاف کر دیتا، کیا وہ اسے پیار کرنے لگ جاتا، کیا اس کے احساسات حبا کے متعلق بدل جاتے؟ اور

کیا وہ اپنا انتقام بھول جاتا؟

نہیں...... یقیناً نہیں۔

ایسا کچھ ممکن ہی نہ تھا اور وہ پتا نہیں کیا خوش فہمی سنبھالے بیٹھی تھی، ماما اور پاپا کل سے کراچی کسی شادی میں شرکت کے لئے گئے تھے، ماما کے بے حد اصرار پر بھی اس نے ساتھ جانے کی حامی نہ بھری تھی، پاپا اسے یوں اکیلا چھوڑ کے جانے کے حق میں نہ تھے مگر وہ مانی ہی نہ تو انہیں ہار ماننا پڑی تھی۔

اور اب وہ اکیلی شفق کے ساتھ گھر تھی اور اوپر سے یہ بارش، وہ شاید پھر سے لیٹ جاتی مگر اسی اثناء میں انٹرکام بج اٹھا، اس نے اٹھایا تو گیٹ سے چوکیدار تھا۔

"بی بی صاحبہ! صاحب آئے ہیں۔" چوکیدار کی آواز بارش کے شور میں غیر واضح سی تھی، وہ الجھ گئی، صاحب؟ کون سے صاحب؟

"دومنٹ میں گیٹ پہ آؤ میں، تمہیں لینے آیا ہوں۔" ریسیور سے اسید مصطفیٰ کی خشک اور تحکمانہ آواز ابھری تھی۔

حبا کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا، وہ چند لمحے سانس روکے بیٹھی رہی پھر بدقت اٹھی، مسلے ہوئے شلوار قمیض کے ساتھ وہ پہلے سے زیادہ عام لگ رہی تھی، اس نے گرم چادر مضبوطی سے لپیٹی سوئی ہوئی شفق کو اٹھایا اور باہر نکل آئی۔

لاؤنج سے کاریڈور اور پھر خارجی دروازہ، وہ جیسے بے جان قدموں سے گھسیٹ رہی تھی، اس نے ڈرائیور سے گزرتے ہوئے خود کو بارش میں بھیگتا پایا تھا، اس کی کمر درد اب بڑھ رہی تھی، وہ گیٹ تک پہنچی تو چوکیدار نے گیٹ کی ذیلی کھڑکی کھول دی تھی وہ باہر آئی تو چند لمحے اس کے پیروں نے ہلنے سے انکار کر دیا تھا۔

وہ کوئی عام آدمی نہیں تھا، وہاں کون تھا؟ وہ جس اسید مصطفیٰ کو جانتی تھی وہ تو ایک نجی ادارے میں قلیل تنخواہ پر انگلش لیکچرار تھا اور اکیڈمیز پڑھا کر خرچ چلا رہا تھا، سامنے کھڑا شخص اس کے لئے قطعی طور پر نیا تھا۔

گارڈز کے حصار میں، پورے پروٹوکول کے ساتھ، پولیس یونیفارم میں اس کے سامنے "ڈی ایس پی اسید مصطفیٰ" کھڑا تھا کسی نے اس کے جیپ کا بیک ڈور کھولا تھا، وہ میکانکی انداز میں اندر بیٹھ گئی، اس کی چادر دروازے میں پھنس گئی تھی، دروازہ ٹھک سے کھلا، دو ہاتھوں نے چادر کا کونہ کھینچ کر اندر کیا تھا اور پھر وہ اس کے برابر بیٹھ گیا، اس کی مسحور کن خوشبو، حبا نے یکلخت آنکھیں میچ کر سانس روک لیا، اس کی ٹانگوں میں لرزش تھی اور اس نے شفق کو یوں چادر میں چھپایا ہوا تھا، جیسے کوئی اپنے گناہ چھپاتا ہے، واپسی کا سفر شروع ہو گیا اور کیا تھا اسی واپسی میں؟ ذلت...... بے بسی...... اور دھتکار۔

اس کا سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ چادر کی اوٹ سے اس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا، گاڑی میں ایک جامد سناٹا تھا، حبا کا دماغ جیسے کام کرنا چھوڑ چکا تھا، آج کیسا دن تھا؟ یہ اگر معجزہ تھا تو کیسے ہوا، معجزات تو نبیوں کے لئے تھے، وہ تو ادنیٰ سی انسان تھی بلکہ سیاہ کار تھی تو اس کے لئے یہ کرامت کیسے ظہور پذیر ہو گئی تھی۔

اسید مصطفیٰ اسے واپس لینے آیا تھا، یا خدا! کوئی اسے یقین دلائے کہ یہ سچ تھا، خواب نہیں۔

ایک دم سپیڈ بریکر آیا، گاڑی ہلکے سے جھٹکے سے رکی اور شفق کسمسانے لگی، حبا ہڑبڑا کر حواسوں میں آئی اور اسے تھپکنے لگی، اسی وقت اسید کا فون بج اٹھا، رنگ ٹیون کی تیز آواز سے شفق جاگ گئی اور سہم کر رونے لگی، حبا نے بے حد خوفزدگی کے عالم میں اسے اندر بھینچا اور تیز تیز

تھپکنے لگی، اسید فون اٹینڈ کر رہا تھا، مگر بیک گراؤنڈ میں شفق کا رونا۔
"چپ کرواؤ اسے۔" ڈرائیور کی موجودگی کا لحاظ کرکے اس نے مدھم آواز میں کہا تھا مگر لہجے میں رچی ناگواری حبا کو ٹھٹھرا گئی تھی، اس نے جیسے تیسے کرکے اسے چپ کروایا تھا، باہر بارش تیز تھی، مگر گاڑی کے اندر ہیٹر آن ہونے کی وجہ سے حدت تھی، حبا بہت ڈر کر ایک طرف سمٹ کر اور آگے کو ہو کر بیٹھی تھی، پشت اس نے بیک کے ساتھ نہیں ٹکائی تھی جس کی وجہ سے اس کی کمر میں درد بڑھتا جا رہا تھا اور آنکھوں میں دھند بھی، مگر ابھی تو جانے کتنا سفر باقی تھا۔

☆☆☆

اور یہ منظر کراچی کے ایک گھر کا تھا، سنڈے ہونے کی وجہ سے ابھی تک بستر میں تھا، وہ کتنی بار اسے جگا چکی تھی مگر ندارد، تنگ آ کر دروازہ تڑاخ سے بند کرکے باہر آ گئی اور کچن میں جا کر ناشتہ بنانے لگی، وہ ناشتہ تیار کرکے ٹیبل پہ لگا رہی تھی جب ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی، اس نے ساری چیزیں ٹیبل پہ منتقل کیں اور فون ریسو کرکے صوفہ پہ بیٹھ گئی۔
"السلام علیکم!" اس نے کال پک کی تھی۔
"وعلیکم السلام سبین بیٹی کیسی ہو؟" نبیلہ بیگم کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی، اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آ گئی۔
"میں بالکل ٹھیک ہوں خالہ، آپ کیسی ہیں؟"
"میں بھی ٹھیک ہوں، عباس کیسا ہے؟"
"عباس ٹھیک ہیں، کئی بار جگا چکی ہوں، ابھی تک سو رہے ہیں۔" وہ شکایتی انداز میں بولی تھی، وہ ہنس پڑیں۔
"بس بیٹا، اب تو تم ہی ہو اور کسے نخرے دکھائے گا؟" وہ محبت بھرے انداز میں بولیں، تو وہ آگے سے اثبات میں سر ہلا کے "ہوں" کر گئی۔
"سبین! بچے ذرا عباس کو تو بلاؤ مجھے ضروری بات کرنا ہے۔" کچھ دیر کی ادھر ادھر کی باتوں کے بعد انہوں نے کہا تو وہ حامی بھر کے اٹھ گئی، کمرے میں آئی تو عباس فریش ہو چکا تھا۔
"گڈ مارننگ۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔
"السلام علیکم، صبح بخیر۔" وہ بھی مسکرائی، پھر ساتھ ہی بولی۔
"لاہور سے خالہ امی کا فون ہے، جلدی آئیں۔" وہ اطلاع دے کر واپس مڑ گئی، عباس بھی سر ہلاتے ہوئے اس کے پیچھے چل پڑا، فون اٹھا کر اس نے رسمی بات چیت شروع کر دی تھی سب کا حال احوال دریافت کیا البتہ شاہ بخت کے متعلق کچھ نہ پوچھا تھا، جب سے وہ کراچی آئے تھے شاہ بخت نے ایک مرتبہ بھی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کی تھی جس کی وجہ سے عباس بھی ضد پہ اتر آیا تھا، آج بھی اس نے ماں سے اس کے متعلق کچھ نہ پوچھا تھا۔
"عباس! مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنا تھی۔" کچھ دیر بعد انہوں نے کہا تھا ان کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ وہ الرٹ ہو گیا تھا۔
"ایسی کون سی بات ہے؟" وہ چونک کر بولا تھا، وہ دھیمے دھیمے اسے علینہ اور شاہ بخت کے متعلق بتانے لگیں، وہ چند لمحے ہل نہ سکا تھا۔
"علینہ اور شاہ بخت؟ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی جان؟" عباس کو چند لمحے سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ کیا کہے؟
"گھر میں بہت مسئلہ ہو رہا ہے عباس، تم علینہ کو سمجھاؤ کہ وہ ہاں کر دے اور ہو سکے تو اپنے باپ کو بھی سمجھاؤ، شاہ بخت میں ذاتی طور پر مجھے تو

کوئی برائی نظر نہیں آتی اور تمہارا کیا خیال ہے؟" وہ مختصراً بتا کر اس کی رائے مانگ رہی تھیں۔
"امی! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ علینہ اور شاہ بخت کا کوئی جوڑ ہی نہیں ہے، پہلے آپ مجھے سمجھائیں کہ یہ خیال آیا کس کے دماغ میں؟" وہ غصے سے بولا تھا۔
"کیا مطلب؟ تمہیں کس بات کی تپ چڑھ گئی ہے؟" وہ اس کا ردعمل دیکھ کر حیران رہ گئیں۔
"امی! معذرت کے ساتھ، آپ کو شاہ بخت کا دماغ کا اچھی طرح اندازہ ہے کم از کم وہ کوئی نارمل انسان نہیں ہے مجھے بہت اچھے سے پتا ہے اس کا، سائیکو کیس ہے وہ اور آپ لوگوں کا دماغ کام نہیں کرتا کیا؟" وہ جھلا کر بولتا جا رہا تھا۔
"عباس! یہ تم کہہ رہے ہو؟ تم تو اس کے سب سے اچھے دوست ہو؟"
"دوست ہونے کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں اپنی بہن کو بھاڑ میں جھونک دوں؟" عباس نے تلخی سے کہا۔
نبیلہ خاتون چند لمحے کو ساکت ہی رہ گئیں، کم از کم وہ عباس سے یہ توقع ہرگز نہیں کرتی تھیں۔
"مجھے تو اس میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔" وہ تحمل سے بولیں۔
"اور مجھے اس میں کوئی اچھائی نظر نہیں آتی۔" وہ ترکی بہ ترکی بولا۔
"کیا مطلب ہے تمہارا؟"
"مطلب یہ کہ جو آپ چاہ رہے ہیں وہ قطعی اور ہرگز ممکن نہیں ہے، وہ دونوں کسی طور ایک دوسرے کے لئے مناسب نہیں ہیں، عمروں کا تضاد دیکھیں، علینہ ابھی بہت چھوٹی ہے۔" اس نے پہلی وجہ یوں بتائی جیسے ترپ کا پہلا پتہ پھینکا ہو۔
"تو کیا ہمیشہ ننھی بنا کر رکھو گے اسے؟ بیس سال کی ہو گئی ہے اور کب تک بچی بنی رہے گی؟" انہوں نے سختی سے اعتراض رد کر دیا تھا۔
"ان دونوں کے مزاجوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔" عباس نے دوسرا پتہ پھینکا۔
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے، لڑکی کو گھر بسانے کے لئے بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے اور بخت کے مزاج میں ایسی کوئی خرابی نہیں ہے۔" وہ بھی جیسے ضد میں آ گئیں تھیں۔
"ہاں نہیں ہے خرابی، اس کا غصہ دیکھا ہے آپ نے؟ کسی دن علینہ کو بھی غصے سے اٹھا کر باہر پھینکے گا۔" عباس نے تلخی سے کہا۔
"جانے دو عباس، ایسی بھی کوئی لوٹ نہیں مچی، ہم سب زندہ ہیں ابھی، مر نہیں گئے اور اسے ایسا غصہ ہر وقت نہیں آیا رہتا، کبھی کبھار ہی آتا ہے اور وہ تو کسی کو بھی آ سکتا ہے تمہیں بھی، تو پھر اس میں واویلا مچانے والی کیا بات ہے؟" اس بار وہ قدرے ناگواری سے بولیں تھیں۔
"جی آتا ہے مگر اس جیسا نہیں آتا اور ذرا یہ بھی سوچیں کہ کیا علینہ برداشت کر سکتی ہے؟" وہ کہہ رہا تھا۔
"ایسی بھی نازک پری نہیں ہے وہ، تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے بس۔" وہ غصیلے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔
"شاہ بخت سگریٹ پیتا ہے یہ بھول سکتے ہیں آپ؟" اس بار وہ بڑے چبھتے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔
"دنیا کے آدھے مرد پیتے ہیں۔" انہوں نے جیسے کان سے مکھی اڑائی۔
"ہاں ٹھیک ہے کل کو اگر وہ شراب پینے لگے گا نا تب کہیے گا کہ سارا یورپ پیتا ہے، کیا

فرق پڑتا ہے؟'' وہ جیسے پھنکار اٹھا تھا۔

''ہائے...... اللہ نہ کرے کس طرح کی باتیں کرتے ہو۔'' وہ تڑپ کر بولیں تھیں۔

''صحیح کہا ہے میں نے کوئی ثبوت نہیں ہے آپ کے پاس، کہ آپ کا لاڈلہ بھتیجا آپ کی بیٹی کو خوش رکھ پائے گا یا نہیں، آپ کو یقین ہے اس بات کا؟'' دونوں کے بیچ تلخی بڑھتی جارہی تھی۔

''تو تمہارے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ بخت کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی اسے خوش رکھ پائے گا؟ کیا گارنٹی ہے اس بات کی کہ وہ سگریٹ نہیں پیتا ہوگا، یا کسی اور غلط کام میں ملوث نہیں ہوگا، پتا ہے لوگ کیسے کیسے فراڈ کرتے ہیں شادی کے نام پر، سب کچھ چھپا لیتے ہیں اور بعد میں جب اصلیت کھلتی ہے تو لڑکی کے والدین بے بس ہو جاتے ہیں۔'' وہ چراغ پا ہو گئیں۔

''لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ آنکھوں دیکھی مکھی نگل لی جائے۔'' عباس کا طیش بڑھتا جا رہا تھا۔

''مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ تم شاہ بخت سے اس قدر نفرت کرتے ہو۔'' وہ بہت حیران سی مگر افسردہ ہو کر بولیں تو عباس جھنجھلا اٹھا۔

''امی بات نفرت یا محبت کی نہیں ہے آپ سمجھ نہیں رہیں۔''

''میں سب سمجھ رہی ہوں، تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے بس، بخت جیسے ہیرا لڑکے میں تمہیں خرابیاں نظر آ رہی ہیں۔'' وہ اس کی بات قطع کر کے برہمی سے بول اٹھیں۔

''یہ آپ کی غلط فہمی ہے جو آپ کو کوئلہ ہیرا نظر آ رہا ہے، اس لڑکے میں ایسی کوئی خوبی نہیں کہ وہ میری پری جیسی بہن ڈیزور کرے، مگر خیر، آخر آپ والدین ہیں جو آپ کو بہتر لگتا آپ کر لیں، مگر آپ کے اس یکطرفہ فیصلے میں، میں بالکل حصے دار نہیں ہوں اور نہ ہی میں اس شادی میں اگر ہوئی تو، شریک ہوں گا۔'' اس نے حتمی لہجے میں کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆☆☆

نبیلہ خاتون نے فون کو حیرانی سے دیکھا اور سوچ میں پڑ گئیں۔

''یہ عباس تھا؟''

''کیا بات ہوئی ہے عباس سے؟'' نیلم چچی نے جو ابھی آئیں تھیں، انہیں سوچ میں ڈوبے دیکھ کر پوچھا تھا۔

''وہ تو صاف ہاتھ اٹھا گیا ہے، کہتا ہے مجھے اس معاملے سے الگ رکھیں۔'' وہ بے حد رنجیدہ سی بتانے لگیں، چند لمحوں کے لئے نیلم بھی چپ رہ گئی تھیں۔

''آپ پریشان مت ہوں آپا، ہو جائے گا کچھ نہ کچھ سب اس معاملے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔'' ان کا لہجہ تھکا سا تھا۔

''بھلا ایسے ہوتے ہیں رشتے، سارے گھر کو سر پہ اٹھایا ہوا ہے۔'' وہ بخت سے شکوہ کناں تھیں، نبیلہ خاتون چپ رہی تھیں۔

''آپا! مجھے علینہ بہت پسند ہے مگر میں نہیں چاہتی کہ زبردستی اس کو مجبور کیا جائے، زبردستی کے ایک رشتے کا انجام یہ گھر بھگت چکا ہے۔'' نیلم چچی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، نبیلہ خاتون نے دلاسا دینے والے انداز میں ان کو تھپکا تھا۔

''کیسی زبردستی نیلم، وہ تو بچی ہے اسے کیا پتا تھا؟'' انہوں نے نا چاہتے ہوئے بھی علینہ کی حمایت کر دی۔

''مگر ایاز تو بچہ نہیں تھا نا آپا، مجبور تو وہ بھی ہو گیا تھا، میں نہیں چاہتی کہ علینہ یہ ایسا کوئی فیصلہ جبراً تھوپا جائے۔'' ان کا انداز فیصلہ کن تھا۔

اسی وقت سیڑھیوں سے شاہ بخت نیچے آتا

''آپ کوشش تو کریں، ہو سکتا ہے وہ حبا سے میری بات کروا دے۔'' وہ بڑی آس سے بولی تھیں۔

تیمور کے بھی دل میں جانے کیا آئی کہ انہوں نے فون نکال کے نمبر ملانا شروع کر دیا، مرینہ آس و نراس کی کیفیت میں گھری انہیں دیکھتی جارہی تھیں اور تب تیمور کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب فون اٹھا لیا گیا۔

''ہیلو...... ہیلو۔'' وہ بے تابی سے بولے۔

''حبا!'' دوسری طرف ایک کھردری آواز سنائی دی، تیمور کا ہر عضو کان بن گیا۔

''تمہارا فون ہے۔'' اسید نے غالباً حبا کو فون پکڑا دیا تھا۔

''ہیلو۔'' حبا نے قدرے حیرانی سے فون کان سے لگا کے کہا تھا۔

''حبا...... حبا...... کہاں ہو تم، کیوں گئی ہو، یوں بنا بتائے۔'' وہ بیٹی کی آواز سن کے بے قرار ہو گئے تھے، بس نہیں چل رہا تھا کہ ریسور میں نکل کر اس تک پہنچ جائیں۔

''اور سچ بتاؤ وہ زبردستی لے گیا ہے نا تمہیں، کون سی دھمکی لگائی تھی اس نے تمہیں؟'' وہ چلا رہے تھے۔

''میں اپنی مرضی سے آئی ہوں، آپ فکر مت کریں۔'' اس کی آواز میں محسوس کی جانے والی ٹھنڈک اور سرد مہری تھی۔

تیمور کو اپنا خون جمتا ہوا محسوس ہوا تھا، انہیں یقین ہو گیا تھا کہ ان کی بیٹی خود سانپ کے منہ میں چلی گئی ہے، اب وہ اسے نگلے یا اگلے کیا فرق پڑتا تھا، انہوں نے بے جان ہاتھوں سے فون بند کر دیا، مرینہ نے بے چینی سے ان کا کندھا چھوا۔

''تیمور کیا ہوا؟ آپ کی حبا سے بات ہوئی کیا کہتی ہے وہ، وہ کدھر ہے اور وہ کیوں گئی ہے اس کے ساتھ، اس نے بتایا آپ کو؟'' وہ سوال پہ سوال کر رہی تھیں۔

''وہ کہتی ہے میں اپنی مرضی سے آئی ہوں۔'' تیمور نے کسی بے جان روبوٹ کی طرح مرینہ کے کندھے کا سہارا لیا تھا، مرینہ کو محسوس ہوا ان کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔

''مرینہ! میری بیٹی، پھر سے اس کے پاس ہے۔'' ان کی آنکھوں سے بے بسی ٹپک پڑی تھی۔

☆☆☆

ولیمہ کی تقریب اختتام پذیر ہو چکی تھی، مگر وہ ابھی تک اسی لباس میں ملبوس تھی، اماں اور ابا کی فیملی اسے لئے بغیر ہی چلی گئی تھی اور یہ شاید اپنی طرز کی واحد تقریب تھی جس میں دلہن اپنے والدین کے ساتھ نہیں گئی تھی، اس بات کا اسے کوئی افسوس تھا یا نہیں مگر ابا کو تھا، وہ پہلے ہی بیٹی کی دوسری شادی کے حوالے سے مختلف تحفظات کا شکار تھے اور مستزاد داماد کا رویہ بلکہ، اس کا یوں ستارا کو آنے سے روکنا بھی ان کے لئے مسئلہ بن گیا تھا۔

ستارا باپ کے خدشوں سے بے خبر مصعب اور اس کے بھائی کے جکسا پزل کو حل کرنے کی کوشش میں نڈھال ہوئی جارہی تھی، آخر وہ سب کیا تھا، اس کا دماغ سوچ سوچ کر پھٹنے والا ہو چکا تھا۔

مصعب اندر آیا تو وہ چھوٹی انگلی کا ناخن دانتوں میں دبائے گہری سوچ میں گم تھی، اس کی آمد پہ چونک گئی، ساتھ ہی انگلی منہ سے نکال لی تھی، مصعب نے ایک نظر اسے دیکھا اور ساری تھکن اور کلفت بھول گیا، یہ لڑکی آخر اسے اتنی پیاری اور عزیز کیوں تھی؟ وہ شرٹ کے بٹن کھولتا

دکھائی دیا تھا۔
"کہاں جا رہے ہو بخت؟" انہوں نے بیٹے سے پوچھا۔
نبیلہ خاتون نے نظر بھر کر اسے دیکھا تھا تو ماشاء اللہ کہے بغیر نہ رہ سکیں، آف وائٹ لائننگ والی ڈریس شرٹ اور جینز میں وہ بہت جچ رہا تھا۔
"ایک کام سے؟" وہ مختصراً کہہ کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

سفر تمام ہو چکا تھا، وہ "ایس پی" ہاؤس کے سامنے رکے تو گیٹ چند لمحوں کے اندر وا کر دیا گیا، گاڑی کا دروازہ کھلا اور حبا باہر آ گئی، مسلسل کئی گھنٹوں کے سفر کے بعد کمر درد مزید بڑھ گیا تھا، وہ کھڑی ہوئی تو لڑکھڑا سی گئی اس سے پہلے کے بے توازن ہو کر گر جاتی، اسید نے بازو پکڑ کر سہارا دیا تھا، وہ گرتے گرتے سنبھل گئی، مگر زمین پہ گرنا تو کوئی معنی نہ رکھتا تھا، جو وہ اس کی نظر سے گر چکی تھی اس کا کیا کرتی؟ بعض نقصان ناقابل تلافی ہوتے ہیں۔
وہ گھر کے اندر آ گئے تھے ایک روایتی ایس پی کی رہائش گاہ والے سارے لوازمات سمیٹے یہ گھر اپنی مثال آپ تھا۔
"تم گھر دیکھ لینا اور باقی ضروری امور یہ تمہیں ملازمہ گائیڈ کر دے گی۔" اسید نے لاؤنج میں کھڑے ہو کر اسے کہا تھا۔
اس سے پہلے حبا کوئی سوال اٹھاتی یا کچھ پوچھنے کا سوچتی، وہ الٹے قدموں مڑ چکا تھا، حبا نے ایک اجنبیت بھری نظر اردگرد ڈالی تھی، پھر تھک کر صوفہ پہ بیٹھ گئی، ایک ادھیڑ عمر ملازمہ ایک طرف سے نکل کر اسے کے پاس آ گئی۔
"بیگم صاحبہ! آپ تھوڑی دیر آرام کر لیں۔" اس نے کہا، حبا نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
"لایئے بے بی کو مجھے پکڑا دیں۔" اس نے ہاتھ آگے کر دیئے، حبا نے شفق کو اسے پکڑا دیا اور ایک کمرے کی طرف بڑھ گئی، حبا بھی اس کے ساتھ تھی، ایک کمرے میں پہنچ کر اس نے بستر وغیرہ دوبارہ سیٹ کر دیا اور پھر حبا کے لئے دودھ کا گلاس لے آئی، حبا نے خاموشی سے دودھ ختم کیا اور لیٹ گئی، ملازمہ جاتے ہوئے کمرے کی لائٹ بجھا گئی تھی، وہ نیم تاریکی میں سوچتی رہی، یقیناً ملازمہ کو پہلے ہی ٹرینڈ کر دیا گیا تھا، کیونکہ یہ کمرہ قطعاً بھی اسید کا دکھائی نہیں دیتا تھا، وہ خود کو یہاں لائے جانے کے متعلق سوچتی ہوئی نیند میں چلی گئی دوسری طرف تیمور احمد کے گھر جیسے کہرام مچ گیا تھا۔
"یہ کیسے ممکن ہے، کیسے لے گیا وہ اسے، اور کیوں؟" ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ چوکیدار کی بوٹیاں کر دیتے۔
"کیسے جانے دیا تم نے اسے؟ مجھ سے تو پوچھتے، میں مر گیا تھا کیا؟" ان کی دھاڑ سے لاؤنج کی دیواریں لرز اٹھیں تھیں۔
"انہوں نے ہمیں موقع ہی نہیں دیا کسی بات کا، دو منٹ میں بی بی آئیں اور ان کے ساتھ بیٹھ کر چلی گئیں۔" چوکیدار گھبرا کے جلدی جلدی بولا تھا۔
مرینہ تو یوں بیٹھی تھیں جیسے بے جان مجسمہ، تیمور نے وحشت کے عالم میں انہیں دیکھا تو وہ اور بھی زمین میں گڑ گئیں۔
"تیمور! آپ کے پاس اسید کا نمبر ہے ناں، آپ اسے فون کریں۔" وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی تھیں۔

"وہ میرا فون نہیں اٹھاتا مرینہ، آپ کو اچھی طرح پتا ہے۔" وہ غصے سے بولے تھے۔

☆☆☆

وارڈ روب کے آگے رک گیا، کچھ الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ اس نے دو تین شرٹس سائیڈ پہ کیں اور پھر اسی بے خیالی میں نائٹ سوٹ نکال لیا۔
وہ لباس تبدیل کر کے لوٹا تو ستارا کے پوز میں تبدیلی آ چکی تھی، وہ اپنا گلے میں پہنا زیور اتارنے کی کوشش کر رہی تھی، وہ اس کے پاس آ گیا۔
"کیا ہوا؟" اس نے عجیب سی بے پروائی سے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔" وہ بدستور نیکلس سے الجھ رہی تھی اور ایسی ہی ایک اضطراری کوشش میں زنجیر ٹوٹ گئی، ستارا کا دل دھک سے رہ گیا۔
"اوہ خدا! کیا سوچتا ہوگا یہ شخص؟ کس قدر لاپرواہ اور بدتہذیب لڑکی ہوں میں، اتنی بے دردی سے نوچ ڈالا ہے یہ قیمتی ہار اف۔" اس کو گھبراہٹ ہونے لگی، اس نے چوری سے اسے دیکھا اور شرمندہ سی ہو گئی وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
"وہ...... میں نے جان بوجھ کر نہیں......" وہ ہکلا سی گئی۔
مصعب نے ہاتھ بڑھا کر نیکلس تھام لیا، وہ ٹوٹ چکا تھا اسے یاد آیا کہ اس ہار کو پسند کرنے میں اس نے دو گھنٹے لئے تھے اور کسی کی لاپرواہی نے دو سیکنڈ میں اسے توڑ دیا تھا۔
"کوئی بات نہیں ستارا! چیزیں اور دل ٹوٹنے کے لئے ہی ہوتے ہیں۔" مصعب کے انداز میں کچھ تو ایسا تھا کہ ستارا کچھ دیر بول نہ سکی، اس نے ہار ایک طرف ڈال دیا۔
"دو گھنٹوں بعد مجھے کراچی کے لئے نکلنا ہے، کچھ ریسٹ کر لوں۔" وہ اس کے پاس سے اٹھ گیا، ستارا خاموشی سے اس کی پشت دیکھتی رہی۔
"آپ سے ایک بات پوچھوں؟" ستارا نے کہا، مصعب نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔
"کون سی بات؟"
"وہ آپ کا بھائی تھا نا؟" ستارا کے لہجے میں یقین تھا، مصعب کے چہرے پہ کوئی تغیر آیا نہ تاثرات میں تبدیلی، وہ اسی طرح چند لمحے ستارا کو دیکھتا رہا۔
"ہم اس موضوع پر پھر کبھی بات کریں گے۔" وہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

"علینہ! تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ آخر تمہیں اعتراض کس بات پر ہے؟" وقار جو مسلسل دو گھنٹے اس کے ساتھ بحث کر رہے تھے آخر تھک کر بولے تھے، وہ لڑکی تو کسی طور ماننے کو تیار نہیں تھی، ان کی ہر دلیل، ہر وضاحت ناکام بنانے پہ تلی ہوئی تھی۔
"مجھے اعتراض اس کے شاہ بخت ہونے پہ ہے۔" وہ تیزی سے بولی، وقار کو یقین نہیں آیا کہ یہ علینہ تھی، جس کی سمجھداری اور فرمانبرداری کی گھر میں مثال دی جاتی تھی۔
"مگر کیوں؟" وقار کے اندر بڑے زور کا احتجاج اٹھا تھا۔
"مجھے اس کی باتیں پسند نہیں، مجھے اس کی حرکتیں پسند نہیں، مجھے اس کی شکل ہی پسند نہیں کیا اتنی ساری وجوہات کافی نہیں ہیں۔" وہ زہر زہر ہو کر بولی تھی۔
"کیا مطلب، تم پاگل ہو گیا، کیا کمی ہے اس میں؟" وہ اب کی بار غصے میں آ گئے تھے۔
"کمی اس میں نہیں، مجھ میں ہے، میں ہی اس کے قابل نہیں ہوں۔" وہ سرد مہری سے بولی

تھی۔

''تو پھر یہ تو اس کی اعلیٰ ظرفی ہے نا کہ وہ تمہیں اپنا رہا ہے۔'' وہ دو بدو بولے تھے۔

''مجھے نہیں چاہیے اس کا احسان۔'' وہ چلا پڑی تھی، اتنی ذلت، اس کا جی چاہا زور زور سے رونا شروع کر دے۔

''زیادہ گلا پھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے، تمیز سے بات کرو۔'' وقار بھی بلند آواز میں بولے تھے اور اب کی بار ان کی آواز سے ہر قسم کی نرمی اور لچک خارج ہو چکی تھی۔

''آپ میرے باپ مت بنیں۔'' وہ بھی اسی ٹون میں بولی تھی۔

''شٹ اپ۔'' وقار کی آنکھوں میں لہو اتر آیا تھا، وہ دھاڑ کر بولے تھے۔

''کیوں...... کیوں کروں میں بند اپنا منہ، آپ شاہ بخت کے گارجین ضرور بنیں مگر مجھ ایکسپلائٹ کرنے کی ضرورت نہیں۔'' علینہ کا دل چاہ رہا تھا وہاں سے بھاگ جائے مگر، وقار کو جواب دیے بغیر بھی نہیں، اس کا دل چاہا وہ وقار کو ایسا منہ توڑ جواب دے کہ وہ اپنی ساری دلیلیں بھول جائیں۔

''تم حد سے زیادہ بدتمیز لڑکی ہو، میں تمہیں عزت سے سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں مگر بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی، اب تمہارے گارجین سے ہی بات ہوگی۔'' وہ وارننگ دے کر اٹھے اور چلے گئے۔

علینہ خالی الذہنی کے عالم میں وہیں بیٹھی رہی کسی بے بس پنچھی کی طرح جو اپنے اردگرد جال کو مضبوط ہوتا محسوس کرتا ہے اور بے بس سے پنکھ پھڑ پھڑاتا ہے مگر کچھ کر نہیں پاتا۔

رات کو بڑے تایا ابو کے کمرے میں سب لوگ جمع ہوئے تو نامعلوم کیوں مگر علینہ کا دل رک رک دھڑکنے لگا تھا، تو کیا وقار اپنا کہا پورا کرنے جا رہے تھے؟

اور علینہ کو بہت اچھی طرح سے یاد تھا کہ جب بھی وقار کوئی کام اپنے ذمے لیتے تھے تو اسے پورا کیے بغیر چین سے نہیں بیٹھتے تھے، وہ خوفزدہ تھی کہ اس بار تو کام بھی شاہ بخت کا تھا اور وقار کو جیسے علینہ سے ضد سی ہو چلی تھی وہ ہر صورت اسے ہرانا چاہتے تھے اور جھکانا چاہتے تھے، مگر ایک یقین اسے نرم ہاتھوں سے دلاسا دیتا تھا کہ اس کے بابا اس کے ساتھ تھے اور وہ بھی اس کے ساتھ غلط نہیں ہونے دیں گے، جبھی وہ پر یقین تھی کہ وقار اپنی ساری دلیلیں بھی آزما لیں تو بھی اس کو مجبور نہ کر سکیں گے۔

اور اس کا یقین جیت گیا تھا، رمشہ بہت عجیب موڈ لئے اس کے پاس آئی تھی۔

''چاچو نے انکار کر دیا ہے، حیرت ہے۔'' وہ علینہ کو بتا رہی تھی یا جتا رہی تھی، علینہ کو اندازہ نہ ہو سکا تھا۔

''وہ کہتے ہیں میری بیٹی راضی نہیں ہے، کیوں علینہ، تم کیوں راضی نہیں ہو۔'' وہ طنزیہ ابرو اٹھا کر استفسار کر رہی تھی، علینہ کے اندر ناگواری کا تیز احساس پھیل گیا۔

''یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے، سو آپ کو مداخلت کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔'' وہ بے اعتنائی سے کہتی اٹھی اور وہاں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''شائد اس کی یہی بے نیازی اور غرور شاہ بخت کو اچھا لگتا ہے۔'' رمشہ نے پہلی مرتبہ سوچا تھا۔

☆☆☆

اس نے گلاس میں موجود آخری گھونٹ بھرا اور پھر اسے دیوار پہ دے مارا، وہ آج ہی مصب شاہ سے ملا تھا، جو کسی قیمت پہ اس کی بات ماننے کو تیار نہیں تھا، یہ جانے بغیر کہ وہ کتنے بڑے نقصان میں تھا، اگر وہ اس بار نہیں مانے گا تو......؟ اس کی آنکھوں میں لہو اتر رہا تھا۔

''پانچ سال پہلے کی تاریخ اب دوبارہ نہیں دہرائی جائے گی مصب شاہ۔'' وہ دھند بھری رات میں گم ہونے کو تھا، دھیرے دھیرے اٹھتے قدم اسے اندھیرے میں گم کرتے جا رہے تھے۔

''اس بار میں ہار نہیں مانوں گا، اس بار میں اپنی جگہ نہیں چھوڑوں گا، اس بار لوگوں کے دل اور نظروں سے میں نہیں گروں گا، اس بار شکست کا ذائقہ کسی اور کو چکھنا پڑے گا اس بار تاریخ کو اپنا انجام بدلنا پڑے گا، اگر محبت مجھے راس نہیں آئی تھی تو محبت اس کے دل کو آباد نہیں کر پائے گی، اگر میں نامراد ہوں تو وہ بھی شادماں نہیں رہ پائے گا۔'' اس بڑبڑاہٹ میں نفرت کی کڑواہٹ تھی اور یہ نفرت بتاتی تھی کہ وہ دل سے محبت کی خوشبو نکال کر نفرت کی پرخار فصل بو چکا تھا اور نس نس میں بہتا انتقام نجانے اس کو کس اندھی کھائی میں گرانے والا تھا۔

گنو نہ زخم نہ دل سے اذیتیں پوچھو
جو ہو سکے تو حریفوں کی نیتیں پوچھو
ہوا کی سمت نہ دیکھو اسے تو آنا ہے
چراغ آخر شب سے وصیتیں پوچھو
اجڑ چکے ہو تو اب خود سوچنا کیسا
کہا تھا کس نے کہ اس تعشقیں پوچھو

اس کے سراپا اندھیرے میں گم ہوتا ہوتا بتدریج اندھیرے کا حصہ بن گیا۔

(باقی آئندہ)

عزا خالد

ٹی وی پر راحت فتح علی خان کا گانا چل رہا تھا حورعین لہک لہک کر راحت فتح علی خان کی آواز سے آواز ملا کر گا رہی تھی، ساتھ بیٹھی نور نے اسے کہنی مار کر امی کی طرف متوجہ کیا، جو اسے گھورنے کے بعد چارپائی کے پاس رکھے جوتوں کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں، مطلب صاف تھا انہیں اس کا یوں بھائی کے سامنے بیٹھ کر گانا گانا بہت برا لگ رہا تھا وہ تین چار بار اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں چپ ہونے کی تنبیہ کر چکی تھیں پر حورعین ان کی گھوری کو نظر انداز کرتے ہوئے بڑے سر میں گا رہی تھی۔

غازی اخبار ہاتھ میں لئے بڑے انہماک سے اخبار پڑھ رہا تھا بیچ میں ایک آدھ نظر ٹی وی پر بھی ڈال لیتا۔

آخر کار ثمینہ بیگم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا، انہوں نے ذرا سا جھک کر جوتی اٹھائی اور لہک

ناولٹ

لہک کر گاتی حورعین کو دے ماری اس افتاد پر حورعین کے منہ سے بڑی دلدوز چیخ برآمد ہوئی وہ اس ڈورن اٹیک کے لئے بالکل تیار نہ تھی، غازی نے اخبار سے نظر ہٹا کر امی اور حورعین کو دیکھا اور اس اچانک ہونے والے ڈرون اٹیک کی وجہ جاننی چاہی، ایسے ڈرون اٹیک اکثر گھر میں ہوتے رہتے تھے اور ان کا نشانہ اکثر حورعین ہی ہوتی تھی۔

”کمبخت کو فلموں میں بھرتی کروا دو۔“

”یہ فوج میں بھرتی ہونے کا تو سنا تھا فلموں میں بھی بھرتی ہوتے ہیں یہ آج سن رہی ہوں۔“ بازو سہلاتی حورعین نے حیرت کا اظہار کیا۔

”تمہارے باپ دادا مراثی تھے کیا، اتنی بڑی ہو گئی ہو ذرا عقل نہیں ہے بڑے بھائی کے سامنے کیا اول فول گا رہی ہو، جانے کب سمجھ آئے گی اسے، کب بڑی ہو گی؟“ ثمینہ بیگم نے

فکر مندی سے اسے دیکھا۔
"ایک تو مجھے امی کی سمجھ نہیں آتی۔" حورعین نے نور اور غازی کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"کبھی کہتی ہیں اتنی بڑی ہو گئی ہو اور کبھی کہتی ہیں جانے کب بڑی ہو گی، یہ دو متضاد باتیں ہیں ایک جملے کے اندر۔" حورعین نے غازی اور نور کی توجہ امی کے جملے کی طرف مبذول کروائی۔
"میں بیس سال پانچ فٹ تین انچ کی باشعور، با اخلاق، باکردار اور باذوق لڑکی ہوں کوئی پوچھے میرے بڑے ہونے میں کیا کسر رہ گئی ہے؟"
ثمینہ بیگم نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور وہ حسب عادت ان کی گھوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے غازی کے پاس رکھے ہوئے اخبار سے۔
اپنا پسندیدہ صفحہ اٹھاتے ہوئے با آواز بلند ضرورت رشتہ کے اشتہار پڑھنے لگی۔
"لڑکا عمر چالیس سال۔" حورعین پڑھتے پڑھتے ٹھٹکی۔
"چالیس سال کا بھی لڑکا ہوتا ہے؟" اس نے حیرت کا اظہار کیا اور پھر سے اشتہار پڑھنے لگی۔
"پہلی بیوی مر چکی ہے ایک ایسی لڑکی کی تلاش ہے جو کاروبار میں سپورٹ کر سکے لڑکی خوبصورت اور پڑھی لکھی ہونی چاہیے اور عمر بائیس سے زیادہ نہ ہو۔"
"کیا زمانہ آ گیا ہے لڑکی بھی دو، کاروبار میں بھی سپورٹ کرو اور رنڈوا الگ۔" ثمینہ بیگم نے افسوس سے کہا۔
ثمینہ بیگم کے ماتھے پر فکر مندی سے ایک لکیر نمودار ہوئی تھی نور عین کا رشتہ انہوں نے اپنے بھانجے سے کیا ہوا تھا آج کل انہیں حورعین کی فکر ستاتی رہتی تھی۔
انہوں نے غیر سنجیدہ سی حورعین کو دیکھا جو رشتے کے اشتہار پڑھ پڑھ کر ہنس رہی تھی۔

☆☆☆

"سورج سر پر آ گیا ہے فجر کا وقت نکلتا جا رہا ہے۔" ثمینہ بیگم نے جھنجھوڑ کر اسے اٹھانا چاہا۔
حورعین نے آنکھیں کھول کر ایک نظر وال کلاک کو دیکھا جس میں پانچ بج رہے تھے۔
"پانچ بجے کون سا سورج نکلتا ہے امی، تھوڑی دیر اور سونے دیں پلیز۔" حورعین نے دوبارہ آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔
"ایک نور ہے ادھر اذان ہوئی ادھر جائے نماز پر اور ایک تم ہو کبھی جو فجر وقت پڑھی ہو، پتہ نہیں کیا بنے گا اس لڑکی کا۔" امی شروع ہو چکی تھیں حورعین کو اندازہ تھا جب تک وہ نہیں اٹھے گی وہ چپ نہیں ہوں گی۔
"ارے لوگو تمہارا کیا، میں جانوں میرا خدا جانے۔" حورعین کا دل چاہا یہ کہہ کر سو جائے پر وہ صبح صبح امی کے غصے کو آواز نہیں دینا چاہتی تھی اس لئے اٹھ کر نماز پڑھی، دعا مانگتے ہوئے وہ نیند سے جھوم رہی تھی، اس نے جلدی سے دعا ختم کی اور پھر سے بستر پر ڈھے گئی۔
"کتنی بار کہا ہے فجر کے بعد نہ سویا کرو، یہ نہیں کہ ابھی سے اسکول کی تیاری شروع کر دے، پھر بھاگم بھاگ تیاری کرتی ہے یہ لڑکی پتہ نہیں کب سدھرے گی؟" ان کے کہنے کے باوجود وہ سو گئی، پھر ساڑھے آٹھ بجے وہ پورے گھر میں بھاگتی پھر رہی تھی وین والا ہارن پر ہارن دے رہا تھا۔
"جلدی چلی جاؤ، کل غازی کہہ رہا تھا وین والے نے تمہیں لانے اور لے جانے کی ذمہ

داری سے معذرت کر لی ہے کہہ رہا تھا تمہاری وجہ سے اوروں کو بھی دیر ہو جاتی ہے۔" حورعین نے جلدی سے اسکارف درست کیا بیگ کندھے پر لٹکایا اور گولی کی سی تیزی سے بھاگتے ہوئے گیٹ پار کر کے وین میں بیٹھ گئی، وین میں بیٹھے بچے اس کے انداز پر مسکرائے تھے وہ اس علاقے کے سب سے اچھے اور مہنگے اسکول کی ٹیچر تھی اسکول میں داخل ہوتے ہی اسے خبر ملی کہ پرنسپل نوریہ حیدر عمرے کے لئے جا رہی ہیں اور ان کی غیر موجودگی میں ان کا بیٹا پرنسپل کے فرائض سر انجام دے گا۔
"مجھے یقین ہے میری غیر موجودگی میں بھی آپ لوگ اتنی ہی محنت اور ذمہ داری سے کام کریں گی جتنا میری موجودگی میں کرتی تھیں۔" میڈم نوریہ حیدر نے تمام ٹیچرز کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"ہم پوری کوشش کریں گے آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" وائس پرنسپل نے اعتماد سے کہا۔
"عباد کو آج میرے ساتھ ہی آنا تھا پر اسے اچانک ضروری کام پڑ گیا وہ انشا اللہ کل سے اسکول جوائن کر لے گا، اب آپ لوگ اپنی اپنی کلاسز میں جا سکتی ہیں۔" پرنسپل نوریہ حیدر نے میٹنگ ختم کی تمام ٹیچرز اپنی کلاسز کی طرف چل پڑے۔

☆☆☆

"اُف اتنی دیر ہو گئی۔" حورعین نے جلدی جلدی تیار ہوتے ہوئے ایک نظر وال کلاک پر ڈالی۔
"آج تو نیا پرنسپل آئے گا، فرسٹ امپریشن از لاسٹ امپریشن۔" وین والا دو تین ہارن دینے کے بعد جا چکا تھا حورعین غازی کے ساتھ اسکول

پہنچی، موٹر سائیکل سے اترتے ہی وہ گولی کی سی تیزی سے اسکول میں داخل ہوئی وہ اسٹاف روم کی طرف بڑھ ہی رہی تھی جب اسٹاف روم سے نکلتے عباد سے بری طرح ٹکرائی۔

"نظر نہیں آتا کیا اگر ان دو آنکھوں کو استعمال میں نہیں لانا تو کسی کو ڈونیٹ کر دیں کسی کا بھلا ہی ہو جائے گا۔" عباد نے حیرت سے اس کی ڈھٹائی دیکھی جو خود اتنی تیزی سے آ رہی تھی جیسے میراتھن میں حصہ لیا ہو اور الزام بھی اس پر لگا رہی تھی۔

"میں بھی آپ کو یہی کہوں گا ان بڑی بڑی آنکھوں کو ڈونیٹ کر دیجئے جب استعمال نہیں کرتی آپ۔" عباد نے اس کی بڑی بڑی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟ آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ سارا قصور میرا ہے؟"

"میں کہنا چاہ نہیں رہا، کہہ رہا ہوں۔" اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"دیکھیے آپ میرا دماغ خراب مت کریں مجھے پہلے ہی دیر ہو گئی ہے ایسا نہ ہو کہ میں اس منحوس وین والے کا غصہ بھی آپ پر اتار دوں۔" حور عین نے شہادت کی انگلی اٹھا کر اسے خبر دار کیا۔

"بائے دا وے آپ ہیں کون؟ اور یہاں کیا کر رہی ہیں؟" عباد نے اشتیاق سے پوچھا۔

"یہ سوال تو مجھے آپ سے پوچھنا چاہیے۔" حور عین نے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"پہلے میں نے پوچھا ہے اس لئے اصولاً پہلے آپ کو جواب دینا چاہیے۔" عباد نے اسے اصول سمجھائے۔

"میں حور عین ہوں اس اسکول کی سب سے قابل ٹیچر، آپ کی تعریف؟"

"میں نور یہ حیدر کا بیٹا عباد حیدر ہوں، اس اسکول کا پرنسپل۔" حور عین کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا، اس کے کانوں میں وہ الفاظ گھومے جو کچھ دیر پہلے اس نے اس شخص کی شان میں کہے تھے۔

"جب آپ اس سکتے سے باہر آ جائیں تو میرے آفس میں آ جایئے گا۔" وہ حکم دیتا پرنسپل آفس کی طرف چل دیا۔

حور عین کچھ دیر حیرت سے اس کی پشت دیکھے گئی اور پھر مرے مرے قدموں سے اس کے پیچھے چل دی۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی آپ جیسی غیر ذمے دار ٹیچر کو ماما نے اپنے اسکول میں کیسے رکھ لیا۔" ایک نظر اس کو دیکھ کر پھر بولا۔

"مجھے اسٹاف سے معلوم ہوا ہے آپ اکثر لیٹ آتی ہیں۔"

"کس چڑیل نے یہ آگ لگائی ہے۔" حور عین بڑبڑائی۔

"اگر آپ آئندہ ٹائم پر نہیں آئی تو مجبوراً مجھے اسٹیپ لینا پڑے گا۔" عباد نے شہادت کی انگلی اٹھا کر خبر دار کیا۔

"آئی ہوپ آپ کو میری بات سمجھ آ گئی ہے۔" عباد نے سر جھکائے کھڑی حور عین کو دیکھا وہ اب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔

"مس حور العین میں آپ سے......"

"ایکسکیوزمی۔" حور عین نے فوراً عباد کی بات کاٹی اور تصحیح کی۔

"میرا نام حور عین ہے، حور العین نہیں۔"

"دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔"

"دیکھیے عبادت صاحب میں اپنے نام......"

"ایکسکیوزمی عبادت نہیں عباد۔" عباد نے فوراً تصحیح کی۔

"دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔" حور عین نے مسکراتے ہوئے اسی کے انداز میں جواب دیا، عباد متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

☆☆☆

"چھوٹے سائیں کے شہری دوست آئے ہیں، سکینہ تو یہ چاول صاف کر اور مہرو تو جا کر صومیہ کو بلا لا، اسے انگریزی کھانے پکانے آتے ہوں گے، وہ شہری لوگ ہے انگریزی کھانے کھانے والے۔" آسیہ کے حکم پر مہرو، صومیہ کی کمرے کی طرف چل دی، اس بڑی سی حویلی میں ملازماؤں کی فوج تھی جو حویلی کی صفائی اور اپنی مالکوں کی خدمت پر مامور رہتی تھیں، ملازمہ نے ڈرتے ڈرتے صومیہ کے کمرے کا دروازہ بجایا۔

"کیا ہے؟" صومیہ نے دروازہ کھولتے ہوئے بے زاری سے پوچھا۔

"وہ...... بی بی...... جی...... آپ کو آسیہ بی بی کچن میں بلا رہی ہیں۔" انیس بیس سالہ مہرو نے ڈرتے ڈرتے آسیہ کا حکم اس تک پہنچایا۔

"کیوں؟"

"وہ شاہ سائیں کے دوست آئے ہیں ان کے لئے کھانا......"

"میں اس کی نوکر نہیں ہوں اور نہ میرے پاس فالتو ٹائم......" صومیہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور کھٹاک سے دروازہ بند کر دیا، مہرو ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

"پتہ نہیں کیسی عورت ہے یہ؟ حویلی کے سارے مردوں میں ایک شاہ سائیں ہی ڈھنگ کے تھے اور ان کا نصیب دیکھو، کیسی بدتمیز اور بد زبان بیوی ملی ہے۔" مہرو نے افسوس بھرے انداز میں خود کلامی کی اور پھر جا کر آسیہ بی بی تک صومیہ کا جواب پہنچا دیا۔

"توبہ...... توبہ۔" آسیہ نے سنتے ہی کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"کیسی عورت ہے شوہر کو کیا کیا کہتی ہے جہنم میں جائیں گی وہ عورتیں جن کے شوہر ان سے خوش نہیں ہیں، ایک ہمیں دیکھو صبح سے شام تک شوہر کے پیر دھو دھو کر پیتے ہیں پھر بھی یہ خوف رہتا ہے کہ کہیں کوئی بات انہیں بری نہ لگ جائے اور گناہگار نہ ہو جائیں۔" آسیہ کی شادی اس حویلی کے سب سے بڑے بیٹے زمان سے ہوئی تھی جو غصے کا بہت تیز تھا۔

"پتہ نہیں اماں کو اس میں کیا نظر آیا تھا، بھائی کی بیٹی تھی تو اس کا یہ مطلب......" باقی کا جملہ آسیہ کے منہ میں ہی رہ گیا کیونکہ کچن کے دروازے میں کھڑے شاہ میر پر ان کی نظر پڑ گئی تھی، شاہ میر غصے سے لب بھینچے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

"شا...... شا...... شاہ...... میر۔" آسیہ نے اسے روکنا چاہا پر وہ رکا نہیں۔

"اب کیا ہو گا؟" مہرو کی آنکھوں میں خوف کے سائے لہرائے۔

"تو اماں سائیں کو بتا جا کے، وہ چاچا سائیں کے گھر ہیں، شاہ میر بہت غصے میں گیا ہے خدا خیر کرے۔" آسیہ کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے، مہرو فوراً ساتھ والی حویلی کی طرف چل پڑی۔

صومیہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی جھٹکے سے دروازہ کھلا غصے میں سرخ چہرہ لئے شاہ میر کمرے میں داخل ہوا، اسے دیکھتے ہی صومیہ نے ناگواری سے رخ پھیر لیا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی انکار کرنے کی؟" اس نے صومیہ کا بازو سختی سے پکڑتے ہوئے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

”میں تمہاری زرخرید غلام نہیں ہوں، میری مرضی۔“ صومیہ نے ڈھٹائی سے کہا۔

”تم ہو میری غلام۔“

”نہیں ہوں میں تمہاری غلام۔“ صومیہ نے چلاتے ہوئے کہا۔

”شٹ اپ آہستہ بولو، نہیں تو تمہاری زبان کاٹ دوں گا میں۔“

”تم جاہلوں کو آتا ہی کیا ہے عورتوں پر ظلم کرنے کے سوا۔“ صومیہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

شاہ میر کا دل چاہا اس کی ڈھٹائی پر اس کا حلیہ بگاڑ دے مگر وہ اپنی فطرت سے مجبور تھا، عورت پر ہاتھ اٹھانا اس کے مزاج کا حصہ نہیں تھا۔

”تم آخر چاہتی کیا ہو؟“ شاہ میر نے اس کے بازو پر گرفت ڈھیلی کرتے ہوئے پوچھا اس کے لہجے میں بے پناہ تھکن تھی۔

”مجھے آزاد کر دو۔“ صومیہ کی اس بیوقوفانہ فرمائش پر شاہ میر کے ماتھے پر پھر سے بل پڑ گئے تھے۔

”تمہارا دماغ ٹھیک ہے، کیا اول فول بکتی رہتی ہو تم۔“

”تم نے مجھ سے میری جائیداد کی وجہ سے شادی کی تھی نا؟ تم سب کچھ لے لو، پر مجھے اس قید خانے سے رہائی دے دو، ان بڑی بڑی دیواروں میں میرا دم گھٹتا ہے۔“

”تم اپنے دماغ سے یہ خناس نکال دو کہ مجھے تمہاری جائیداد میں انٹرسٹ ہے میں کوئی ٹٹ پونجیا نہیں ہوں جتنی ہماری زمینیں ہیں اتنی تو تمہاری سات نسلوں نے نہیں دیکھی ہوں گی۔“ شاہ میر کو اپنے خاندانی جاگیردار ہونے پر بڑا ناز تھا۔

”پھر مجھے کیوں اس قید خانے میں رکھا ہوا ہے جب میں یہاں رہنا نہیں چاہتی۔“

”رہنا تو تمہیں یہیں ہے تمہارے چاہنے نہ چاہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ شاہ میر نے سختی سے کہا۔

آمنہ بیگم کھلے دروازے سے فوراً اندر آئیں انہیں جیسے ہی مہرو نے بتایا وہ دوڑی چلی آئیں اپنی بھتیجی کی بدزبانی سے وہ اچھی طرح آگاہ تھیں۔

”اب کیا ہوگا؟“

”اپنی بھتیجی کو سمجھا لیں آئندہ اگر اس نے بدتمیزی کی تو میں اس کے ٹکڑے کر کے اس حویلی میں دفنا دوں گا۔“ شاہ میر نے شہادت کی انگلی اٹھاتے ہوئے وارننگ دی اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

”آپ اپنے بیٹے کو اچھی طرح سمجھا دیں کہ میں کوئی گاؤں کی ان پڑھ لڑکی نہیں ہوں جو خاموشی سے اس کے ظلم سہوں گی، میں اس حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی۔“

آمنہ بیگم نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا، دو ماہ پہلے وہ بہت ارمانوں سے اپنے سب سے چھوٹے اور لاڈلے بیٹے کے لئے اپنے بھائی کی بیٹی بیاہ کر لائی تھیں صومیہ کو جانے کیوں؟ شاہ میر اور اس حویلی سے ازلی بیر تھا۔

☆☆☆

”آپ آج پھر آدھا گھنٹہ لیٹ ہیں۔“ عباد نے رسٹ واچ دیکھتے ہوئے سامنے کھڑی حورعین کو دیکھا۔

”آپ کے ساتھ مسئلہ کیا ہے ڈیلی لیٹ آتی ہیں آپ جیسی ٹیچرز بچوں کو ”وقت کی پابندی“ اور ”نظم و ضبط“ پر مضمون رٹوا کر خود ان پر عمل نہیں کرتیں آپ جیسے ٹیچرز ان ملک کے معماروں کو کیا سبق دے سکتے ہیں۔“ عباد نے سر جھکائے کھڑی حورعین کو دیکھا۔

حورعین نے اپنے تاثرات چھپانے کے لئے سر جھکا لیا تھا اور بڑبڑاتے ہوئے عباد کی شان میں قصیدے پڑھ رہی تھی۔

”ہم اس شہر میں پانچ اسکولز چلا رہے ہیں آپ کو اندازہ ہو جانا چاہیے کہ ہم اپنے ادارے کی ساکھ کے معاملے میں بہت کانشس ہیں مجھے سمجھ نہیں آتی ماما نے آپ جیسی لڑکی کو اپنے اسکول میں کیوں رکھا ہوا ہے۔“ عباد نے کئی دفعہ کا کہا جملہ دہرایا۔

”اور مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں نے اپنی اتنی اچھی زندگی سے بور ہو کر اسکول میں پڑھانے کا کیوں سوچا؟“ حورعین کی بڑبڑاہٹ عباد کے کانوں تک پہنچ گئی تھی۔

”آپ نے کچھ کہا؟“

”نہیں۔“ حور نے سر اٹھائے بغیر نفی میں سر ہلا دیا۔

”مس حورعین! میں آپ کو آخری وارننگ دے رہا ہوں اگر اب آپ کی طرف سے کوئی شکایت ملی تو آپ کا اس اسکول میں آخری دن ہو گا۔“

”بھلے نکال دینا، پر جانے سے پہلے تمہاری طبیعت ضرور صاف کر کے جاؤں گی۔“ حورعین نے عہد کیا۔

”یہ کیا مکھی کی طرح بڑبڑ کرتی رہتی ہیں آپ، جو کہنا ہو تیز آواز میں کہا کریں۔“ عباد کو اس کے بار بار بڑبڑانے پر جھنجھلاہٹ ہوئی حالانکہ وہ جانتا تھا حورعین جو بھی بڑبڑاتی ہے کم از کم وہ اس کے لئے اچھے الفاظ نہیں ہوں گے، حورعین اب بھی خاموشی سے سر جھکائے کھڑی تھی عباد کو اس پر غصہ آیا۔

”اب آپ جا سکتی ہیں یہاں سے۔“ عباد کے کہنے کی دیر تھی وہ واپسی کے لئے مڑ گئی۔

”رکیں۔“ اس کے حلیے پر نظر پڑتے ہی عباد نے کہا حورعین فوراً رک گئی۔

”یہ کس حلیے میں اسکول آئی ہیں آپ۔“ عباد نے حورعین کے شکنوں سے پر سوٹ کو دیکھا۔

”اس درویشانہ حلیے میں آئندہ اسکول آنے کی جسارت مت کیجئے گا۔“ عباد اسے صفائی نصف ایمان ہے، پر لیکچر دینا شروع ہو گیا تھا، حورعین کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

”میں کوئی آپ کی طرح ڈیفنس سے نہیں آتی جہاں لائٹ ہر وقت ہوتی ہے، ہمارے علاقے میں دو دنوں سے لائٹ نہیں ہے ایک ساری رات مچھروں نے سونے نہیں دیا اور اوپر سے آپ نے صبح صبح میرا دماغ خراب کر دیا ہے۔“ وہ کہہ کر رکی نہیں تیزی سے پرنسپل آفس سے نکل گئی۔

عباد آنکھیں پھاڑے اسے جاتا دیکھ رہا تھا کچھ ہی دیر بعد اس کے چہرے پر حیرت کی جگہ مسکراہٹ آ گئی۔

عباد نے مسکراتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی، انجینئرنگ یونیورسٹی سے سیدھا اسکول پرنسپل تک آ کر اسے بہت مزہ آ رہا تھا وہ ابھی فائنل ایئر کے ایگزام دے کر فارغ ہوا تھا کہ ماما کے عمرے پر جانے کی وجہ سے اس نے سکول کی ذمہ داری سنبھال لی تھی۔

موبائل بجنے کی آواز پر اس نے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل سے موبائل اٹھایا اسکرین پر اظہر کا نام جگمگا رہا تھا اس نے فوراً کال ریسیو کی۔

”کہاں گم ہو بھائی؟“ اظہر نے سلام دعا کیے بغیر اس سے پوچھا۔

"کہیں نہیں یار، تجھے بتایا تھا نا ماما پاپا عمرے پر گئے ہوئے ہیں تو ان کی غیر موجودگی میں ان کے اسکول کے پرنسپل کے فرائض انجام دے رہا ہوں۔"

"ہمارا گھومنے کا پلان ہے یار، شمالی علاقہ جات کی طرف، تو بھی وقت نکال۔"

"سوری یار میں تو نہیں جا سکوں گا۔" عباد نے معذرت کی۔

"ہاں ہاں تو اب کہاں جائے گا، اسکول میں اچھی اچھی لڑکیاں دیکھنے کو ملتی ہوں گی، تم الیکٹریکل اور مکینیکل والوں نے لڑکیاں تو دیکھی نہیں ہوتیں سو جہاں دیکھتے ہو پاگل ہو جاتے ہو۔" اظہر سوفٹ ویئر انجینئر تھا جبکہ عباد مکینیکل انجینئر تھا اس کے ڈیپارٹمنٹ میں لڑکیاں بہت کم تھیں۔

"بکواس بند کر، تو یہاں اپنے بھائی کا رعب و دبدبہ دیکھے گا تو حیران رہ جائے گا۔" عباد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں میں ضرور تیرا رعب و دبدبہ دیکھوں گا ویسے بھی تجھ سے ملے کافی دن ہو گئے ہیں۔" اظہر نے معنی خیزی سے مسکراتے ہوئے کہا عباد اس کا ارادہ بھانپ گیا تھا اس لئے فوراً بولا۔

"خبردار جو اس طرف آیا ٹانگیں توڑ دوں گا، ماما مجھے گھر سے نکال دیں گی وہ اپنے اسکول کی ریپوٹیشن کے معاملے میں بہت کانشس ہیں اگر تجھے مجھ سے ملنا ہے تو یہاں تھوڑے فاصلے پر مسجد ہے وہیں آ جانا ظہر ساتھ پڑھیں گے۔"

"بہت کمینہ ہے تو۔" اظہر کی بات پر عباد کا قہقہہ بلند ہوا۔

"بہت شکریہ۔" عباد نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

"چاچا سائیں! آپ آج ہی بابا سائیں سے بات کریں اور انہیں بتائیں جیسے ایک جنگل میں دو شیر نہیں رہ سکتے اسی طرح ایک گھر میں بھی دو شیر نہیں رہ سکتے۔" علی شیر نے ایک نظر شیر دل پر ڈالتے ہوئے شاہ میر سے کہا۔

"کیوں بھئی اب کیا ہو گیا؟" علی شیر اور شیر دل میں اکثر لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔

"میں نے اتنی مشکلوں سے اسکول میں ایک لڑکی دوست بنائی تھی اس نے وہاں کنفیوژن کری ایٹ کر دی ہے میں جب بھی باتیں کر رہا ہوتا ہوں وہاں پہنچ جاتا ہے اور کہتا ہے "علی شیر میں یہ تو شیر دل ہے۔" علی شیر اور شیر دل دونوں جڑواں تھے دونوں میں غضب کی مشابہت تھی اکثر گھر والے بھی کنفیوژ ہو جاتے تھے انہیں پہچاننے میں۔

"کیوں تنگ کرتے ہو علی شیر کو۔" شاہ میر نے سوالیہ نظروں سے شیر دل کو دیکھا جو بڑے انہماک سے کھانا کھا رہا تھا پر اس کی شرارتی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"اسے میرے علاوہ دوست بنانے کی ضرورت کیا ہے میں دس بار بتا چکا ہوں مجھے اس کے دوستوں سے چڑ ہوتی ہے۔" شیر دل نے صاف گوئی سے اپنا مسئلہ بیان کیا۔

"وہ صومیہ بی بی دروازہ نہیں کھول رہی بس اندر سے کہہ دیا ہے انہیں بھوک نہیں ہے۔" سکینہ نے آمنہ بیگم کو بتایا، وہ صبح میں بھی ناشتے کے لئے نہیں آئی تھی آمنہ بیگم نے شاہ میر کو دیکھا جو اب کھانے میں مگن ہو چکا تھا۔

"شاہ میر! تمہاری لڑائی ہوئی ہے کیا؟ وہ کھانے سے تو کبھی انکار نہیں کرتی۔" آمنہ نے سوالیہ نظروں سے شاہ میر کو دیکھا۔

"ہاں کل میں نے اسے تھپڑ مار دیا تھا شاید اسی لئے صبح سے کمرہ میں بند کیے بیٹھی ہے۔" شاہ میر نے سچ سچ بتا دیا۔

"کیوں؟ کیوں اس مسئلے کو مزید الجھا رہے ہو۔"

"میں الجھا رہا ہوں؟" شاہ میر نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔

"آپ میرے ساتھ ناانصافی کر رہی ہیں اماں۔" شاہ میر نے شکوہ کناں نظروں سے انہیں دیکھا۔

"میں تو بس یہ چاہتی ہوں کہ تم خوش رہو، جو وہ کہتی ہے اس کی بات مان لیا کرو۔"

کچھ دن پہلے صومیہ نے حویلی سے باہر جانے کی فرمائش کی تھی پر شاہ میر نے اسے یہ کہہ کر منع کر دیا تھا کہ حویلی کی عورتیں باہر نہیں جاتیں۔

"آپ کو پتہ ہے وہ کیا چاہتی ہے؟" شاہ میر نے عجیب سی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"کیا؟"

"طلاق۔" شاہ میر کے جواب پر آمنہ بیگم کو شاک لگا وہ آنکھیں پھاڑے بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔

آسیہ کے ہاتھ سے چمچ چھوٹ گیا وہ حیرت سے کبھی دیور اور کبھی ساس کو دیکھنے لگی۔

☆☆☆

"کاش ہفتے کے دنوں میں اتوار نہ ہوتا۔" کروٹ لیتے ہوئے عباد نے سوچا۔

کبھی ایسا بھی وقت تھا جب اس کی خواہش ہوتی تھی ہر دن اتوار ہو اور مزے سے سوتا رہے پر اب کسی کو دیکھنے کی شدید خواہش اسے سونے نہیں دے رہی تھی وہ رات بھی کافی دیر سے سویا تھا اور اب بھی دو گھنٹوں سے اٹھا اسے ہی سوچ رہا تھا۔

"یہ کیا ہو گیا تمہیں عباد حیدر؟ یونیورسٹی میں بھی تو بہت سی لڑکیاں تھیں ہر کسی کو دیکھ کر ایسا محسوس نہیں ہوا۔" اس نے خود سے سوال کیا۔

"وہ سب سے ڈیفرنٹ ہے سب سے خوبصورت، وہ جب ہنستی ہے تو لگتا ہے ساری کائنات ہنس رہی ہے۔" دل نے جواب دیا۔

"تو کیا تم یہ سب اسے کہہ دو گے؟"

"توبہ کرو؟ وہ میرا بینڈ بجا دے گی، اس سے کچھ امید نہیں ہے میں ڈائریکٹ رشتہ بھیجوں گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے سوچا۔

تم وہ پہلی لڑکی ہو
جس کو دیکھ کے میری آنکھیں خوابوں سے بھر جاتی ہیں
پیار کی نیلی کرنیں دل کے کمرے میں در آتی ہیں
تم وہ پہلی لڑکی ہو
جس کو دیکھ کے
میرے دل کی خالی ٹہنی پر پھول گلابی کھل جاتے ہیں
جس کو دیکھ کے
مجھ کو اپنی مرضی کے سارے موسم مل جاتے ہیں
تم وہ پہلی لڑکی ہو
جس کو دیکھ کے
سیف جھیل پہ اتری پریاں اپنے ہوش گنوا سکتی ہیں
جس کو دیکھ کے
سوئی سوئی لہریں یکدم موج میں آ سکتی ہیں
تم وہ پہلی لڑکی ہو
جس کو دیکھ کے دھوپ کا ہر ٹکڑا بادل ہو سکتا ہے
جس کو دیکھ کے
چاند کسی شب پورا پاگل ہو سکتا ہے

تم وہ پہلی لڑکی ہو
جس کو دیکھ کے
ہر اک پیار کہانی سچی لگتی ہے
جس کو دیکھ کے
مجھ کو ساری دنیا اچھی لگتی ہے

میسج ٹون بجنے پر وہ حال میں لوٹا، اس نے سائیڈ ٹیبل سے اپنا موبائل اٹھایا۔

"میاں مجنوں! اگر خواب خرگوش سے بیدار ہو چکے ہو تو ہمیں بھی اپنے دیدار کی سعادت نصیب کروا دیجئے۔" اظہر کا میسج پڑھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی، وہ اٹھنے ہی لگا تھا کہ اس کی نظر سامنے دیوار پر لگی وال کلاک پر پڑی۔

"اوہ......ایک بجنے والا ہے۔"

وقت گزرنے کا پتہ نہیں چلا، جب میں اٹھا تب کیا ٹائم تھا، اس نے ذہن پر زور دیتے ہوئے یاد کرنا چاہا پر اسے یاد نہ آیا۔

"عباد بیٹا تم تو گئے کام سے۔" اس نے مسکراتے ہوئے خود کلامی کی اور واش روم میں گھس گیا، فریش ہونے کے بعد اس نے اپنے لئے چائے بنائی اور مگ لئے لاؤنج میں آ گیا، وہ چائے پینے ہی لگا تھا کہ اس کا موبائل بجا اس کے مگ ٹیبل پر رکھا اور کال ریسیو کی، دوسری طرف صومیہ تھی۔

"ماما کہاں ہیں؟"

"وہ تو عمرے کے لئے سعودیہ گئی ہوئی ہیں خیریت؟"

"کب......؟ مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

"ان کا ارادہ تھا تمہاری طرف آنے کا، پر وہ مصروفیت کی وجہ سے نہیں آ سکیں۔"

"مجھے پتہ ہے وہ مجھ سے ناراض ہیں اس لئے نہیں آئیں، انہیں مجھ سے زیادہ شاہ میر عزیز ہے میں تو ان کی کچھ لگتی ہی نہیں ہوں۔"

"تم غلط سوچ رہی ہو صومی ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"ایسا ہی ہے تم سب نے مجھے بوجھ کی طرح اپنے سر سے اتار پھینکا ہے اور اس شخص کو بھی پتہ ہے بھلے وہ مجھے جان سے مار دے پیچھے سے کوئی اس سے جواب طلبی نہیں کرے گا۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے صومی، نہ تم پہلے بوجھ تھی نہ اب بوجھ ہو اور شاہ میر کوئی غیر تھوڑی ہے۔" عباد نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"تمہارے اس اپنے نے کل مجھ پر ہاتھ اٹھایا ہے ایک دن آئے گا جب وہ میرا گلا بھی دبا دے گا اور تم شاہ میر اچھا ہے کی گردان کرتے رہنا۔" صومیہ نے روتے ہوئے کہا۔

"صومی تم پلیز روؤ مت، میں شاہ میر سے بات کروں گا۔" تسلیوں اور دلاسوں کے بعد عباد نے فون بند کر دیا، وہ اب چائے کا مگ اٹھائے صومی کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

"حوری! اٹھو، دس بج گئے ہیں۔" وہ فجر پڑھ کر سوئی تھی اور اٹھنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"کیا مصیبت ہے اتوار کے دن تو سکون سے سونے دیا کرو۔" حور عین نے کھا جانے والی نظروں سے نور کو دیکھا۔

"تائی آئی ہوئی ہیں۔" نور نے اسے تائی کی آمد سے آگاہ کیا۔

"تو میں کیا کروں؟ میں صبح صبح انہیں نہیں دیکھنا چاہتی میرا پورا دن برا گزرے گا۔" حور عین قدرے تیز آواز میں بولی۔

"آہستہ بولو، اگر انہوں نے سن لیا تو......"
نور نے اسے خوفزدہ کرنا چاہا۔

"میں ظالم کے سامنے سر جھکانے کو گناہ سمجھتی ہوں تم اور امی ان کی خدمت میں ایک

ٹانگ پر کھڑے ہو جاؤ میری بلا سے۔" حور عین نے کروٹ لیتے ہوئے کہا۔

"وہ تمہیں بلا رہی ہیں۔"

"پر میں ان سے ملنا نہیں چاہتی۔"

"تمہیں پتہ ہے اس بدتمیزی کی وجہ سے امی کو کتنی باتیں سننے کو ملیں گی اور ابو کتنا غصہ ہوں گے۔"

تائی پانچ بیٹوں کی والدہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ دادی کی فیورٹ بہو رہی تھی دادی کے مرنے کے بعد انہوں نے دادی کی سیٹ سنبھال لی تھی اپنے گھر اور اپنی بہوؤں کے علاوہ وہ اپنے دیوروں کے گھر پر بھی حکومت کرتی تھیں۔

نور کی بات کا خاطر خواہ اثر ہوا وہ منہ بناتے ہوئے اٹھی اور واش بیسن پر منہ دھونے کے بعد تائی کی خدمت میں سلام عرض کرنے چل دی۔

تائی کو اپنی بلائیں لیتے دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے کھل کھل گئی۔

"تمہیں تو توفیق ہی نہیں ہوئی تائی سے ملنے کی، میں ہی تم سے ملنے چلی آئی۔" حور عین نے اپنی انگلی دانتوں کے بیچ رکھتے ہوئے دبائی، وہ یہ دیکھنا چاہ رہی تھی کہ وہ کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہی، اس کی حیرت بجا تھی تائی اور اس کے بیچ کبھی اتنی محبت اتنی بے تکلفی نہیں رہی تھی۔

اس نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے یاد کرنا چاہا وہ آخری بار کب تائی کے گھر گئی تھی کچھ ہی دیر میں اسے یاد آیا آخری بار وہ تب گئی تھی جب تائی نے فرحین بھابھی کو گھر سے نکالا تھا نازک سی فرحین بھابھی اسے بہت پسند تھی تائی نے اس پر جھوٹے الزام لگا کر گھر سے نکال دیا تھا فرحین بھابھی کا روتا بلکتا چہرہ آج بھی اس کی یادداشت میں محفوظ تھا جب بھی اسے وہ واقعہ یاد آتا تھا تائی سے نفرت میں مزید اضافہ ہو جاتا تھا۔

وہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھنے کے بعد وہاں سے اٹھ گئی، ان کا محبت بھرا انداز اس سے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

"خدا خیر کرے مجھ سے اتنی محبت کس خوشی میں دکھا رہی ہیں۔" حور عین نے نور سے سرگوشی کے انداز میں کہا اور ناشتے کی غرض سے کچن میں چلی گئی۔

☆☆☆

"تمہاری بات بھی بجا ہے عباد، تم اس کے بھائی ہو، پر اگر تم خود کو میری جگہ رکھ کر سوچو تو تمہیں اندازہ ہو گا میں کس صبر اور برداشت سے کام لے رہا ہوں۔" شاہ میر نے اپنے لہجے کو نارمل کرتے ہوئے کہا۔

"آئی نو میر، وہ تھوڑی جذباتی ہے پر وقت کے ساتھ ساتھ ٹھیک ہو جائے گی۔"

"اللہ کرے کہ تمہاری بات درست ثابت ہو۔" شاہ میر کو امید نہیں تھی کہ وہ ٹھیک ہو جائے گی۔

"میر سارا قصور ماما پاپا کا ہے انہوں نے اچانک ڈکلیئر کر دیا کہ وہ تم سے بچپن سے انگیجڈ ہے پھر دو ماہ کے اندر اندر اس کی تم سے شادی کر دی، اسے ٹائم نہیں دیا انہوں نے اور تم بھی بھی کر رہے ہو اسے کچھ ٹائم دو یار وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔"

"تم تو اس کی سائیڈ لو گے ہی، بھائی جو ہو اس کے۔" شاہ میر نے مسکراتے ہوئے سوچا پر کہا نہیں، کہنے کو اس کے پاس بہت کچھ تھا تین ماہ کم نہیں ہوتے ان نوے دنوں میں وہ روز کوئی نہ کوئی نیا تماشہ کھڑا کر دیتی تھی، شاہ میر نے ذرا سا ری ایکٹ کیا تو اس نے عباد کو فون کھڑکا دیا تھا، تین دن پہلے اس عباد کا فون آیا تھا کہ وہ جب بھی شہر آئے اس کے مل کر جائے، آج اسے ضروری

کام سے شہر آنا پڑ گیا تھا تو وہ عباد سے ملنے چلا آیا تھا، شاہ میر جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کھانا کھا کر جانا۔" عباد نے اسے روکنا چاہا۔

"نہیں پھر کبھی سہی، گھر پہنچتے پہنچتے دیر ہو جائے گی۔"

"تم فکر مت کرو، ماما آئیں گی تو سمجھائیں گی اسے۔" عباد اسے گاڑی تک چھوڑنے آیا تھا، شاہ میر گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا تب اس نے ایک بار اور تسلی دی، شاہ میر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی، چوکیدار نے فوراً گیٹ کھول دیا، اس کی گاڑی کے جانے کے بعد عباد نے بھی اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

☆☆☆

اسے اندازہ تھا کہ تائی کے اس رویے کی کوئی وجہ ہے اور بہت جلد اسے وجہ معلوم ہو گئی۔

"تمہاری تائی نے اپنے عامر کے لئے حور عین کا رشتہ مانگا ہے۔" حور عین کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ گیا۔

"ک...... کیا؟" حور عین نے کچھ کہنے کے لئے منہ ہی کھولا تھا کہ اس کی نظر دروازے پر پڑی کمرے میں داخل ہوتے ابو کو دیکھ کر وہ اپنا غصہ دبائی کمرے سے نکل گئی اور اب اپنے کمرے میں بڑبڑاتے ہوئے ٹہل رہی تھی۔

"دیکھ لینا اس میں بھی ان کا کوئی مطلب پوشیدہ ہوگا انہوں نے یہی سوچا ہوگا کہ اماں ابا تو اس کے ویسے ہی جی جی کرتے نہیں تھکتے بیٹی بھی آرام سے ان کی غلامی میں آ جائے گی، فرحین بھابھی کو کس بری طرح طلاق دلوا کر نکالا تھا وہ منظر میری آنکھیں کبھی نہیں بھول سکتیں۔"

"تم فکر مت کرو امی اسٹینڈ ضرور لیں گی۔" نور نے اسے تسلی دینی چاہی۔

"کوئی اسٹینڈ نہیں لے گا مجھے پتہ ہے اور اگر کسی نے لیا بھی تو ابو چلنے نہیں دیں گے کیونکہ تم جانتی ابو اپنی بھابھی کو فرشتہ سمجھتے ہیں جبکہ میں ان کی شیطانی صفت سے واقف ہوں اس لئے میں خود انکار کروں گی۔" حور عین کی آواز قدرے تیز ہو گئی تھی۔

"آہستہ بولو اگر ابو نے سن لیا تو......" نور نے اسے خوفزدہ کرنا چاہا۔

"بھلے سن لیں، میں کسی سے......" حور عین نے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"پاگل مت بنو حوری، لڑکیاں اس موضوع پر نہیں بولتی۔" دوسرے کمرے سے آتی ابو کی آواز پر حور عین صوفے پر ڈھے گئی۔

"ارے ثمینہ بیگم تمہیں تو بھابھی کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے عامر کے لئے تمہاری بیٹی کا انتخاب کیا ہے نہیں تو آج کل لڑکیوں کے رشتے نہیں آتے، لڑکیاں اپنے ماں باپ کی چوکھٹ پر بوڑھی ہو جاتی ہیں، میں نے بھابھی جی سے کہہ دیا ہے حور عین آپ ہی کی بیٹی ہے جب دل چاہے رسم کر جائیں۔"

☆☆☆

"یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے کہ تمہیں میرے ساتھ نہیں رہنا۔" شاہ میر غضبناک تیور لئے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں۔" صومیہ نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے تم سامان پیک کرو، میں گاڑی نکال رہا ہوں۔" صومیہ نے حیرت سے اسے دیکھا، وہ گاڑی کی چابی اٹھا کر کمرے سے چلا گیا تھا۔

پندرہ بیس منٹ بعد صومیہ ہینڈ کیری گھسیٹتے ہوئے آ گئی، شاہ میر نے اس کا بیگ گاڑی میں

رکھا، اتنی دیر میں صومیہ فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ چکی تھی۔

شاہ میر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور گاڑی اسٹارٹ کر کے حویلی سے باہر سے آیا گاڑی شہر کی طرف رواں دواں تھی شاہ میر بڑے مگن انداز میں ڈرائیونگ کر رہا تھا وہ باہر کے منظر دیکھنے میں مصروف تھی سارا راستہ دونوں چپ رہے حیدر ولا کے گیٹ کے پاس صومیہ کو اتارتے ہوئے اس نے اسے پکارا۔

"تم اچھی طرح سوچ لو، تمہارے پاس دس دن کا ٹائم ہے اگر تمہیں لگے کہ تم غلطی پر ہو تو مجھے فون کر دینا، ورنہ گیارہویں دن تمہیں ڈیوارس پیپر مل جائیں گے۔" صومیہ نے غور سے اسے دیکھا، وہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھا، اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور آگے بڑھا لے گیا، صومیہ کی نظریں کافی دیر تک گاڑی کا تعاقب کرتی رہی، پھر مرے مرے قدموں سے گھر کی طرف چل دی، اسے لگا تھا شاہ میر اسے آسمان سے زمین پر پٹخ گیا ہے۔

☆☆☆

"نور! تمہیں پتہ ہے نا میری کبھی زندگی سے لمبی چوڑی ڈیمانڈز نہیں رہی میں نے کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ میرے لئے پرستان سے کوئی شہزادہ آئے یا پراڈو میں بیٹھ کر کسی کہانی کا فرشتہ صفت ہیرو آئے، بس میں نے ہمیشہ ایک عام سے سیدھے سادھے سے انسان کے بارے میں ہی سوچا ہے جس کے ساتھ زندگی بہت آسان نہیں تو بہت مشکل بھی نہ ہو، عامر کی دل پھینک فطرت سے تو پورا خاندان واقف ہے دوسرا اس کے لئے کوئی جاب بھی نہیں ہے مجھے اپنے مستقبل کے آگے سوالیہ نشان نظر آ رہا ہے۔"

"تم فکر مت کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" نور کی تسلی پر اسے غصہ آیا۔

"ہاں مجھے واقعی فکر کی ضرورت نہیں ہوتی اگر میری شادی فائز بھائی جیسے شخص سے ہوئی ہوتی تو میں بھی تمہاری طرح مطمئن ہوتی۔" حوری کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی طنزیہ ہو گیا تھا نور نے شکایتی نظر اس پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"میرا اس میں کیا قصور ہے میرے بس میں ہوتا تو کبھی تمہیں آگ میں نہ جھونکتی۔"

"مجھے پتہ ہے تم صفائیاں مت دو نور، مجھے تو بس ایسے ہی اپنی بے بسی پر غصہ آ رہا تھا۔" حور عین نے ہونٹ کاٹتے ہوئے اسے دیکھا اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔

"میرے بس ہوتا تو میں ابو سے ضرور بات کرتی کہ ایسا بھی کیا رشتوں کا کال پڑ گیا کہ آپ حور عین کو کنوئیں میں جھونک رہے ہیں اور میں نے غازی سے بھی بات کی تھی۔" حور عین نے فوراً نور کی بات کاٹی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے غازی سے بات کرنے کی، اسے خود نظر نہیں آتا کیا، اس کا کوئی اپنا کام ہو تو وہ ابو سے ضرور بات کرتا۔" حور عین کو غازی پر بھی بہت غصہ تھا اس نے بھی خود غرضی کی حد کر دی تھی۔

"میں نے ابو سے بات کی تھی نور کے کہنے سے بھی پہلے۔" پیچھے سے غازی کی آواز پر دونوں نے مڑ کر دیکھا وہ شاید ان کی ساری باتیں سن چکا تھا۔

"میں نے ہر طرح سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی، پر وہ نہیں مانے۔" غازی نے افسوس سے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

دو دن پہلے تائی منگنی کی رسم کر کے گئی تھی، امی اور ابو ان کے بہت احسان مند تھے کہ انہوں نے ان کی بیٹی کا رشتہ مانگ کر ان پر احسان عظیم

کیا ہے۔

☆☆☆

"اماں جب میں نے کہا تھا کہ شمسہ سے شادی کروں گا تو تم نے میرا رشتہ حورعین سے کیوں کیا۔" عامر شدید غصے میں بجیلہ بیگم کے سامنے کھڑا تھا عامر ان کے پانچوں بیٹوں میں سب سے چھوٹا اور لاڈلا تھا۔

"حورعین میں کیا کمی ہے؟"

"آپ مجھے بتائیں شمسہ میں کیا کمی ہے؟" عامر کے سوال پہ بجیلہ بیگم کو غصہ آیا، وہ اسے کیا بتاتیں کہ شمسہ کی وجہ سے ہی تو انہوں نے اس کی شادی حورعین سے کرنے کا فیصلہ کیا ہے عامر ان کا سب سے ضدی اور ہٹ دھرم بیٹا تھا ان کے ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار کی وجہ سے ہی وہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا باقی چاروں بیٹے تو ان کے حکم کے بغیر پانی بھی نہیں پیتے تھے۔

شمسہ کو بہو بنانے کی صورت میں انہیں اپنی راجدھانی خطرے میں محسوس ہو رہی تھی وہ کسی صورت یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھیں وہ بھی حکمرانوں کی طرح تاحیات حکومت کرنا چاہتی تھیں۔

"اماں میں بتا رہا ہوں اگر میری شادی شمسہ سے نہ ہوئی تو کسی سے نہیں ہوگی۔" شمسہ کا عشق سر چڑھ کر بول رہا تھا بجیلہ بیگم کا دل چاہا شمسہ کو کچا کھا جائیں جنہوں نے ان کے بیٹے کو ان سامنے کھڑا کر دیا تھا۔

"ارے آپ اسے سمجھاتے کیوں نہیں؟ اسے بتائیں ان ٹٹ پونجیوں کے پلے ہے کیا جو وہ اپنی بیٹی کو دیں گے۔" بجیلہ بیگم نے خاموش بیٹھے شوہر کو دیکھا جو ہمیشہ کی طرح آج بھی چپ تھے اور مودب سے انداز میں سر جھکائے بیٹھے تھے۔

"میں...... میں کیا سمجھاؤں۔" وہ ہمیشہ کی طرح بے بسی کی تصویر بنتے ہوئے بولے۔

"دیکھ لے عامر اگر تو نے میری بات نہ مانی تو میں کچھ کھا کر مر جاؤں گی تجھے دودھ نہیں بخشوں گی۔" بجیلہ بیگم اب اموشنل بلیک میلنگ پر اتر آئیں۔

"اماں تم اپنی ہر بات منوا لیتی ہو، ضروری ہے کیا تمہاری ہر بات مانی جائے۔" عامر نے سامنے پڑی کرسی کو لات ماری اور گھر سے باہر چلا گیا، بجیلہ بیگم نے سوچ لیا تھا انہیں جلد از جلد عامر کی شادی کرنی ہے تاکہ اس شمسہ چڑیل کا بھوت عامر پر سے اتر جائے، ان کا شیطانی دماغ بڑی تیزی سے چل رہا تھا۔

☆☆☆

صومیہ پچھتاؤں میں گھری بیٹھی تھی اسے بری طرح اپنی غلطیوں کا احساس ہو رہا تھا دیکھا جاتا تو شاہ میر میں کوئی کمی نہیں تھی بس اسے ایک ضد سی ہو گئی تھی اس سے، وہ ایک جاگیردار وڈیرا تھا صومیہ کو پہلا اختلاف اس بات پہ تھا دوسرا اس بات پہ کہ اس کے دنیا میں آنے سے پہلے ہی اس کی پھپھو نے بھائی کے آگے جھولی پھیلا دی تھی کہ اگر بیٹی ہوئی تو میرے شاہ میر کی دلہن بنے گی اور اس کے پڑھے لکھے ماں باپ نے بڑی فراخ دلی سے ہاں کر دی تھی، گریجویشن کے بعد اس کا آگے پڑھنے کا ارادہ تھا پر پھپھو نے ان سے شادی کی تاریخ مانگ لی تھی، اس بار بھی حیدر علی نے بہن کو خالی ہاتھ نہ لوٹایا، بیٹی کی ناراضگی، بھوک ہڑتال کی پرواہ کیے بغیر اس کی شادی شاہ میر سے کر دی، صومیہ نے اپنا سارا غصہ وہاں جا کر نکالا۔

موبائل بجنے کی آواز پر صومیہ نے سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھایا نمبر دیکھ کر اس نے بیزاری

سے کال ریسیو کی۔

"ہیلو چاچی کیسی ہیں آپ؟" دوسری طرف شیر دل تھا۔

"میں ٹھیک ہوں، تم سناؤ؟" صومیہ نے اداسی سے پوچھا۔

"کیا بتاؤں چاچی آپ کے بغیر تو حویلی کھانے کو دوڑتی ہے نہ کوئی شور نہ شرابہ، مجھے تو آپ بہت یاد آتی ہیں۔" شیر دل کی بات سن کر صومیہ کا دل چاہا اسے بھی بتائے کہ وہ ان سب کو مس کر رہی ہے پر وہ کبھی ان میں گھلی ملی ہوتی تو اسے یہ کہنے میں اتنی ہچکچاہٹ نہ ہوتی۔

"شاہ میر چاچو نے ڈیوارس پیپر بنوا لئے ہیں آپ پلیز مان جائیں نا اور انہیں منع کر دیں ایسا کرنے سے۔" شیر دل نے التجائیہ انداز میں کہا۔

"تم نے اپنی دادی کو نہیں بتایا۔" صومیہ نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا اسے یقین تھا پھپھو ضرور اسے روکیں گی۔

"انہیں سب پتہ ہے شاہ میر چاچو نے سب سے کہا ہوا ہے کہ آپ نے انہیں کہا ہے یہ سب کرنے کو۔"

"ن......ن......نہیں تو...... میں نے تو نہیں کہا ایسا کچھ۔"

"اچھا۔" شیر دل حیران ہوا۔

"وہ تو کہہ رہے تھے آپ نے ان سے کہا ہے کہ آپ ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔"

"میں نے تو ایسا کچھ نہیں کہا۔" صومیہ نے صاف مکرنے پر شیر دل کے ساتھ بیٹھے شاہ میر کو اپنی ہنسی روکنا مشکل ہو گئی، موبائل شیر دل کے ہاتھ میں تھا اس نے اسپیکر آن کیا ہوا تھا۔

"تو شاہ میر چاچو ایسا کیوں کر رہے ہیں آپ کو پوچھنا تو چاہیے تھا۔" شیر دل کی زبردست اداکاری پر شاہ میر نے اسے داد دیتی نظروں سے دیکھا۔

"چاچی آپ جلدی چاچو سے بات کر لیجئے گا کہیں ایسا نہ ہو پانی سر سے گزر جائے، چاچو آ رہے ہیں میں فون بند کر رہا ہوں وہ ناراض ہوں گے اللہ حافظ۔" شیر دل نے اپنا کام کر کے فون بند کر دیا اور پھر داد طلب نظروں سے ساتھ بیٹھے شاہ میر کو دیکھا۔

"دیکھا، مانتے ہیں کہ نہیں؟" شیر دل نے کالر اکڑایا۔

"مان گئے بھتیجے تم استاد ہو۔" شاہ میر نے مسکراتے ہوئے تسلیم کیا۔

"ہمارے مشوروں پر چلیں گے تو بہت جلد آپ بھی استاد بن جائیں گے۔" بارہ سالہ علی شیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

یہ سارا پلان علی شیر اور شیر دل کا تھا شاہ میر ان دونوں کی وضاحت کا قائل ہو گیا تھا۔

"چاچو! پتہ ہے میں بھی کبھی کیا سوچتا ہوں۔"

"کیا؟" شاہ میر نے اشتیاق بھری نظروں سے شیر دل کو دیکھا۔

"میں سوچتا ہوں کہ آپ کی جگہ مجھے آپ کا چاچا ہونا چاہیے تھا۔" شیر دل کی بات پر شاہ میر کا قہقہہ بلند ہوا تھا بہت عرصے بعد وہ اتنا خوش تھا۔

☆☆☆

"اوہ مائی گاڈ! صومی تم اتنی بیوقوف ہو مجھے یقین نہیں آ رہا۔" ردا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"میں تو تمہاری قسمت پر رشک کرتی تھی شاہ میر جیسا زبردست بندہ تو ہر لڑکی کا خواب ہوتا ہے، جب تم نے مجھے بتایا تھا کہ تمہارا کزن جاگیردار فیملی سے تعلق رکھتا ہے تو میں نے سمجھا تھا

کہ بڑی بڑی مونچھوں والا کوئی وڈیرہ ہوگا، جس کے منہ پر خباثت ہوگی جیسا عموماً ڈراموں میں ہوتا ہے پر شاہ میر کو دیکھ کر میرے تمام اندازے غلط ثابت ہوئے تھے اتنا ویل ایجوکیٹڈ اور ڈیسنٹ بندہ، تم بہت زیادہ بے وقوف ہو صومیہ بی بی۔" وہ خاموشی سے سر جھکائے ردا کی باتیں سن رہی تھی۔

"میں مانتی ہوں میں نے غلط کیا پر اب کیا ہوسکتا ہے میں گزرے وقت کو تو واپس نہیں لا سکتی نا۔" صومیہ نے بے بسی سے ردا کو دیکھا۔

"ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا، اس سے پہلے کہ بگڑے تم شاہ میر فون کرو اور اپنے گزشتہ رویے کی معافی مانگو، تمہیں یہاں آئے ہوئے ہفتہ ہوگیا ہے اگر تم انا کے چکر میں رہی تو وہ ڈیوارس پیپر تمہارے منہ پر مار کر چلا جائے گا پھر روتی رہنا یہاں بیٹھ کر۔" ردا نے بیگ اٹھایا ایک الوداعیہ نظر اس پر ڈالی اور واپسی کی راہ لی، ردا کے جانے کے بعد وہ وہیں لاؤنج میں بیٹھی روتی رہی۔

"کیا ہوا صومی! رو کیوں رہی ہو؟" اسے وہاں بیٹھے کافی وقت گزر چکا تھا عباد گھر آیا تو اسے یوں روتے دیکھ کر فکر مندی سے پوچھا۔

"وہ مجھے چھوڑ رہا ہے عباد۔" صومیہ نے روتے ہوئے کہا۔

"اسے منع کرو پلیز۔"

"وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا تم پریشان مت ہو، میں اس سے بات کروں گا۔" عباد نے اسے چپ کروایا۔

"جاؤ شاباش اپنے کمرے میں آرام کرو، میں اس سے بات کروں گا۔" عباد کی تسلی پر اس کے دل کو ڈھارس ملی، وہ اپنے آنسو صاف کرتی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

اس کے جانے کے بعد عباد نے موبائل نکالا اور شاہ میر کا نمبر ملانے لگا۔

"تم نے کہا تھا نا عباد، میں نے اسے ٹائم نہیں دیا تو بس میں اسے ٹائم دے رہا ہوں تاکہ وہ اچھی طرح سوچ لے کہ زندگی ایسے نہیں گزرتی اور تم بے فکر رہو میرا کسی بیوقوفی کا کوئی ارادہ نہیں ہے بس یہ سب اسے ڈرانے کے لئے کیا ہے۔" شاہ میر کی بات پر عباد مطمئن ہوگیا تھا۔

☆☆☆

بہت سوچنے کے بعد اپنا موبائل اٹھایا اور وہی نمبر ڈائل کیا جس سے شیر دل کی کال آئی تھی۔

"ہیلو۔" شاہ میر کی آواز سن کر وہ کچھ دیر بول ہی نہ پائی۔

"مجھے شیر دل سے بات کرنی تھی۔" اس نے ہمت کرکے کہہ ڈالا۔

"وہ تو اسکول گیا ہوا ہے کوئی کام تھا؟" بہت روڈ انداز میں پوچھا گیا۔

صومیہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے، وقت اس کے ہاتھوں سے نکلتا جا رہا تھا اسے یہاں آئے آٹھواں دن تھا۔

"آئی ایم سوری۔" صومیہ نے روتے ہوئے معافی مانگی۔

"یعنی تمہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہوگیا ہے؟"

"جی!"

"ٹھیک ہے کل میں تمہیں لینے آؤں گا۔"

"سچ......؟" صومیہ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ شاہ میر اتنی جلدی مان جائے گا وہ خوشی سے چلائی۔

"ہاں تم تیار رہنا۔" شاہ میر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اگلے دن شاہ میر اسے لینے جا رہا تھا

سنڈے ہونے کی وجہ سے علی شیر اور شیر دل گھر پر ہی تھے وہ دونوں تیار ہو کر اس کی گاڑی کے پاس کھڑے تھے دونوں کا ارادہ اس کے ساتھ جانے کا تھا۔

"کباب میں ایک نہیں دو ہڈیاں۔" شاہ میر نے ان دونوں کو دیکھتے ہی کہا تو دونوں کا منہ بن گیا شاہ میر کی اس طوطا چشمی پر۔

"واہ چاچو! کام نکلوا کر کیسے بدل گئے ہیں آپ۔"

"تم لوگوں کے پیپرز ہونے والے ہیں چلو شاباش تیاری کرو۔" شاہ میر نے ان دونوں کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"تیاری بھی ہوتی رہے گی پر ابھی تو ہم چاچی کو لینے جا رہے ہیں۔" علی شیر اور شیر دل گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئے کچھ دیر ان دونوں کو گھورتے ہوئے شاہ میر بھی گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"چاچو کوئی اچھا سا گانا لگائیں نا۔" شیر دل کی فرمائش پر شاہ میر نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"شٹ اپ تم دونوں آ تو گئے ہو پر اپنا منہ اور کان بند رکھنا۔" شاہ میر کے حکم شیر دل نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لی اور علی شیر نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ لی۔

وہ حیدر ولا میں انٹر ہوئے صومیہ لان میں بیٹھی انہی کا انتظار کر رہی تھی صومیہ کی تیاری دیکھنے کے لائق تھی شاہ میر خوشگوار سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے صومیہ کو دیکھ رہا تھا شیر دل اور علی شیر پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا تھا وہ دونوں کھانس کھانس کر دوہرے ہو رہے تھے شاہ میر نے خشمگیں نظروں سے دونوں کو دیکھا۔

کھانے کے بعد شاہ میر واپسی کے لئے کھڑا ہوگیا، صومیہ کا سامان ملازم نے گاڑی میں رکھ دیا تھا، عباد انہیں چھوڑنے گاڑی تک آیا، علی شیر اور شیر دل گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ چکے تھے، شاہ میر نے صومیہ کے لئے فرنٹ ڈور کھولا، صومیہ کے بیٹھتے ہی اس نے عباد سے مصافحہ کیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا گاڑی اپنی منزل کی طرف رواں ہوگئی عباد مطمئن سا گھر کی طرف چل دیا۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو۔" شاہ میر نے گاڑی مین روڈ پر لاتے ہوئے ایک نظر اسے دیکھ کر کہا۔

پچھلی سیٹ پر بیٹھے علی شیر اور شیر دل پر پھر سے کھانسی کا دورہ پڑ چکا تھا، شاہ میر نے ان دونوں کو گھوری پاس کی، پر ان دونوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔

"میں نے تم دونوں کو کیا سمجھایا تھا، اپنے منہ اور کان بند رکھنا۔"

"بس چاچو ہم اپنی آنکھیں بھی بند کر لیتے ہیں۔" شیر دل نے فوراً اپنی آنکھیں بند کرکے سیٹ کی بیک سے ٹیک لگائی، علی شیر نے بھی فوراً اس کی تقلید کی، شاہ میر ان کے انداز پر مسکراتے ہوئے ڈرائیونگ کرنے لگا۔

☆☆☆

حورعین کی اداسی اسے پریشان کر رہی تھی، وہ اب ٹائم پر اسکول آنے لگی تھی اگر کبھی دیر ہو بھی جاتی تو خاموشی سے اس کی ڈانٹ سن لیتی تھی اب پہلے کی طرح منہ ہی منہ میں بڑبڑانا اس نے بند کر دیا تھا۔

"سر! میں اندر آسکتی ہوں؟" عباد اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا جب اس نے دروازہ بجا کر کمرے میں داخل ہونے کی اجازت مانگی عباد کے اثبات میں سر ہلاتے ہی وہ سنجیدگی سے چلتی

ہوئی اس کی ٹیبل کے پاس آئی اور پیپر ٹیبل پر رکھ دیا۔

"یہ کیا ہے؟" عباد نے سامنے رکھے پیپر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ریزیگنیشن لیٹر۔"

"کیا؟ پر کیوں؟ آپ کو کوئی شکایت ہے آپ کیوں اسکول چھوڑ رہی ہیں؟"

"سر! مجھے کوئی شکایت نہیں ہے، میری شادی ہو رہی ہے۔" عباد سن ہو گیا تھا وہ کیا کچھ سوچ چکا تھا ماما آئیں گی وہ انہیں حور عین کے گھر بھیجے گا اور پھر وہ اس کی ہو جائے گی اس کی معصومیت پر ہنس رہا تھا اس نے کیسے سوچ لیا کہ ان کے بیچ کوئی ظالم سماج کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی۔

وہ تو بس اسے کے خواب دیکھے جا رہا تھا اس کے خوابوں کا محور بس حور عین کی ذات تھی، جب خواب ٹوٹتے ہیں تو آنکھوں میں تھکن اترنے لگتی ہے۔

اس نے وائس پرنسپل کو اپنے آفس میں بلوایا اور طبیعت خرابی کا بہانہ کرکے مرے مرے قدموں سے اپنی گاڑی کی طرف چل دیا، اپنی کولیگز سے الوداعیہ ملاقات کرتی حور عین نے ٹھٹک کر عباد کو دیکھا۔

☆☆☆

"ماما!" وہ فون ہاتھ میں تھامے رو پڑا تھا۔

"کیا ہوا عباد؟" نوریہ حیدر کا دل اپنی جگہ چھوڑ رہا تھا ان کے لہجے میں بے پناہ تشویش تھی۔

"ماما آپ کب آئیں گی؟" وہ بچوں کی طرح روتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"کیا ہوا بیٹا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟" نوریہ حیدر کا دل چاہا وہ اڑ کر بیٹے کے پاس پہنچ جائیں وہ اس طرح کبھی روتا نہیں تھا۔

"ماما میں بہت اکیلا ہوں، آپ پلیز جلدی آجائیں۔"

"میں سنڈے کو پہنچ جاؤں گی میری جان پر تم ایسے کیوں رو رہے ہو؟"

"ماما......آپ......آپ دعا کیجئے گا میرے لئے وہاں۔"

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے بھلا، ماں تو ہر سانس کے ساتھ اپنے بچوں کے لئے دعا کرتی ہے۔"

"آپ دعا کیجئے گا اگر وہ میرے نصیب میں نہیں ہے تو میرے دل میں اسے پانے کی خواہش بھی نہ رہے۔"

"کون......؟ کس کی بات کر رہے ہو؟" نوریہ حیدر پوچھتیں ہی رہ گئیں پر عباد نے فون بند کر دیا تھا۔

اسی پل نوریہ حیدر کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے انہوں نے اس مقدس مقام پر بڑی شدت سے اپنے بیٹے کی خوشیوں کی دعا مانگی تھی۔

☆☆☆

"سر کو اچانک کیا ہو گیا تھا؟" وہ کافی دیر سیاسی نکتے پر غور کر رہی تھی عباد کا بجھا بجھا چہرہ اسے بھلائے نہیں بھول رہا تھا۔

"کہیں وہ......" اس کے دل میں عجیب سا خیال آیا۔

"پر ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" دماغ نے فوراً تردید کی۔

"ہونے کو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے اس دنیا میں۔"

"میں اچھی خاصی خوبصورت ہوں۔" حور عین کو اپنے خوبصورت ہونے پر تو بالکل شک نہیں تھا۔

پاگل آنکھوں والی لڑکی!

اتنے مہنگے خواب نہ دیکھو
تھک جاؤ گی
کانچ سے نازک خواب تمہارے ٹوٹ گئے تو
پچھتاؤ گی
سوچ کا سارا اجلا کندن
ضبط کی راکھ میں گھل جائے گا
کچے پکے رشتوں کی خوشبو کا
ریشم کھل جائے گا
تم کیا جانو؟
خواب، سفر کی دھوپ کے تیشے
خواب، ادھوری رات کا دوزخ
خواب خیالوں کا پچھتاوا
خوابوں کا حاصل تنہائی!!
تم کیا جانو
مہنگے خواب خریدنا ہوں تو
آنکھیں بیچنا پڑتی ہیں یا
رشتے بھولنا پڑتے ہیں
اندیشوں کی ریت نہ پھانکو
پیاس کی اوٹ سراب نہ دیکھو
اتنے مہنگے خواب نہ دیکھو
تھک جاؤ گی......!!!

وہ خوابوں کے سفر پر نکلنے ہی لگی تھی کہ دماغ نے فوراً ٹوک دیا۔

"پاگل مت بنو حور عین، صرف چند دن بعد تم تائی کی مظلوم اور بے زبان رعایا میں شامل ہونے والی ہو تمہارے نصیب میں عامر لکھا ہے عامر۔" عامر کا خیال آتے ہی اس نے ٹھنڈی سانس بھری، اسے آگے منافقت بھری زندگی گزارنی تھی۔

☆☆☆

مجھے کیا خبر وہ کیا ہوا مجھے کتنا گہرا خمار تھا
میں کھڑا تھا اس کے حصار میں میرے اردگرد غبار تھا
یونہی سوچتا رہا دیر تک مگر اس کو کچھ نہ بتا سکا
نہ میں پاس اس کو بلا سکا نہ دل کی بات بتا سکا
نہ ہے دشمنی کسی دن سے اب نہ ہے دوستی کسی رات سے
ہے بچا ہی کیا جو وہ لے گیا مجھے چھین کر میری ذات سے
یہ مقام ہی تھا عجیب سا کہ میں خود کو بھی نہ بچا سکا
نہ میں پاس اس کو بلا سکا نہ دل کی بات سنا سکا
وہ جدا بھی کیسے ہوا کہ میں کوئی رسم بھی نہ نبھا سکا
نہ میں پاس اس کو بلا سکا نہ دل کی بات سنا سکا

☆☆☆

عباد جلدی جلدی آفس جانے کے لئے تیار ہوا اور پھر ناشتے کے لئے ڈائننگ ہال میں پہنچا۔

"گڈ مارننگ۔" وہ چیئر کھینچ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

نوریہ حیدر کو پاکستان آئے کئی ہفتے ہو چکے تھے، انہوں نے بہت بار عباد سے اس دن رونے کی وجہ جاننی چاہی پر وہ ہر بار بات گول مول کر جاتا تھا۔

عباد کی دن بہ دن بڑھتی سنجیدگی انہیں پریشان کر رہی تھی وہ اس کی شادی کرنا چاہتی تھیں پر عباد راضی نہیں ہو رہا تھا۔

"تم نے شاپنگ کر لی؟" نوریہ حیدر نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"شاپنگ کیوں؟" عباد نے سوالیہ نظروں سے ماما کو دیکھا۔

"عید میں تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔" نوریہ حیدر نے اسے یاد دلایا۔

"اوہ اچھا۔" عباد نے شکر ادا کیا وہ کچھ اور ہی سمجھا تھا۔

"میرے پاس آل ریڈی اتنے کپڑے ہیں

کوئی بھی پہن لوں گا۔" عباد نے ناشتہ کرتے ہوئے کہا۔
"کیا ہو گیا ہے عباد تمہیں؟ کیوں ماں کو ایسے پریشان کر رہے ہو، پہلے صومیہ کی ٹینشن تھی اب وہ ختم ہوئی تو تم...... کیا حال بنا لیا ہے تم نے اپنا۔" نوریہ حیدر پریشانی سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔
"ماما مجھے کچھ نہیں ہوا، آپ کا وہم......"
"کوئی وہم نہیں ہے مجھے، میں ماں ہوں تمہاری، سب نظر آتا ہے مجھے۔" نوریہ حیدر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
"اوہ ماما...... ریئلی کوئی بات نہیں ہے، آپ پریشان مت ہو، میں آج آفس سے آ کر شاپنگ کر لوں گا۔" وہ رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کھڑا ہو گیا اسے آفس سے دیر ہو رہی تھی۔
نوریہ حیدر بھی بیگ شولڈر پر لٹکاتے ہوئے کھڑی ہو گئیں انہوں نے آج اسکول وقت پر پہنچنا تھا بچوں کے ایگزامز ہو رہے تھے ماما کو اسکول چھوڑنے کے بعد وہ آفس چلا گیا، آفس آ کر اس کا کام میں بالکل دل نہیں لگ رہا تھا۔
"ماما میری وجہ سے پریشان ہیں۔" وہ کوشش کے باوجود اپنے دل کو نہیں سمجھا پا رہا تھا، دل میں اسے پانے کی تمنا آج بھی جوں کی توں برقرار تھی۔
"وہ کسی اور کی ہو چکی ہے پر یہ دل کیوں نہیں مانتا۔" اس نے بے بسی سے سوچا۔
"ہائے میاں مجنوں۔" وہ جلدی جلدی کام سمیٹ رہا تھا جب اظہر کی آواز آئی۔
"چلو تمہیں لینے آیا ہوں۔" اظہر نے چابی گھماتے ہوئے کہا۔
"کہاں؟"
"آنٹی کا حکم تھا کہ تمہیں شاپنگ کروا دوں، ورنہ تم تو آج کل سوگ میں ہو، کہیں عید کے دن بھی کالا جوڑا پہن کر شہر کی گلی گلی گاتے پھرو گے۔"
"اے محبت تیرے انجام پر رونا آیا۔"
"شٹ اپ۔" عباد نے اسے گھورتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ چل پڑا۔
"آئی تھنک تو ان لوگوں میں سے ہے جو کہتے ہیں محبت ایک بار ہوتی ہے تبھی تیری یہ حالت ہو گئی ہے، اپنے بھائی کو دیکھ۔" اظہر نے اپنی طرف اشارہ کیا۔
"جہاں گئے داستان چھوڑ آئے۔" اظہر نے فخر سے کہا۔
"میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے۔" عباد کی خفگی کو نظر انداز کرتے ہوئے اظہر نے گنگناتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کی۔

☆☆☆

ہوا کچھ تو بتا کہ
اس عید پر کس حال میں ہے وہ
اور اس کے پیرہن کا رنگ کیسا ہے
اور اس کے گیسوؤں میں کون سے پھول کا گجرا ہے
اور اس نے عید پر کس رنگ کی مہندی لگائی ہے
کیا اب کے بھی
میری خوشبو ہی سانسوں میں بسائی ہے
ہوا تو کیا بتائے گی
تجھے معلوم ہی کیا ہے؟
کہ اب کی عید پر
اس کی سوچوں پر پہرا ہے

قربانی سے فارغ ہو کر عباد سو گیا تھا، جب اس کی آنکھ کھلی تو شام کے سات بج رہے تھے، وہ ٹیرس پر کھڑا ہوا اسے باتیں کر رہا تھا، میں گیٹ کھلا اور لینڈ کروزر کو اندر ہوتے دیکھ کر عباد فوراً پہچان

گیا، وہ شاہ میر کی گاڑی تھی۔
صومیہ کو گاڑی سے اترتے دیکھ کر عباد کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی، اس کی گود میں چھ ماہ کا شاہ نور رو رہا تھا وہ اسے چپ کرواتے ہوئے ہلکان ہو رہی تھی۔

بھی۔" عباد نے بیزاری سے کہا۔
"تو کرنے والا بن، لڑکیاں بہت، میری تین سالیاں ہے رجا سے چھوٹی بھی ڈاکٹر ہے کہے تو بات چلاؤں؟" اظہر نے رشتے والی ماسی کا انداز اپناتے ہوئے پوچھا۔
"ابھی کچھ عرصے تک میرا موڈ نہیں ہے یار، میں فریش ہو کر بات کرتا ہوں۔" عباد نے فون بند کر دیا اور کپڑے لے کر واش روم میں گھس گیا۔

☆☆☆

"غازی کے بچے کو دیکھو کیسے مٹھار مٹھار کر اپنی سالیوں سے بات کر رہا ہے۔" اس نے ایک نظر اسٹیج پر بیٹھے غازی کو دیکھا اور پھر حور عین کی تلاش میں نظر دوڑائی، لان کے آخری کونے پر فائز کی کسی بات پر بے تحاشا ہنستی نور کو دیکھ کر اس کا دل جل گیا۔
"نور کو بھی میں اب کہاں نظر آؤں گی، شادی کے بعد کتنی بدل گئی ہے میری شادی ہو جائے میں بھی یونہی جاؤں گی۔" وہ سر جھکائے بڑبڑاتے ہوئے چلی جا رہی تھی جب اس کا سر کسی سخت چیز سے ٹکرایا اس کی نظر جیسے ہی کالے بوٹوں پر پڑی وہ شروع ہو گئی۔
"کیا مصیبت ہے اگر ان آنکھوں کا استعمال نہیں کرنا تو کسی کو ڈونیٹ کر دیں۔" عباد حیران ہوا جانا پہچانا لہجہ، جانے پہچانے الفاظ۔
"اگر میں بھی آپ سے یہی کہوں تو......؟"
"ارے عبادت صاحب آپ۔" حور عین نے بے تکلفی سے اس کا نام بگاڑا، عباد کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی پر کچھ دیر کے لئے۔
"آپ کی شادی کیسی چل رہی ہے؟"
"کون سی شادی۔" عباد کے پوچھنے پر اس نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر ہنسی۔

عباد کا موبائل بجا اس نے جیب سے موبائل نکالا، اسے اندازہ تھا اظہر کی کال ہو گی اور اس کا اندازہ بالکل درست تھا۔

''بھائی کچھ دوستوں کی خیر خبر بھی رکھ لیا کر، جس کا غم تو منا رہا ہے اب تک تو تو اس کے بچوں کا ماموں بھی بن چکا ہو گا۔'' اظہر نے ہنستے ہوئے کہا۔

''بکواس مت کر، کام کی بات کر۔'' عباد نے چڑتے ہوئے کہا۔

''کام کی بات یہ ہے غازی کی شادی میں جانے کا کیا پلان ہے، اس کا آج فون بھی آیا تھا کہہ رہا تھا تم اور عباد اسپیشلی انوائیٹڈ ہو دونوں شادیوں میں۔''

عباد کو یاد آیا، دو دن پہلے ہی اسے غازی کی طرف سے کارڈ ملا تھا ایک دن پہلے غازی کی بہن کی شادی اور اگلے دن غازی کا ولیمہ۔

''بہن کی شادی میں تو مشکل ہے البتہ غازی کے ولیمے پر جاؤں گا۔'' عباد نے اپنا ارادہ بتایا۔

''ہاں ٹھیک ہے میرا بھی ارادہ تھا اور ایک بات بتا۔''

''ہاں پوچھ۔''

''سب یار دوست دھڑا دھڑ شادیاں کر رہے ہیں دو ماہ بعد خیر سے تیرا بھائی بھی شادی شدہ مردوں کی فہرست میں شامل ہو جائے گا تیرا کیا ارادہ ہے؟'' اظہر نے اس کا ارادہ جاننا چاہا۔

''جب کوئی ملے گی تو کرلوں گا شادی''

''اچھا وہ شادی۔''

''کیا مطلب؟'' عباد کچھ نہ سمجھا۔

''مطلب یہ کہ وہ شادی تو ہوئی ہی نہیں تھی شادی سے پانچ دن پہلے عامر شمسہ کو لے کر بھاگ گیا تھا اور ان دونوں نے کورٹ میرج کر لی تھی اور آج وہ شمسہ تائی کے گھر پر حکمرانی کر رہی ہے اور آپ یہاں کیسے؟'' حورعین نے خوشی سے اسے شادی نہ ہونے کی وجہ بتائی اور پھر اس کے یہاں آنے کی وجہ پوچھی۔

''میں اپنے دوست کی شادی میں آیا ہوں اور آپ؟'' عباد نے مسکراتے ہوئے پوچھا دل تو چاہ رہا تھا حورعین کی شادی نہ ہونے پر بھنگڑے ڈالے۔

''میں غازی کی بہن ہوں آپ یقیناً غازی کے دوست ہوں گے؟''

''بہن۔'' عباد کو پھر وہ خود سے بہت دور محسوس ہوئی۔

''غازی کی بہن کی شادی ایک دن پہلے ہونی تھی۔'' اسے اپنی سانسیں رکتی محسوس ہوئیں۔

''کل آپ کی شادی تھی؟'' عباد نے بہت مشکلوں سے پوچھا۔

''نہیں۔'' حورعین نے نفی میں سر ہلایا۔

''کل تو نور کی شادی تھی۔''

''یا اللہ تیرا شکر ہے۔'' عباد نے دونوں ہاتھ اٹھا کر باقاعدہ شکر ادا کیا، حورعین حیرت سے آنکھیں پٹپٹا کر اسے دیکھ رہی تھی اس وقت تو اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا پر اگلے دن جب نور یہ حیدر عباد کا رشتہ لے کر آئیں تو اسے سب سمجھ آ گیا۔

دوسرے کمرے میں حورعین خوشی سے بھنگڑے ڈال رہی تھی نورعین اور بھابھی اسے شرم دلانے اور روکنے کی کوششیں کرتے ہوئے خود ہنس ہنس کر بے حال ہو رہی تھیں غازی جو کسی کام سے کمرے میں داخل ہو رہا تھا کمرے کے اندر کا منظر دیکھ کر واپس مڑ گیا اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی وہ حورعین کی مرضی جاننے آیا تھا اور وہ جان گیا تھا کہ اس کی مرضی کیا ہے۔

☆☆☆

"وڈیرے سائیں کا حکم ہے کہ تین دن کے اندر اندر اس سکول کو بند ہو جانا چاہیے، ورنہ اچھا نہیں ہوگا؟" ایک گھنٹے کی لاحاصل بحث کے بعد جب وڈیرے کے تنومند سے چچے نے اسے دھمکی دی تو وہ بھڑک اٹھی۔

"اچھا میں تم سے تمیز سے بات کر رہی ہوں اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم میرے سر چڑھ جاؤ، نہیں ہوتا بند یہ سکول جاؤ جو کرنا ہے کر لو۔" اس کی رگوں میں بھی انہی وڈیروں کا خون تھا، وہ کہاں ڈرنے والی تھی۔

"اور تم تو ذرا مجھے اپنا نام بتا دو، تا کہ آج ابا سائیں کے ہاتھوں تمہارا تو قیمہ بنوا ہی دوں میں۔" خوبصورت چہرے پہ جیسے غصے کی لالی نے قبضہ جمالیا۔

"نہ بی بی سائیں، ہم تو حکم کے غلام ہیں، آپ کے ادا سائیں نے بھیجا، ہماری کیا مجال کہ آپ کے سامنے نگاہ بھی اونچی کر سکیں، ہم تو صرف یہاں کی استانیوں کو یہ سکول بند کرنے کا کہنے آئے تھے۔" دوسرے آدمی نے فوراً گڑگڑا کے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"تو اب دوبارہ کبھی تمہیں تمہارا سائیں یہاں بھیجے تو یہ سوچ کر آنا، کہ تمہاری بی بی بھی اب اسی سکول میں پڑھاتی ہے، اگر کسی نے لڑکیوں کے اس سکول کی طرف میلی نگاہ سے بھی دیکھا تو ابا سائیں کی بندوق اٹھا کے سب کو مار ڈالوں گی۔" وہ غراتی ہوئی بولی اور گھنے پیپل کے پیڑ تلے کھڑی اپنی جیپ میں جا بیٹھی، اس کے روانہ ہونے تک وہ سبھی کارندے سر جھکائے وہیں کھڑے رہے تھے۔

☆☆☆

"بابا سائیں!" کمرے کا بھاری دروازہ آرام سے دھکیلنے کے باوجود بھی اچھی خاصی گڑگڑاہٹ پیدا کر گیا تھا، وہ دبے پاؤں اندھیرے میں داخل ہوتے آہستہ سے پکاری، اسے ڈر تھا کہ اگر بابا سو رہے ہیں تو اس کی وجہ سے ان کی نیند میں خلل نہ پڑے۔

"جی بابا کی جان، آؤ بابا آؤ۔" انہوں نے فوراً ہی آواز دی تھی، اس نے آگے بڑھ کر لائٹ جلا دی تھی، یکا یک ہی سارا کمرہ روشنی سے نہا گیا تھا۔

"کیا بات ہے بابا، آج تو بہت اداس لگ رہا ہے ہمارا کشف، سائیں خیر تو ہے ناں۔" بابا نے اس کے چہرے کو کس قدر جلدی پڑھ لیا تھا، وہ خود بھی حیران تھی، اس کی خوبصورت کالی آنکھوں سے نمکین پانی بہہ نکلا۔

"ارے...... کیا ہوا، بابا بتاؤ تو، میرا تو دل گھبرانے لگا ہے۔" انہوں نے ایکدم سے ہی اپنا سینہ مسلنا شروع کر دیا، کشف ان کے سینے میں سما گئی۔

"بابا سائیں ادا سرور نے آج پھر اپنے آدمی بھیجے تو میرا اسکول بند کرانے کے لئے، آپ تو جانتے ہیں بابا سائیں کتنی مشکلوں سے میں نے یہ سکول کھولا تھا، پر ادا سائیں سرور نے تو جیسے میرا سب کچھ برباد کرنے کی ٹھان لی ہے۔" وہ غم لہجے میں بولی، تو عبدالطیف سومرو نے اسے خود میں بھینچ لیا۔

"تم جانتی ہو بابا، سرور بچپن سے کتنا ضدی ہے، جو چیز ٹھان لے نہ وہ کر کے رہتا ہے، تمہیں یاد نہیں بچپن میں ہر دفعہ تم اپنی چیز اس کی ضد کے لئے چھوڑ دیتی تھی، کہ ادا سرور خفا نہ ہو بس۔"

"مگر بابا سائیں، یہ چیز نہیں ہے، یہ میرا مقصد ہے، مجھے اپنے رب کا اپنے نبی پاک کا فرمان اپنی قوم کی بچیوں تک پہنچانا ہے، انہیں علم کے زیور سے آراستہ کر کے ہر قسم کے حالات کا

مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہونے کے قابل بنانا ہے، پھر ساری عمر میں نے ادا سرور کی ہر ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیئے، تو کیا اس بار وہ میری ضد نہیں مان سکتے۔" وہ خفا تھی۔

"کشف! بابا جب ایک آدمی ضد پہ اڑ جائے نہ تو دوسرے کو سمجھوتہ کر لینا چاہیے بابا، ورنہ بہت نقصان ہوتا ہے۔" عبدالطیف نے اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"بابا...... تم...... تم کہو ناں ادا سائیں سے کہ میری بات مان لے، وہ تمہاری بات ویسے بھی نہیں ٹالتے، بہت ڈرتے ہیں وہ تم سے۔" اس کی آواز میں مان تھا۔

"اگر میرے میں اتنی طاقت ہوتی تو بھلا کوئی میری کشف کو اتنا تنگ کر سکتا بابا۔" انہوں نے اپنے فالج زدہ پیروں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"پر اب تو میں خود اس کے رحم و کرم پہ ہوں، اب تو میں ڈرتا ہوں اس سے، تو میری بات مان لے کشف، چھوڑ دے بابا، یہ علم اپنے تک ہی محدود رکھ، خود کو اور گاؤں کے لوگوں کو کیوں مشکل میں ڈالتی ہو۔" عبدالطیف سومرو نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا، وہ لب کاٹنے لگی۔

"گاؤں کے کئی گھروں کو دھمکا دیا ہے ادا سائیں نے، بچے بھی بہت کم آتے ہیں، اوپر سے استانیاں بھی ڈری سہمی رہتیں ہیں، پر کچھ بھی ہو جائے بابا سائیں میں بھی ادا سائیں کی بہن ہوں، ہار تو میں بھی نہیں مانوں گی۔" جوش سے کہتی وہ پیر پٹختی کمرے سے نکل گئی، عبدالطیف سومرو اس کی لمبی عمر کی دعا مانگتے رہ گئے۔

☆☆☆

"اب تم ہمارے کمی کمینوں سے منہ ماری کرو گی۔" وہ حویلی کے صحن میں بچھی خوبصورت سبز گھاس پہ بیٹھی بانگ درا میں گم تھی، کہ سرور سومرو کی گرجدار آواز نے اسے لرزا دیا، مگر اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"کمی کمین بھی انسان ہوتے ہیں ادا سائیں، ہماری طرح، پھر ان سے منہ ماری میں ہرگز نہ کرتی اگر آپ انہیں میرے سکول نہ بھیجتے۔" اس نے تلخ لہجے میں جواب دیا، نظریں البتہ اب بھی ہری بھری گھاس پہ جمی تھیں۔

"تمہارا سکول کہاں سے آ گیا، وہ سکول اور اس کی زمین و عمارت سب کچھ میرا ہے، میں نے بخشی تھی یہ زمین اس سکول کو۔" انہوں نے رعب سے کہتے ہوئے سامنے رکھی کرسی سنبھال لی۔

"تو اب لینے کے در پہ کیوں ہو رہے ہیں، کیا جاتا ہے آپ کا اگر آپ بچیوں کو اپنی تعلیم حاصل کرنے دیں تو۔" اس نے منت بھری نگاہ ان پہ ڈالی۔

"خود پہ نظر ڈالو، یہ اتنی لمبی زبان ہو گئی ہے تمہاری۔" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اس کی زبان کی پیمائش کی۔

"مردوں کے لہجے میں بات کرتے ہوئے، مردوں کے سامنے ڈٹ جاتی ہو اور کسی کا کوئی خوف نہیں رہا تجھ میں، یہ سب اسی تعلیم کی بدولت ہی ہے ناں۔" انہوں نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

"یہ شعور ہے ادا سائیں، اگر تعلیم حاصل نہ کی ہوتی تو میں بھی ان گنوار لڑکیوں کی طرح بے زبان جانوروں کی طرح اپنی چاروں طرف سے بیگانہ بن جاتی، جو ہے جیسا ہے ٹھیک ہے، بس اسی پہ عمل کرتی اور آنکھیں بند کر کے ساری زندگی گزار دیتی، پر ادا سائیں میرے پاس اب صرف آنکھیں نہیں، بینائی ہی نہیں بلکہ علم کی ایسی روشنی

ہے کہ خود بھی سارے مناظر اور ان کے پس منظر واضح دیکھ سکوں بلکہ لوگوں کے سامنے بھی سچائی لا سکوں، ان کی مدد کر سکوں۔" مضبوط لہجے میں کہتی وہ بھائی کے برابر آ کھڑی ہوئی۔

"خیر مجھے تمہارے یہ لمبے لمبے لیکچر نہیں سننے، میں صرف تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ الیکشن کے وقت بھلے ہی مجھے خود بھی تیرے اس سکول کی ضرورت تھی، پر اب نہیں ہے، بالکل بھی نہیں، اگلے پانچ سال تک تو ویسے بھی میں ہر عمل میں آزاد ہوں، سو اب مجھے یہ عمارت اپنے ڈنگرے مویشیوں کے لئے ضرورت ہے، تو بابا بس اب جان بخشو میری۔" انہوں نے دونوں ہاتھ بہن کے آگے جوڑتے ہوئے کہا، جو ان کا مقصد جان کر تاسف بھری نگاہوں سے انہیں دیکھے جا رہی تھی۔

☆☆☆

"ادی کیا ہو گا اب، وڈیرا سائیں کے بندے تو اب باقاعدہ نگرانی کرنے لگے ہیں سکول کی، بچے بھی بہت کم آتے ہیں ڈرے، کچھ کو والدین نہیں بھیجتے، سچ کہوں تو مجھے بھی بابا نے سختی سے منع کیا ہے اب سکول آنے سے مگر میں ہی نہیں مانتی، یہ سچ کہوں ادی، میرا ابھی دل ہولتا رہتا ہے ڈر سے۔" کنیز اکبر اس کے گاؤں کی واحد میٹرک پاس لڑکی تھی، جو اپنے چاچا کے پاس شہر سے میٹرک کر کے آئی تھی، اس کے علاوہ بس دو تین لڑکیاں ہی تھیں جنہوں نے مڈل تک تعلیم حاصل کی تھی، باقی تو پرائمری تک ہی محدود تھیں اور اب تو پرائمری تک کے لالے پڑے ہوئے تھے۔

کشف کی پرسوچ افسردہ آنکھیں دور نیلے آسمانوں کی وسعتوں میں جیسے کچھ تلاش کر رہی ہیں، وہ جتنا اس مسئلے کے بارے میں سوچتی اتنا ہی الجھتی جا رہی تھی، اسے اپنی قسمت پہ غصہ تھا کہ اگر بابا اس وقت ٹھیک ہوتے تو کوئی اسے کچھ نہ کہہ سکتا تھا، مگر بابا، وہ تو خود اب دوسروں کے محتاج ہو چکے تھے، وہ مایوسی سے کنیز کی طرف دیکھنے لگی۔

"پتہ نہیں کنیز، میں تو سوچ سوچ کے تھک گئی ہوں، میں نے کبھی پڑھا تھا، کہ دنیا میں کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کا حل نہ ہو، مگر صرف اللہ پہ بھروسہ رکھنا چاہتے اور ہمت نہیں ہارنی چاہیے، مگر اب تو لگتا ہے جیسے خود میری ہمت جواب دے رہی ہے، لگتا ہے جیسے دوسروں کی ہمت بندھاتے بندھاتے میرے اندر ہمت کی شدید کمی ہونے لگی"

"ہمارے پاس مزید دو دن ہیں وڈیرن، مجھے پورا یقین ہے اللہ ہماری مدد کرے گا، معجزے کے لئے تو بس ایک پل چاہیے ہوتا ہے کہاں دو دن، اللہ سائیں ضرور کوئی معجزہ دکھائے گا، کوئی نہ کوئی راہ ضرور دکھا دے گا ہمیں ہمارا رب۔" شفق نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے پرامید لہجے میں کہا تھا، کنیز اکبر نے بھی اس کی تائید میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

اچانک ہونے والی تیز روشنی نے اس کی آنکھیں چندھیا دیں تھیں، وہ تیزی سے آنکھوں پہ ہاتھ رکھ گئی۔

"اتنے اندھیرے میں کیوں بیٹھی ہو، بابا سائیں تو ابھی زندہ ہیں اور کون مر گیا تمہارا۔" کشف کا دل دھک سے رہ گیا تھا ان کے اس قدر سخت لہجے پہ، اسے شک سا ہوا کہ کیا سچ میں وہ اس کے سگے بھائی تھے یا......

"بتا نہ کس بات کا اتنا رونا مچا رکھا ہے، صبح سے کمرے میں بند پڑی ہے ادھر بابا سائیں چلا چلا کر میرا سر کھا گئے ہیں۔" ان کی بات پہ کشف

کو مزید تاسف نے گھیر لیا، واقعی وہ اپنی پریشانی میں بابا سائیں کو بالکل ہی بھول گئی تھی، وہ سوچ سکتی تھی بابا کس قدر پریشان ہوئے ہونگے اس کو نہ پا کے، وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بہت پیار ہے تجھے اپنے سکول سے۔'' اسے چلتا دیکھ کر وہ اس کی راہ میں آ گئے، وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

''کتنا؟'' پھر سوال آیا۔

''اپنی جان سے بھی زیادہ ادا سائیں۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''ہم، تو پھر میں تیرے ساتھ کچھ نرمی کر سکتا ہوں۔'' سرور سومرو نے مونچھوں کو بل دیتے ہوئے کہا تو وہ جو کمرے سے نکلنے لگی تھی ٹھٹک کے رک گئی۔

''تو میرے ساتھ سودا کر لے۔'' وہ اس کے قریب آئے۔

''کیسا سودا؟'' وہ حیران تھی۔

''تو جائیداد میں سے اپنا حصہ میرے نام کر دے، میں تجھے تحریری بیان دینے کے لئے تیار ہوں، تیری، سکول اور عمارت کی حفاظت میرے ذمہ۔'' ان کے لہجے کے ساتھ ان کی آنکھوں سے بھی لالچ ٹپک رہا تھا، وہ سوچنے لگی۔

''ٹھیک ہے مگر پوری نہیں آدھی، جب میں دیکھوں گی اگلے چار پانچ سال تک تم آرام سے میرا اسکول چلنے دیتے ہو اور کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتے تو بے شک مجھے ساری زمین بھی تمہارے نام کرنے میں کوئی عار یا ہچکچاہٹ نہیں ہے۔'' اس نے اٹل لہجے میں کہتے ہوئے قدم باہر کی جانب بڑھائے، سرور سومرو کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''مگر یہ بھی وعدہ کر کہ اگر اس دوران تیری شادی ہو گئی تب بھی تو مکر نہیں جائے گی۔'' ان کے رال ٹپکاتے لہجے پہ کشف نے ان پہ ایک نم نگاہ ڈالی تھی۔

''ہرگز نہیں، تم کاغذات بنواؤ ادا سائیں، میں کل ہی اپنی آدھی جائیداد تمہارے نام کر دوں گی، مگر تمہیں پہلے سکول کی زمین والے، کاغذات میرے حوالے کرنا ہوں گے۔''

''چل منظور ہے، میں منگواتا ہوں پھر کاغذ۔'' خوشی سے کہتے وہ تیزی سے باہر نکل گئے، کشف کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، اپنا مشن مکمل ہونے پہ اور اسکول بچ جانے پہ بھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنے سگے بھائی کی حقیقت کھلنے پہ بھی۔

وہ اپنے فیصلے پہ دل سے خوش تھی، وہ ساری زمین بھی اپنے بھائی کے نام کر دیتی اپنے سکول کے لئے، مگر بھائی کے لالچی روپ نے اس کا اعتبار گھائل کر دیا تھا، وہ اب ان پہ اعتبار نہیں کر سکتی تھی، تبھی اپنی آدھی جائیداد ہی ان کے نام کرنے پہ راضی ہوئی تھی، آدھی اس نے سکول کی تعمیر و ترقی، مشروط کر دی تھی، باقی سب کچھ اس نے خدا پہ چھوڑ دیا تھا۔

اسے بس علم کی شمع روشن کرنی تھی، اپنے گاؤں کے لوگوں میں، اسے اپنے خدا اور رسول کے حکم کی تعمیل کرنی تھی اور اسے پورا یقین تھا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ اس راہ پہ اس کے حامی و ناصر ہیں۔

خودی کا سر نہاں لاالہ الا اللہ
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

دھیرے سے گنگناتی وہ اپنے بابا سائیں کے کمرے کی طرف بڑھ گئی، ان کو بھی اپنی خوشی میں شریک کرنے کے لئے۔

☆☆☆

اک جہاں اور بھی ہے

سدرۃ المنتہیٰ

''انسان خدا کے ساتھ ایک عجیب تعلق کے ساتھ جڑا ہوا ہے، وہ عجیب تعلق کیا ہے؟'' اس شخص نے فنکار کی آنکھوں میں تیرتے رنگوں میں سے ایک رنگ دیکھ لیا تھا۔

''منصور کو منصور ہی پہچان سکتا ہے۔'' فنکار نے نظریں چرالیں تھیں۔

''رازعیاں کرنے کی سزا کڑی ہوئی ہے، خدا کہتا ہے پہلے مجھے راضی کرلو، پھر میں بھی تمہیں راضی کرلوں گا، مگر انسان بھی اسی کا بندہ ہے وہ بھی کہتا ہے یا اللہ پہلے تو مجھے راضی کرلے پھر میں بھی تمہیں راضی کرلوں گا۔'' فنکار بات کرتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا یہ بات کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر ایسی ہی عجیب مسکراہٹ درآئی تھی۔

''کامیاب پھر کون ہوتا ہے۔'' اس نے بھی فنکار کی طرح پتھریلے میدانوں کو دیکھنا شروع کردیا تھا۔

''اگر میں کہوں کوئی بھی نہیں تو......؟'' فنکار قہقہہ مار کر ہنس پڑا تھا۔

''اور اگر دونوں کامیاب رہیں تو؟ ویسے بندے کا کیا مقابلہ رب سے، رب کو جو پسند وہی ہوتا ہے۔'' اس شخص کے لہجے میں کچھ شکایت تھی۔

''بیچ کا راستہ اپنالو جسے شارٹ کٹ کہتے ہیں۔'' فنکار اس شخص کے چہرے پر نظریں جمائے بولا۔

ایک رنگ تو اس نے بھی دیکھا تھا۔ (منصور کو منصور جان لیتا ہے)

"وہ کون سا رستہ ہوتا ہے۔" وہ شخص سنجیدہ تھا۔

"بے خودی کا۔" فنکار نے کہنا کچھ اور چاہا تھا کہہ کچھ اور دیا تھا۔

"ایک بات کہوں میرے لئے دعا کرو کہ میں وہ پالوں جو چاہتا ہوں۔" اس شخص کی آنکھوں میں حسرت کروٹ لے کر بیدار ہوئی تھی۔

فنکار سمجھ گیا بس یہی کمی تھی، وہ سفر میں تھا ابھی رستہ باقی تھا، اسی لمحے فنکار کو احساس ہوا کہ وہ ان سارے خاردار رستوں سے گزر آیا ہے، اس لئے وہ اس کے دل کی کیفیت جاننے کا دعویٰ کر سکتا تھا۔

"میں بہت بے چین ہوں، نہیں جانتا زندگی اور بقاء میں سے کس کا انتخاب کروں۔" اس شخص نے عجیب لوجیکل بات کر دی تھی، جس نے زندگی اور بقاء کے درجے کو الگ کر دیا تھا۔

"تم فیصلے کے مرحلے میں ہو؟ تمہاری اور تقدیر کی جنگ جاری ہے، سنو اس کیفیت میں میرے لئے ایک دعا کرو گے؟" فنکار ذرا آگے کو کھسک کر رازدارانہ انداز میں بولا تھا۔

"میں (کیا میں اس قابل ہوں؟)" اس شخص کے لہجے میں حیرت تھی، وہ خود بھی فنکار کی طرح اسے بہت بڑی ہستی سمجھ رہا تھا، اس کی اس بات پر بوکھلا سا گیا۔

"ہاں دعا موت کی دعا۔" اب کے فنکار نے سرگوشی کی تھی۔

"بیزار ہو گئے ہو زندگی سے؟" اس شخص کا لہجہ بھی ویسا ہی تھا۔

"یہی سمجھ لو۔" فنکار سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

"انسان بھی بڑا مطلبی ہے، جب جینا چاہتا ہے تو زندگی کی دعا کرتا ہے، جب جینا نہیں چاہتا تو موت مانگتا ہے، یہ بھی اللہ کی مرضی پر نہ مرنا چاہتا ہے نہ جینا، مگر ہائے تقدیر کہ اسے کرنا ہے ابھی وہی ہے جو رب چاہتا ہے، شاید یہ انسان کی مجبوری ہے۔" وہ شخص اپنے ساتھ ساتھ فنکار کی حالت پر بھی طنز کر رہا تھا۔

"سچ کہتے ہو، اگر موت اور زندگی کا راز اللہ انسان کو بتا دے تو...... انسان بڑی ذلیل فطرت رکھتا ہے، وہ کھیلنا چاہتا ہے سب سے، خود سے بھی، کھیلنا شاید اچھا ثابت ہوتا ہے مگر اس دوران انسان کھپ جاتا ہے بری طرح۔" فنکار کو کچھ چیزوں نے ابھی تک الجھا رکھا تھا۔

"اللہ کیسے پل میں ساری طاقت دے کر چھین لیتا ہے۔" وہ شخص فنکار کے لہجے کی تبدیلی پر ہنستا ہی رہ گیا تھا، دو منٹ پہلے نظر آنی والی عظیم ہستی اب ایک الجھے ہوئے پریشان حال انسان کا عکس تھی۔

"ساری طاقتیں خدا کی ہوتی ہیں جب چاہے دے اور جب چاہے لے لے۔" وہ فنکار کی ہنسی کا مطلب سمجھ گیا تھا، اس کی ہنس یکدم رک گئی تھی۔

"میرے لئے دعا کرنا، مجھے اب اصل والی موت آجائے۔"

"تم موت کیوں مانگتے ہو؟"

"اللہ سے ملنا چاہتا ہوں۔" فنکار کے لہجے میں پیاس تھی، فنکار پیاسا تھا۔

"اگر فرض کرو وہ تب بھی نہ ملے تو؟" لمحے بھر کے لئے فنکار کا دل دھک رہ گیا تھا پھر وہ یکدم سنبھلا تھا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ابھر آئی تھی، وہ شخص یہ کیفیت جاننے سے قاصر تھا۔

"بھٹائی کے ایک شعر کا مفہوم بتاتا ہوں، وہ کہتا ہے اپنے ساجن سے، یعنی اللہ سے، کہ میں تمہیں ڈھونڈتا رہوں پر تم مجھے کبھی مت ملنا وہ اس لئے کہ تمہارے ملنے سے میری تڑپ تھم جائے گی رک جائے گی، بھٹائی محبت میں ذرا کمی برداشت نہیں کرتا۔" فنکار اور اس شخص نے ایک دوسرے کو بہت غور سے دیکھا تھا اور دونوں ایک ہی وقت میں مسکرائے تھے یہ مسکراہٹ بڑی اثر خیز تھی۔

"کتنا ڈھونڈا ہے اسے؟" شخص مذاق کر رہا تھا۔

"بہت ڈھونڈا ہے، اب دوسری دنیا کی خاک چھاننا چاہتا ہوں۔"

"ہو سکتا ہے وہ تمہیں یہیں مل جائے مرنے سے پہلے۔"

"ایسا ہو سکتا ہے؟" فنکار کی تشنگی لہجے سے عیاں تھی، وہ اس بے چینی پر پھر ہنس دیا تھا۔

"ابھی نہیں، وہ چاہتا ہے تم دنیاوی خواہشوں سے پاک ہو جاؤ، ابھی اٹکے ہوئے ہو، تمہاری ایک دعا اٹکی ہے وہ پوری ہونے والی ہے، ابھی کچھ وقت ہے۔"

"کتنا اور کیا دعا مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا، تم بتاؤ تم بہت علم رکھتے ہو۔" فنکار اب اس کے سامنے جھکا تھا، فنکار کا فن ادھورا تھا۔

"مجھے مت جانو، تم تو رب کی تلاش میں نکلے ہو۔" وہ شخص پھر مسکرایا تھا۔

"نہیں جانتا منزل کہاں ہے، کتنا جیوں گا وہ ہر دفعہ موت کا پیغام بھیجتا ہے، مگر پھر فلائٹ کینسل ہو جاتی ہے۔" فنکار کے چہرے سے مایوسی عیاں تھی۔

"موت کے پیغام ملتے ہیں تمہیں؟" وہ شخص سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

"ہاں بہت دفعہ کبھی خواب میں کبھی جاگتے میں کوئی کان میں کچھ کہہ جاتا ہے، شیطان ہے یا فرشتہ دونوں مل کر ستا رہے ہیں مجھے، حالانکہ میں شارٹ کٹ کی تلاش میں ہوں، بے خودی کا عالم، اوف بس آٹھ ماہ نو دن، بہت کم وقت ہے تمہارے پاس۔" اس شخص کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا تھا۔

"آٹھ ماہ نو دن، میری زندگی کا وقت بتا رہے ہو؟ سچ بتاؤ تمہیں کیسے پتہ؟"

"بہت دنوں سے پتہ ہے، مجھے اسی لئے بھیجا گیا ہے تم کل بہت ضد کی تھی کہ تمہیں اوقات معلوم ہوں، جبکہ تم جانتے بھی ہو کہ موت کی آگہی قرار چھین لیتی ہے، تمہیں چاہیے کہ تم زندگی کی دعا مانگ لو، کیونکہ عنقریب تم زندگی سے محبت کرنے لگو گے، پھر تمہیں موت سے وحشت ہونے لگے گی، کیسے مرو گے پھر تم؟"

"کیسا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں پہلے مر جاؤں؟"

"نہیں، تمہاری دعائیں تمہاری رکاوٹ بنی ہوئی ہیں، جو قبول ہو چکی ہیں۔" شخص کے چہرے پر سختی تھی۔

"مگر وہ میری پرانی دعائیں ہو گئیں، اب دراصل مجھے کچھ اور ہی چاہیے، دیکھو تم سفارش کرو نا۔"

"صرف نو دن کی سفارش کر سکتا ہوں کہ وہ تمہارے نو دن اور بڑھا لے۔"

"میں گھٹانے کی بات کر رہا ہوں۔" عجیب بے بسی تھی۔

"مگر کل تم بڑھانے کی بات کرو گے۔"

"میں نہیں کروں گا۔" وہ بضد تھا۔

"تم خود کی گارنٹی دے رہے ہو۔" وہ شخص فنکار سے بھی چند سال عمر میں چھوٹا ہوگا جو فنکار کو ایسے ڈانٹ رہا تھا جیسے کوئی استاد شاگرد کو ڈانٹتا ہے۔

"میرا انتظار، کیا ہوگا اس انتظار کا۔" فنکار نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی، ریل گاڑی چھک چھک کرتی ہوئی تیزی سے سفر طے کررہی تھی، جبکہ فنکار کو لگا اس کا سفر جیسے رک سا گیا ہو۔

"تمہیں بہت دنوں سے شکایت تھی کہ خط کا جواب نہیں ملتا، تو مل گیا۔" وہ شخص اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"تم کہاں جارہے ہو مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔"

"تمہاری اطلاع کے مطابق میرا وقت ہوگیا ہے جانے کا، بہت بے چینی تھی تم سے ملنے کی مجھے مل لیا اور ہاں اس سے پہلے تمہیں یہ بتاؤں کہ میں ایک آم سا انسان ہوں، تمہاری طرح حسرتوں میں گھرا ہوا خواہشوں کا غلام، یہ ساری باتیں تمہیں بتانا لازمی تھیں، مجھے اپنے سفر کا آخری پڑاؤ دیکھنا ہے اب یہ مت کہنا کہ میری کیا حسرتیں ہیں، تمہیں اور ایک اہم بات بتاؤں تمہارے دکھ اب نہیں رہیں گے۔" وہ بات ختم کرکے مڑا تھا۔

"سنو میری بات سنو کیا ہم پھر ملیں گے۔" فنکار اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"انشاء اللہ۔" اس نے اس کا کندھا تھپتھپایا تھا مسکرا کر پھر دروازے کی جانب بڑھ گیا، فنکار سمیت بہت لوگوں نے دیکھا اس نے چلتی ہوئی ٹرین کے دروازے سے چھلانگ لگائی اور اسی چھلانگ کے ساتھ وہ شخص غائب ہوگیا تھا، فنکار اپنی کھڑکی سے باہر بڑی بے چینی سے دیکھنے لگا تھا، تقریباً دس پندرہ منٹ بعد اس نے کھڑکی سے اس شخص کی پھر ایک جھلک دیکھی تھی مگر اب کی بار اس کا حلیہ تبدیل تھا۔

"اوہ...... تم وہی ہو...... تم تو وہی ہو۔" وہ پھر غائب تھا، فنکار نے سیٹ سے ٹیک لگالی تھی اس کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو نکل کر داڑھی کے بالوں میں جذب ہوگئے تھے، فنکار بہت عرصے بعد رویا تھا اور شدت کے ساتھ رویا تھا۔

☆☆☆

یہی فون کال اگر اسے چند سال پہلے موصول ہوتی تو کسی کی زندگی بدل جاتی تھی، پچھلے کئی منٹ سے وہ اسی فون اسٹینڈ کے پاس کھڑی یہی سوچ رہی تھی۔

"کس کا فون تھا۔" وہ دوپٹے کے پلو سے ہاتھ خشک کرتے ہوئے کچن سے باہر آئیں تھیں۔

"حنان کا فون تھا نہ۔" اس کی خاموشی سے انہیں یہی لگ رہا تھا۔

"بگڑ رہا ہوگا اور تم نے بات نہیں کی ہوگی، ٹال دیا ہوگا۔"

(اس گھر میں حنان کے علاوہ بھی کبھی کسی کا فون آسکتا ہے) اس نے ان دیکھا۔

"اس کا فون نہیں تھا۔" وہ ریسور رکھ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

"پھر زبیدہ ہوگی، یا عدنان، تم پریشان کیوں ہو آخر۔" ان کی یہ عادت تھی کہ کسی بھی معاملے میں صبر ان کے لئے ایک مشکل کام تھا۔

"میں پریشان نہیں ہوں، ادبی بورڈ کے دفتر سے فون تھا۔"

تم نے پھر یہ فضول کام شروع کردیا ہے کہانیاں لکھنے کا۔"

"وہ مجھے جاب دے رہے ہیں، اسسٹنٹ ایڈیٹر کی جاب۔" یہ خبر اس نے عجیب کیفیت میں سنائی تھی۔

"کیا...... واقعی...... تمہیں یہ کس نے بتایا۔" دو پل میں ان کے تاثرات بدلے تھے۔

"ظاہر ہے وہیں سے فون آیا تھا چیئرمین کا۔"

"تو تم نے کیا کہا، سیلری کتنی ہوگی؟ جوائن کب سے کرنا ہوگا؟" ان کو اس سے زیادہ جلدی تھی جیسے لاٹری نکلنے کی خبر ملی تھی۔

"سوچ کر بتاؤں گی، جب فائنل ہوگا تو تفصیل پوچھ لوں گی۔" وہ بیزاری سے کرسی دھکیل کر اٹھی تھی۔

"تم نے یہ کہا، کہ تم سوچ کر بتاؤ گی تم پاگل ہو کیا؟ کتنے سال جوتیاں چٹخا کر یہ دن آیا ہے اور تم...... تم پاگل تو نہیں ہو امرت تمہیں چاہیے تھا کہ تم جانے کی ٹائمنگ پوچھ کر چلی جاتیں۔" وہ جیسے صدمے سے گنگ تھیں یہ چند لمحوں میں تیسری کیفیت تھی۔

"جب مجھے ضرورت تھی تو انہوں نے بھی یہی کہا تھا کہ سوچ کر بتائیں گے آج ان کو ضرورت ہے میری تو کیا مجھے بغیر سوچے ان کے سامنے خوشی کا اظہار کردینا چاہیے؟" وہ کمرے کی طرف جاتے ہوئے رکی تھی۔

"ہمیں تو اب بھی ضرورت ہے بیٹا، تم آئی ہوئی روزی کو ٹھکراؤ تو مت تمہیں پتہ ہے اس سے ہمارے خصوصاً تمہارے کتنے مسئلے حل ہوسکتے ہیں، امرت بیٹا یہ تو کفران نعمت ہے۔"

"امی خدا کے لئے میں نے ابھی انکار نہیں کیا بے فکر رہیں سوچنے کے لئے وقت مانگا ہے۔" اسے پتا تھا انہوں نے اب اک لمحہ بھی چین نہیں لینا نہ لینے دینا ہے۔

"مگر تمہارے سوچنے تک اگر انہوں نے کسی اور کو رکھ لیا تو......" خدشے کچھ کم نہ تھے۔

"تو آپ کیا سمجھتی ہیں میں ان کی پہلی خواہش ہوں، کتنوں کے انکار کے بعد انہوں نے مجھے چنا ہے تو ان کو میری ضرورت ہوگی۔"

"پھر بھی اگر ایسا ہوا تو یہ میرا نصیب، ویسے بھی اب بڑی بڑی امیدیں رکھنا چھوڑ دی ہیں میں نے کسی سے بھی۔" اس کے لہجے میں رکھائی اور بیزاری تھی بات مکمل کرکے وہ کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔

"دیکھو امرت میری بات سنو، تم کل ہی جاؤ۔" وہ اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں آئیں تھیں۔

"ابھی چلی جاؤں؟"

"کوئی حرج بھی نہیں ہے، میں تمہارے کپڑے پریس کردیتی ہوں تم فریش ہوجاؤ۔"

"آج کے بعد کل بھی آنا ہے۔" وہ نارمل سے انداز میں سرہانے تکیہ رکھ کر لیٹ گئی۔

"کل تو سنڈے ہے مگر۔" ان کی نظر سیدھی کیلنڈر پر تھی۔

"امرت، یہ موقع ہاتھ سے نہ جانے دینا۔" ان کے لہجے میں عجب بے بسی تھی۔

"کسی کے منہ کا نوالہ کوئی نہیں چھین سکتا، جس رزق پر ہمارا نام ہے وہ ہمارا ہی ہوتا ہے، اگر یہ جاب مجھے ملنی ہوگی تو ضرور ملے گی۔" اسے احساس تھا کہ یہ جاب اس کے لئے کتنی اہمیت رکھتی ہے مگر

اسے وہ خوشی شاید ہی ملتی جو اس کے گمان میں ہوتی تھی کبھی۔

"بندہ بھی کیا مجبور ہوتا ہے، یہی دعا کروں گی یہ نوکری تمہیں ضرور ملے۔"

"ٹھیک ہے، مگر ابھی کسی کو بتایئے گا نہیں جب تک سب کچھ طے نہیں ہوتا۔"

"ٹھیک ہے جو تم کہو، کھانا نہیں کھاؤ گی۔"

"ابھی سونا ہے جب بھوک لگے گی کھا لوں گی۔" اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا، دل کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی، وہ تسلی ہونے پر خاموشی سے لائٹ آف کر کے دروازہ بند کر کے چلی گئیں تھیں۔

"قسمت بدل جائے گی، دیکھیں کیا کچھ بدل جاتا ہے، اب کیا ہوگا، جو بدلنا تھا سو بدل کر رہا۔" اس نے عقل کی آواز پر ملامت کی تھی۔

"صرف دو ہزار کی بات، دس ہزار چاہئیں، ایک ہزار ہی دے دیں، صرف ایک ہزار؟ پیسہ زندگی میں کتنا ذلیل کرتا ہے بندے کو، زندگی خریدی جاتی ہے پیسے سے۔" صرف چند ہزار کی بات تھی، اس دن اس کے گھر میں کھانا نہیں پکا تھا، اس دن کے بعد اس نے کھانا کھانا چھوڑ دیا۔

"عجیب وقتوں کی عجیب اذیتیں۔" اس کی بند آنکھوں کے بند ٹوٹنے لگے تھے۔

"جب مجھے جاب ملے تو میں تمہارا علاج کرواؤں گی، پھل لاؤں گی، دوائیاں لاؤں گی تیرے لئے، دیکھو دعا کرو، جاب مل جائے ادبی بورڈ کی جاب مل جائے، ہیلپر کی، پھر ایک دن اسسٹنٹ لگوں گی پھر ایڈیٹر پھر سیکرٹری، پھر کہو چیئر مین اور پھر مالک...... ہاہا...... ہاہا...... دعا تو کر دینا، پر لگ جائیں گے پلیز پلیز۔"

"دعا کر دی ہے، تمہیں یہ جاب ضرور ملے گی، کب مگر ملے گی ہی اس ملازمت پر تمہارا نام لکھا ہوا ہے، کل میں چرچ گئی تھی، تمہارے لئے، پتہ ہے پچھلے کئی سالوں سے میں چرچ نہیں گئی، تمہارے لئے گئی تھی۔" اس کے کانوں میں وہی آواز تھی۔

"میں نے تمہارے لئے دعا کی تھی۔"

"تم ہو کہاں؟" آنسو بہت بے قرار تھے، کچھ دیر میں ڈھیروں سوالوں جوابوں سمیت وہ نیند میں تھی۔

☆☆☆

"میں جب سے یہاں آیا ہوں یہ پہلی فون کی گھنٹی بجی ہے، مجھے یقین ہے یہ تم ہی ہو، حالار میری جان۔" خود کلامی فنکار کی پرانی عادت تھی وہ خود کو تسلی دیتا فون اسٹینڈ تک آیا تھا اور بڑی بے قراری سے فون اٹھایا تھا۔

"ہیلو حالار تم ہی ہو نا۔" لہجہ بڑا بے قرار تھا۔

"جی بابا میں ہی ہوں، آپ کیسے ہیں؟" دوسری طرف قدرے تحمل سے جواب دیا گیا تھا۔

"حالار تم کب آ رہے ہو؟" بے چینی برقرار تھی۔

"بابا آپ کی طبیعت کیسی ہے، آپ پہنچ گئے خیرت سے کیسا لگا آپ کو اپنا شہر بہت یادیں تازہ ہوئی ہونگی۔" لہجہ ہشاش بشاش تھا۔

"میری طبیعت بالکل ٹھیک ہے بلکہ ضرورت سے زیادہ ٹھیک ہے، میں نے اپنے شہر کو جی بھر کر نہیں

دیکھا ابھی، اس کے لئے میرے پاس بہت وقت ہے، آٹھ ماہ کچھ کم نہیں ہوتے، تم یہ بتاؤ تم کب آ رہے ہو۔" فنکار کو پتہ تھا جب تک اس کے سوالوں کے جواب نہ دیئے جائیں تب تک حالار کوئی جواب نہیں دیتا، فنکار کا بیٹا فنکار جیسا ہی تھا۔

"مجھے شاید آٹھ نو ماہ لگ جائیں آپ کو کیسے پتہ چلا کہ آٹھ ماہ تک میرا آنا مشکل ہے۔" وہ حیران نہیں ہوا تھا کیونکہ فنکار کے ساتھ رہتے ہوئے اس نے حیران ہونا چھوڑ دیا تھا، بس فکر بہت رہتی تھی اسے اپنے باپ کی، کیونکہ اس کا باپ ایک اعلیٰ پائے کا فنکار تھا، جسے کسی ایک ہنر میں نہیں بہت سی چیزوں میں فنکارانہ عبور حاصل تھا۔

"حالار تم آٹھ ماہ بعد آؤ گے تو میرے پاس تمہارے ساتھ گزارنے کے لئے صرف چند دن ہی بچیں گے، تم اس سے پہلے آ جاؤ، میری ایک خواہش یہ بھی ہے کہ ہم اپنے شہر کی اکٹھے سیر کریں، وہ بھی تانگے پہ بیٹھ کر، میں تمہیں نیرون کوٹ بھی لے جاؤں گا اور ہم شاہ لطیف ڈیری کی ربڑی بھی کھائیں گے، میروں کے قبرستان چلیں گے، ٹھیلے سے حلیم کھائیں گے اور بہت ساری کتابیں بہت سارے سی ڈی پلیئر خریدیں گے، تم آ جاؤ نا حالار۔" فنکار حالار کو بچوں کی طرح چیزوں کا لالچ دے کر چمکار رہا تھا۔

(حالار کے بابا یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ حالار بڑا ہو گیا ہے، وہ چیزوں سے نہیں بہلنے والا......)

"بابا ہم ضرور یہ سارے کام کریں گے، مگر میری مجبوری ہے، میں اس سے پہلے نہیں لوٹ سکتا، میری محنت ضائع ہو جائے گی، صرف آٹھ ماہ کے بعد ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے اور ہمارے پاس بہت وقت ہوگا اس کے بعد میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا، آپ جو کہیں گے وہ کروں گا، بس صرف آٹھ ماہ۔" حالار اب فنکار کو بچوں کی طرح بہلاتا رہا تھا، یہ الٹی گنتی تھی، پہلے ماں باپ جو سلوک کرتے ہیں بچوں کے ساتھ وہی تاریخ بچے دہراتے ہیں جب وہ بڑے ہوتے ہیں اور ان کے ماں باپ بوڑھے ہوتے ہیں۔

"حالار...... مجھے بہلانا چھوڑ دو، میں بچہ نہیں ہوں اب۔" یہ وہی جملہ تھا جو کبھی حالار نے فنکار کو کہا تھا، اب سننا اس کی باری تھی۔

"میرے پیارے بابا، میرے اچھے بابا میرے دوست میرے یار، میری بات سنو، میں یہ سب تمہارے لئے کر رہا ہوں، اتنی محنت، کل تمہیں بٹھا کر کھلاؤں گا، مجھے اپنی مدت پوری کرنے دو، پھر ہم ساتھ ہونگے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔"

فنکار کو حالار کا بچپن یاد تھا جب وہ یہ سب کہا جاتا تھا اس سے، سچ کہتے ہیں اولاد صرف دکھ دیتی ہے، فنکار نے گلوگیر لہجے میں کہا تھا اور کہہ کر فون بند کر دیا۔

فون پھر سے بجنے لگا تھا، ایک بار، دوسری بار، تیسری بار، ٹن ٹن ٹن، وہی پرانی بیل تھی اس پی ٹی سی ایل فون کی۔

"کیا مسئلہ ہے بھائی صاحب کون ہیں آپ؟ کیوں تنگ کر رہے ہیں۔" فنکار کے لہجے میں مصنوعی رعب تھا در پردہ شکایت تھی۔

"ہاہاہا۔" حالار بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"یہاں ایک بچہ رہتا ہے جسے منانا ہے، جو بات بات پر روٹھ جاتا ہے۔"

''حالار اپنی زبان کو سدھارو۔'' انہوں نے رعب ڈالنے کی کوشش کی تھی اس پر گو کہ اندازہ تھا یہ کوشش اس کا کچھ خاص نہیں بگاڑ سکتی۔
''میرے محترمہ بابا صاحب، معافی چاہتا ہوں گستاخی کی، آپ راضی ہوں تو کچھ عرض کروں۔'' جان بوجھ کر مسکراہٹ دبا کر لہجہ عاجزانہ بنایا گیا۔
''حالار مجھے سنجیدگی سے لینا شروع کر دو، اسی طرح تم میرے حال پر رحم کر سکو گے۔'' فنکار خود عاجزی کا پیکر تھا۔
''حکم کریں۔'' حالار کچھ سنجیدہ تھا۔
''میرے پاس بہت کم وقت ہے سمجھنے کی کوشش کرو تم۔'' فنکار کا لہجہ عجیب تھا، اب کہ۔
''بابا آپ کو پھر وہ دورہ پڑا ہے۔'' حالار نے سات سمندر پار بیٹھے ہنکارا ابھرا تھا۔
''حالار تم کیوں نہیں سمجھ رہے۔'' وہ بری طرح زچ ہو گئے تھے۔
''میرے بابا یہی سوال میرا آپ سے ہوگا کہیے۔''
''میں جب نہیں رہوں گا تو تمہیں احساس ہوگا۔''
''اس کے علاوہ کوئی اور بات کریں، یقیناً آج کل فارغ ہیں آپ، تو ایک کام کریں، وہ جو دوست ہیں نا آپ کا پروفیسر صاحب اس کو آپ کے پیچھے لگا دیتا ہوں۔'' حالار کو ایک شرارت سوجھی تھی۔
''خبردار حالار جو تم نے ایسا کچھ کیا تو، تمہیں پتہ ہے وہ ایک کان سے نہیں سنتا، آڑو بہت کھاتا ہے اور مسلسل بولتا رہتا ہے، اس سے بہتر ہوگا میں یہ شہر ہی چھوڑ دوں۔'' حالار ایک دفعہ پھر ہنسا تھا۔
''تم سے بات کرنے سے یہ بہتر ہے کہ بندہ فون کی لائن کاٹ دے۔''
''اس سے آپ کا ہی نقصان ہوگا ڈیئر فادر...... حالار تو چین کی نیند سوئے گا پھر بھی......'' اسے پتہ تھا وہ یہ کام نہیں کر پائیں گے۔
''اب یہاں کبھی فون نہیں کرنا حالار۔'' خفگی برقرار تھی۔
''ڈیئر بابا میں یہاں بیٹھ کر کیا مدد کر سکتا ہوں آپ کی۔'' اس نے گلہ کھنکارتے ہوئے صاف کیا۔
''حالار اب کی بار شاید یہ سب ٹھیک ہو، میری بات سچ ہو۔'' فنکار اس کے سامنے بے بس تھا۔
''آپ نے کوئی خواب دیکھا ہے بابا؟'' حالار کو لگا اب سنجیدہ ہونا پڑے گا۔
''نہیں حالار، ایک شخص مجھے ملا تھا ٹرین میں، وہ چلتے وقت غائب ہو گیا تھا، اس کی آنکھوں میں عجیب چمک تھی، وہ کچھ انہونی سی بات کرتا تھا، اس نے کہا تھا میرے پاس آٹھ ماہ دس دن کا وقت ہے۔'' وہ کافی سنجیدگی سے اسے بتا رہے تھے حالانکہ اس سنجیدگی کا اس پر کچھ خاص اثر ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔
''بابا...... یار...... کم آن یہ بھی بات کرنے کی بات ہے کوئی شخص آپ کو ملتا ہے، جو حسرتوں کی بات کرتا ہے، اس کی آنکھوں میں چمک ہے، وہ آپ کو وقت بتاتا ہے یہ کہ آٹھ ماہ دس دن اور بقول آپ کے وہ غائب بھی ہو جاتا ہے تو اب میں کیا کہوں، آپ نے تو کمال کہانی سنا دی۔''
''مجھے پتہ تھا حالار، مجھے پتہ تھا تمہیں یہ سب بتانا ہی نہیں چاہیے تھا، مانا کہ میں ماضی میں ایک لکھاری رہ چکا ہوں، مگر میں نے ہر کہانی بھی سچائی سے اخذ کی ہے، تم نہیں سمجھو گے، میری عمر گزر گئی

لوگوں کو سمجھاتے ہوئے، بس جانے دو، اپنی کہو، مجھ سے میرا حال نہ پوچھا کرو۔''
''بابا میں آپ کو سراب سے نکالنا چاہتا ہوں یار۔''
''سراب میں تو تم خود ہو۔''
''ٹھیک ہے، ہو گئی مکمل آپ کی بات، اب میری سنیں، کھانا وقت پر کھائیں گے، دوائیں لیتے رہیں گے اور گھر سے نکلیں، آپ اپنے شہر میں ہیں یار اپنے پرانے دوستوں سے ملیں، لوٹ جائیں پرانی دنیا میں، بلکہ کہانی لکھنا شروع کریں، او کے کچی ہی سہی، یا تصویریں بنانا، چلیں کرنٹ افیئرز پر تبصرے لکھیں، تجزیئے لکھیں، یا فلسفہ کی کلاس شروع کریں اور......اور۔''
''بہت ہو گیا، اچھے مشورے ہیں سارے، تمہاری اطلاع کے مطابق۔'' وہ جیسے جل کر بولے۔
''اس گھر میں صحن میں بہت سے گملے بیکار پڑے ہیں، ان میں پودے اگاؤں گا، خاردار جھاڑیاں ہیں، ان کی کٹائی کرنی ہے اور اس گھر کے تہہ خانے میں پرانے رسالوں کا اسٹاک موجود ہے، اس سے صاف پتہ لگتا ہے یہاں پہلے بھی کوئی لکھنے پڑھنے والی فیملی رہ چکی ہے، دوائیوں کے نسخے مجھے ڈاکٹر سے مل کر کچھ تبدیل کروانے ہیں اور یہ کہ کوئی بات نہیں میں اپنے کسی پرانے دوست کو لے کر سیر کے لئے نکل جاؤں گا، ان ساری باتوں کا اصل مقصد یہی ہے کہ میرے پاس کرنے کو بہت کچھ ہے، تمہارے مشوروں کی کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے اور نہ ہی میری صحت کے لئے پریشان ہونے کی، ہفتے میں ایک گھنٹہ میرے لئے نکال لیتے ہو، اب بہتر ہے آدھا گھنٹہ نکالو اس سے تمہاری بچت ہوگی، پیسے کی، وقت کی یا، پھر انرجی کی، تینوں چیزیں خود پر خرچ کرو اور خوش رہو، کیونکہ میں بھی تمہاری خوشی ہی چاہتا ہوں۔'' فنکار بھی حالار کا باپ تھا، اس نے حالار کے پاس کوئی جواز نہ چھوڑا تھا۔
''آ...... ہا مجھے چاہیے کہ میں اب آپ کے لئے کلیپنگ کروں۔'' وہ جوش سے بولا۔
''تمہیں چاہیے کہ تم آرام کرو، تھک گئے ہو، پھر فون کرنا تو اپنی سنانا، تمنا ہے کہ کبھی اچانک فون کر کے کہو بابا میں نے یہاں شادی کر لی ہے کسی گوری میم کے ساتھ، عموماً تو یہی ہوتا ہے نہ پردیس جانے والوں کے ساتھ۔''
''اور ادھر ایسی کوئی صورتحال نہیں ہے، میں یتیموں کی طرح نکاح نہیں پڑھواؤں گا، واپس آؤں گا، آپ میرے لئے لڑکی دیکھیں گے، پھر ہوگا دھوم دھڑکا، یہاں صرف میں پڑھنے اور آوارہ گردیاں کرنے کے لئے آیا ہوں۔''
''ٹھیک ہے تو پھر پھر ولور لور، مگر مجھے اپنی تصویریں اور خط بھیجتے رہنا۔''
''خط کس لئے بابا، ہم بات جو کرتے ہیں، آپ کو پتہ ہے میں نے خط لکھنا چھوڑ دیے ہیں۔''
''اچھے بیٹوں کی طرح اچھے دوست تو بنو، مجھے خط چاہیے۔''
''کوشش کروں گا۔'' سات سمندر پار بیٹھے اس نے بیزاری سے کان کھجایا تھا۔
''شوق سے کرو، اب میں رکھتا ہوں۔'' لہجے میں ابھی تک ہلکی خفگی برقرار تھی۔
''ڈیئر ڈیڈی، آئی لو یو۔'' یہی ایک بچکانہ انداز تھا منانے کا۔
''سنبھال کر رکھو، کام آئے گا یہ تین حرفی لفظ تم کو۔''
''تین لفظی جملہ کہیے، املا درست کرنے کی ضرورت ہے آپ کو۔'' حالار مسکرایا تھا۔

"شٹ اپ نوجوان۔" اب کے فنکار کے ہونٹوں پر بڑی دلچسپ مسکراہٹ تھی، ان دونوں کی طرف سے ایک جاندار قہقہے کا تبادلہ ہوا تھا اور پھر لائن ساکت ہو گئی تھی، سات سمندر پار ایک دوسرے کی مسکراہٹ کو دل و جان سے محسوس کیا گیا تھا، فنکار نے بھی اور حالار نے بھی۔

☆☆☆

یہ وہی آفس تھا جہاں وہ ٹھیک چار سال پہلے اسی گیٹ سے انٹر ہو کر اس روم میں آئی تھی، اسے بیٹھنے کے لئے وہی سیٹ دی گئی تھی، جس پر وہ تب بیٹھی تھی اور اسے بٹھا کر سیکرٹری آدھے گھنٹے تک اپنی فائلوں میں گم رہا تھا، آفس کی حالت دیکھ کر اسے کام کا اندازہ بخوبی ہو رہا تھا اور پرچوں کی حالت دیکھ کر وہ صرف افسوس کر سکی تھی تب، سیکرٹری کا مصروف انداز صرف اور صرف اسے اگنور کرنے کے لئے تھا یہ جتانے کے لئے کہ یہاں کسی اضافی ورکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے، حالانکہ چیزوں اور کام کا جائزہ لینے کے بعد اسے لگا تھا یہاں پڑھے لکھے محنتی کام کرنے والوں کی کتنی ضرورت ہے، گو کہ خانہ پری کے لئے کتنے لوگ براجمان تھے مگر، کام تو خود بولتا ہے، اسے ابھی بھی کچھ خاص تبدیلی نہیں لگی تھی، وہی لوگ وہی سب کچھ، بس فرق اتنا تھا کہ اس وقت سب کا رویہ بے حد اچھا تھا، سب اسے اچھی طرح سے جاننے لگے تھے، وہی سیکرٹری بڑے اچھے انداز میں اس سے بات کر رہا تھا۔

حالانکہ فائلیں تو اب بھی موجود تھیں اور کام اس سے بھی کہیں زیادہ، مگر ابھی اسے لگا توجہ کا باعث اس پورے آفس میں اسی کی ذات ہو جیسے، چند سال پہلے خود کو منوانے کے لئے اسے کتنے ادھورے دلائل دینے پڑے تھے اور ابھی وہ لوگ اسے راضی کرنے کے لئے مختلف دلائل دے رہے تھے اور وہ صرف اور صرف مسکرا کر ساری سچویشن کا جائزہ لے رہی تھی، اس کا دل چاہا وہ دو منٹ میں سارے دلائل اور خوشامد منہ پر مار کر اٹھ آئے، ٹھوکر مار دے اس ملازمت کو، وہی سلوک کرے بات گھما پھرا کر چھوڑ دے، بات بیچ میں کاٹ کر ٹوک دے۔

مگر افسوس کہ وہ ایسا کچھ نہیں کر سکتی تھی، ایک تو وہ اس قدر بدتہذیب اور بدتمیز نہیں تھی، دوسرا اسے اس ملازمت کی بھی ضرورت تھی جس کا واحد ثبوت اس کا ملازمت پیشہ نہ ہونے کا تھا، سوال یہ تھا کہ اگر وہ اتنی قابل ہوتی تو یوں دھکے نہ کھا رہی ہوتی سوال یہ بھی نہ تھا، سوال شاید یہی تھا کہ اس کی قسمت بری تھی اور یہ اس کا ذاتی خیال تھا جس کی بناء پر وہ پچھلے ایک گھنٹے سے خاموش تھی، اس کے سامنے رکھی چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی، کپ کی سطح پر ملائی کی تہہ جم چکی تھی، اس نے صرف ایک نظر ڈالی تھی اس چائے کے کپ پر، پھر وہ دوبارہ سیکرٹری کی طرف متوجہ ہو گئی تھی، وہ اسے انگلش میگ کے کچھ پرچے دکھا رہا تھا۔

اسے انگلش اور سندھی میگ دونوں کے لئے کام کرنا تھا، بطور اسسٹنٹ ایڈیٹر، اسے ایک ایڈیٹر سے متعارف کروایا گیا جس کے انڈر اس نے کام کرنا تھا، بڑا نا معقول سا شخص لگا اسے وہ، بلاوجہ مسکرانا، بے تکی بات کرنا اور بڑھ چڑھ کر حصہ لینا، اس کے سامنے والی سیٹ پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھا یہ شخص جو اسی کی طرف مسلسل دیکھ رہا تھا اسے سخت زہر لگ رہا تھا، اس نے اس کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا، وہ مسلسل سیکرٹری کی طرف دیکھ کر بات کر رہی تھی، پرچوں کا اچھے سے جائزہ لینے پر اسے احساس ہوا کہ اسے کتنا کام کرنا پڑے گا اور وہ بھی کس فضول شخص کے انڈر رہ کر، مگر وہ یہ سب کہہ نہیں سکتی تھی، کام کا حساب دیکھ کر اس نے سیلری کی بات کی تھی اور محض اٹھارہ ہزار کا سن کر سے خاصی حیرت ہوئی تھی۔

کام کا جو اندازہ تھا وہ اس کے کام سے تین گناہ بڑھ کر تھا، اس نے صاف انکار کر دیا تھا، اسے پتہ تھا کہ محض اٹھارہ ہزار کے لئے اتنی محنت کرنے کے بعد اس کے ہاتھ کیا لگے گا، خود اس کا خرچہ کرایہ آنے جانے کا نکلنے کے بعد کچھ ہزار بچ سکیں گے جو وہ گھر میں دے گی تو اس سے کچھ تبدیلی نہ آئے گی، اس کی بہت بحث کے بعد بات بائیس ہزار پر طے پائی، کچھ اسے انگلش سے سندھی ٹرانسلیشن کے لئے الگ پے ہونی تھی، بہر حال اس نے اپنی ضرورتوں کو دیکھنا تھا۔

حالانکہ اسے اندازہ تھا کہ یہ کام اس کا آرام چھین لے گا، وہ کولہو کے بیل کی طرح دہرا کام کرے گی، ہو سکتا ہے اس کی اتنی محنت کی قدر نہ بھی ہو، مگر اسے ایک موقع مل رہا تھا کچھ تبدیلیاں لانے کا، سو وہ یہ موقع گنوانا نہیں چاہ رہی تھی، ڈیڑھ گھنٹے بعد اسے چائے کا ایک اور کپ پیش کیا گیا، اسے کچھ شرمندگی ہونے لگی، اس نے یہ کپ لوٹانا مناسب نہیں سمجھا اور چائے ختم کرنے تک دس منٹ اسے ایڈیٹر کی لایعنی باتیں سننی تھیں، اس کے بعد اس کا اسٹاف کے ساتھ مختصر سا تعارف ہوا، اسے اپنے کام کرنے کی جگہ دکھائی گئی اور ساتھی ورکرز سے ملایا گیا، وہ تھک چکی تھی اس لئے باقی چیزیں بعد کے لئے رکھتے ہوئے اس نے اجازت لی اور گھر کے لئے روانہ ہو گئی، کل سے اسے آفس باقاعدہ جوائن کرنا تھا۔

☆☆☆

گھر آتے ہی اس کا سامنا سب سے پہلے عدنان کے ساتھ ہوا تھا، وہ جانے کے لئے نکل رہا تھا اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے رکا تھا، اسی مخصوص انداز میں اسے گھورتے ہوئے ہونٹ چباتا نکل گیا تھا، اس کا موڈ گو کہ زیادہ اچھا پہلے ہی نہ تھا، مگر اسے دیکھ کر خراب ضرور ہوا تھا، مگر اچھا یہ ہوا تھا کہ وہ رکا نہ تھا ورنہ کوئی نہ کوئی ٹینشن اس کے لئے کری ایٹ کر کے ہی جاتا، وہ شکر کا کلمہ پڑھتی ہوئی سیدھی اپنے روم میں آئی تھی، جہاں وہ پہلے سے بیٹھی شاید اسی کا انتظار کر رہی تھیں، وہ سلام کر کے وارڈ روب کی طرف بڑھی تھی کپڑے نکالنے کے لئے۔

"کیا ہوا کیا، نوکری مل گئی۔" اس کے سلام کے جواب دیئے بغیر وہ بے چینی سے پوچھنے لگیں۔

"جی ہو گئی، کل سے جانا ہے۔" ان کی بے چینی پر وہ بے ساختہ مسکرا دی تھی۔

"تم خوش ہو؟" وہ خود خوش تھیں۔

"پتہ نہیں۔" وہ کپڑے لے کر واش روم میں گھس گئی تھی، کچھ دیر بعد وہ آئی تو وہ کھانا ٹرے میں لے کر اس کے لئے بیٹھی تھیں۔

"کیا پکا ہے آج؟"

"بریانی اور کباب، تمہیں پسند ہے نا، عدنان بھی آیا تھا وہ بھی کھانا کھا کر گیا ہے، حنان کے لئے بھی بھجوائی ہے میں نے۔" وہ اسے بڑی دلچسپی سے بتا رہی تھیں۔

"کیا ضرورت تھی بھجوانے کی اور یہ پھر کیوں آ گیا تھا پرسوں تو آیا تھا۔" وہ کھانا لے کر ان کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"یہ اس کے باپ کا گھر ہے میں اسے روک نہیں سکتی۔"

"مجھے پتہ ہے، یہ میرے باپ کا گھر نہیں اس کے باپ کا گھر ہے۔" اس کا کھانے کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ رکا تھا۔

"تم ہر بات کا غلط مطلب کیوں لیتی ہو، خیر جو بھی ہے تم اس کے منہ مت لگا کرو، اس نے کچھ کہا تو نہیں تمہیں۔"

"وہ کیوں مجھے کچھ کہے گا، ویسے اس کے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ بغیر کہے بھی سکون حرام کر سکتا ہے، ویسے مسئلہ وہ زیادہ تر اپنے باپ کے لئے کھڑا کرتا ہے میرے لئے نہیں۔"

"اچھا چھوڑو تم کھانا کھاؤ، پھر مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"خیریت ہے اب؟" اس نے بے دلی سے نوالہ لیا تھا۔

"ہاں ہاں خیر ہے، کھانا کھا کر پھر وقار کے پاس چلی جانا تھوڑی دیر کے لئے اسے بتایا ہے میں نے تمہاری جاب کا۔" ان کا انداز رازدارانہ تھا، وہ سر جھٹک کر کھانا کھانے لگی اس بار اس کا دل کچھ بھی کہنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

"آپ نے کھانا کھایا ہے؟" اسے اچانک یاد آیا تھا۔

"ہوں، کھا لیا تھا، تھوڑا بہت پھر شام میں کھاؤں گی۔"

"کھانا ایک ہی بار میں ٹھیک سے کھا لیا کریں، ہر کام تو قسطوں میں کرتی ہیں۔"

"خود تو جیسے پیٹ بھر کر کھاتی ہو، اب اٹھ کیوں گئیں۔" وہ اسے اٹھتے دیکھ کر خفگی سے بولیں۔

"پیٹ میں تھوڑی سی تو جگہ ہوا کے لئے بھی رکھنی چاہیے ڈیئر مما۔" وہ مسکرا کر برتن سمیٹنے لگی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا، اس نے اندازے سے ساکٹ کو چھو کر بتی جلائی تھی۔

"بتی بند کر دو بیٹا۔" ساتھ ہی وہ کسمسا کر آنکھیں کھول کر بیزاری سے وہ بولے تھے، وہ زیرو لائٹ جلا کر ان کے بیڈ کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"صنوبر نے بتایا تھا تمہیں جاب کی آفر آئی ہے بورڈ سے۔" وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔

"جی ٹھیک بتایا تھا انہوں نے۔"

"تم جاب کیوں کرنا چاہتی ہو؟ اگر گھر کے لئے تو میں تمہیں ایسا کرنے نہیں دوں گا، میں سوچ رہا ہوں کہ بٹوارہ کر دوں، عدنان آج بھی آیا تھا، تم وکیل کو لے آؤ کسی وقت، کچھ گھر کے اخراجات کے لئے کرنا چاہتا ہوں، ایک فلیٹ میں نے تمہارے نام کرنا ہے۔" ان کی آواز سے کمزوری ظاہر ہو رہی تھی۔

"کتنا فرق ہوتا ہے ایک ہی انسان میں دو وقتوں میں۔" اس نے سوچا تھا اور تلخ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر ٹھہر گئی۔

"آپ چاہتے ہیں آپ کا بیٹا مجھے جیل کروا دے، گو کہ وہ یہ کہنا نہیں چاہتی تھی، مگر بعض باتیں نا چاہتے ہوئے بھی کہنی پڑتی ہیں۔"

"تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو، یہ سب میں نے اپنی مرضی سے کروں گا، یہ سب میرا ہے، عدنان کا تمہارے ساتھ کوئی جھگڑا تو نہیں چل رہا۔"

"آپ اپنے بیٹے کو اچھی طرح سے جانتے ہیں، میں فی الحال اس سے کوئی جھگڑا افورڈ نہیں کر سکتی گو کہ فی الحال ایسا کچھ نہیں ہے، مگر ہوتے ہوئے دیر نہیں لگے گی اگر وہ آپ کے ارادے جان لے تو۔"

اس نے ہنستے ہوئے سر جھکا تھا۔

"میں اس سے بات کر چکا ہوں۔"

"اوہ تو اب مجھے ایک نئے فساد کی تیاری کر لینی چاہیے۔" اس نے لمبی سانس بھری تھی۔

"ایسا نہیں ہو گا وہ میرے ہوتے ہوئے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"وہ آپ کا سگا بیٹا ہے تمام تلخیوں کے بعد بھی سچ یہی ہے کہ میرا کوئی حق نہیں ہے آپ کی کسی چیز پر، اور میں ایسا کچھ چاہتی بھی نہیں ہوں۔" وہ آزردگی سے مسکرا دی۔

"گھر میں رہنے کا تو میری بیٹی کو تم نے سو دفعہ طعنہ دیا تھا اب یہ نیا منصوبہ کیسے سوچ لیا، اتنا بڑا دل کیسے ہو گیا؟" وہ اچانک اندر آ گئیں تھیں۔

"میں تم سے نہیں امرت سے بات کر رہا ہوں، مجھے بات کرنے دو۔"

"مجھے تو اس کے پیچھے بھی کوئی سازش نظر آتی ہے۔"

"تمہاری ماں ہمیشہ میری نیت پر شک کرتی ہے، اس نے کبھی میرا یقین نہیں کیا۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولے تھے۔

"ہم یہاں بہت آرام سے بات کر رہے تھے امی اور آپ کو یہ سب نہیں کہنا چاہیے۔" اسے طعنہ زنی سب سے بری لگتی تھی۔

"یہ اس کی پرانی عادت ہے بیٹا، تم چھوڑو اس بات کو، تم وکیل کو لانا کل، ہم پھر بات کریں گے اس پر۔"

"میں وکیل کو ضرور لاؤں گی، مگر آپ ساری بات میری موجودگی میں کریں گے بلکہ بہتر ہے کہ اپنے بیٹے کو بھی بلوا لیجیے گا اور ہاں، پلیز میرے نام کچھ بھی کر کے میرے لئے زندگی مشکل نہ بنائیے گا۔"

"تم چپ رہو تمہیں کچھ نہیں کہنا چاہیے۔" وہ اس کو ٹوکتے ہوئے بولیں۔

"میں کسی کو کچھ کہنے اور کرنے نہیں دوں گی امی جو غلط ہے، ٹھیک ہے یہ سارا کچھ آپ عدنان کو دیں، اپنے لئے رکھیں، میری ماں کے لئے رکھیں، اپنے علاج اور اپنے خرچوں کے لئے رکھیں۔"

"میں اپنا خرچ اٹھانے کے قابل ہوں اب میری فکر نہ کریں آپ لوگ۔" وہ ان دونوں سے مخاطب تھی۔

"میں چاہتا ہوں کہ تمہاری شادی کر دوں امرت۔" وہ کافی سنجیدگی سے اس کی بات سن اور سمجھ بھی رہے تھے مگر ان کا اپنا موقف تھا۔

"ہاں اس فلیٹ کے پیسوں سے اس کے جہیز اور شادی کے اخراجات نکل سکتے ہیں بڑے آرام سے، صنوبہ کافی مطمئن نظر آ رہی تھیں اب بہت خوب امی، ایسی شادی سے میں ایسے ہی بہتر ہوں میں ایسا کچھ غلط کام کرنے نہیں دوں گی، آپ دیکھ لیں۔"

"آپ سو جائیں انکل آپ کو آرام کی ضرورت ہے، میں بھی تھک گئی ہوں۔" فی الحال وہ لمبی بحث کی پوزیشن میں نہ تھی، فسادات کی جڑیں اٹھ چکی ہیں یہ اسے پتہ تھا مگر فی الحال اسے آرام کی ضرورت تھی اور دوسروں کے آرام کا خیال بھی تھا، اس لئے معاملات کو ایک جگہ پر رکھ کر وہ لائٹ بند کر کے کمرے سے چلی آئی تھی، یہ جانے بنا کے پیچھے ایک سرد جنگ چھڑ چکی تھی۔

☆☆☆

اس کے سامنے ایک گھنا جنگل تھا، خاردار جھاڑیوں کا نا ختم ہونے والا سلسلہ تھا، ان ہی جھاڑیوں نے اس کا چہرہ زخمی کر دیا تھا، اس نے لال رومال سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا تھا اور ہاتھوں سے جھاڑیوں کو ہٹاتے ہوئے آگے جا رہا تھا اس کی قمیض کی آستین ایک جھاڑی میں اٹک کر پھٹ چکی تھی، اس نے پھٹی ہوئی آستین پھاڑ کر پھینک دی تھی اور دوسری آستین کا بازو فولڈ کر لیا تھا، اب کچھ خراشیں اس کی کلائی پر بھی آئیں تھیں، وہ بڑھتا تیزی سے آگے بڑھا تھا، خاردار جھاڑیوں اور اونچے درختوں کا سلسلہ ختم تو نہیں مگر کم ضرور ہوا تھا۔

آگے ڈیوڑھی پار کر کے اس نے پانی کی کھال پار کرنے کے لئے ایک لمبی چھلانگ ماری تھی اور ساتھ ہی وہ اس کچی کوٹھڑی کے سامنے تھا جس کے آگے کا صحن بھی خراب تھا، گارے سے ادھڑے ہوئے کچی مٹی کے پتھر بکھرے ہوئے تھے، ہوا کچھ تیز چلی تھی، کوٹھڑی کی اکلوتی کھڑکی میں سے کسی نے جھانکا تھا، وہ دو آنکھیں ساحر آنکھیں وہ مسکراتا ہوا دروازے تک آ کر رکا تھا، اس کے دروازہ کھٹکھٹانے کی نوبت نہ آئی تھی، ساحر آنکھوں والی کے ہاتھ دروازے کی کنڈی تک پہنچ گئے تھے، کنڈی اتری، دروازہ کھلا صرف ایک پٹ کھولا گیا دوسرا خود بخود کھلا تھا، اس نے چہرے سے رومال ہٹایا تھا، سلام کے بعد اس کا حال پوچھا تھا، اس نے مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ میں اور سلام کا جواب سلام میں دیا تھا، حال پوچھنے کے جواب میں حال پوچھا تھا اور وہ جواب میں اسی انداز میں مسکرایا تھا، جس انداز میں مسکراتا تھا، مگر وہ اس کی مسکراہٹ پر مطمئن نہ ہوئی تھی، وجہ اس کے چہرے، ہاتھوں کلائیوں پر پڑی خراشیں تھیں، اس کی آنکھیں سوال کرتی تھیں اور کر رہی تھیں۔

"آپ کے گھر کی طرف جو رستہ آتا ہے وہ جھاڑیوں سے بھرا پڑا ہے۔" وہ شرارت سے بولا۔

"تو آپ کو جھاڑیوں سے بچنا چاہیے تھا۔" اس کی آواز میں ہلکی سی ڈانٹ کا تاثر تھا۔

"(آپ سے اور ان جھاڑیوں سے بچنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے) وہ کہنا چاہتا تھا پر اسے کہنے کی ضرورت نہ تھی۔

"جب بھی آتا ہوں زخمی ہو کر جاتا ہوں۔" بڑا بے ضرر مگر با اثر جملہ تھا، وہ دیکھتی رہ گئی۔

"تو پھر مت آیا کریں۔" نا چاہتے ہوئے بھی کہہ دیا تھا۔

"یہی تو مشکل ہے، بلکہ ناممکن۔" وہ کوٹھڑی میں رکھی چارپائی پر ٹک گیا تھا اور سامنے ایک لکڑی کی پرانی کرسی پڑی تھی جس کو گھسیٹ کر وہ بیٹھ گئی تھی۔

"آپ تھک گئے ہیں گوہر، آپ کو سونا چاہیے۔"

"مجھے بہت بھوک لگی ہے کیا کچھ پکا ہے۔"

"کچھ پکا تو نہیں مگر پڑا ضرور ہے۔" وہ اٹھی تھی، اس نے چنگیر میں ڈھکی ہوئی روٹیاں نکالیں تھی اور روٹی پر چینی چھڑک کر اسے پیش کی تھی۔

"آپ یہی پکاتی رہی ہیں اتنے دنوں سے۔" اس نے روٹی کھانا شروع کی، یہ کھانا تھوڑا مشکل تھا مگر وہ دو چار نوالوں کے بعد پوری روٹی کھا گیا اس کے بعد اس کا ہاتھ پانی کے گلاس کی طرف بڑھا تھا، اس سے پہلے اس نے گلاس اٹھا لیا تھا، وہ حیرانی سے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھتا رہا تھا۔

"کھانے کے بعد پانی نہیں پینا چاہیے۔"

"کیوں کیا یہ تمہاری بائبل میں لکھا ہے؟" اسے شرارت سوجھی تھی۔

"نہیں یہ آپ کے نبی کا ارشاد پاک ہے اور آج کی سائنس بھی یہی کہتی ہے۔"

"یہ آپ کو کس نے بتایا تھا؟"

"وہ بتاتی تھی، ایسی بہت سی باتیں اس نے مجھے بتائیں تھیں۔"

"وہ...... جس نے وہ راز دیا تھا آپ کو؟ اس کا نام کیا تھا؟"

"ہاں وہی، اس کا نام کیوں بتاؤں۔" وہ برا مانتے ہوئے بولی تھی۔

"بہت خوب، کیا مجھے آپ اس راز کے بارے میں کچھ بتائیں گی؟"

"میں خود اس راز کے بارے میں نہیں جانتی، اس نے مجھ سے وعدہ لیا تھا، میں وعدہ خلافی نہیں کرنا چاہتی۔"

"میں وہ گٹھڑی چرا کر لے جاؤں گا آپ کی۔" اس کی آنکھوں میں ویسی شرارت تھی جو لہجے میں تھی۔

"آپ ایسا نہیں کر پائیں گے۔"

"اتنا یقین کیسے؟"

"وہ ایسے کہ وہ کہتی تھی اس راز کی حفاظت میرا اللہ کرتا ہے۔" وہ حیرانی سے اسے دیکھنے گیا تھا وہ لاجواب ہوا تھا۔

"میں معافی چاہتا ہوں آپ سے۔"

"آپ نے مجھ سے اپنی امانت کا نہیں پوچھا، دوسروں کی امانتیں یاد ہیں۔"

"اوہ وہ کیسی ہیں اب؟ اب تو وہ بول نہیں پاتی ہوں گی۔"

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے، آیئے میں آپ کو کچھ دکھانا چاہتی ہوں۔" وہ اسے کوٹھڑی میں اندرونی دروازے کی طرف لے گئی تھی۔

چارپائی پر وہ سیدھی لیٹی تھیں، اوپر چادر پڑی تھی، وہ حیرانی سے آگے بڑھا۔

"کیا یہ مر گئی ہیں؟" اس کی آواز ہلکی تھی پھر بھی اس نے مزید آہستہ بولنے کا اشارہ کیا تھا۔

"یہ تو زندہ ہے، وہ سانس لے رہی تھیں۔" اس نے کپڑے منہ کے آگے سے ہٹایا تھا اور ساتھ ہی وہ جیسے حیرانی سے سکتے میں آ گیا تھا۔

"ان کے دانت نئے آ رہے ہیں اور ان کے بال پھر سے کالے ہو رہے ہیں، ان کی باڈی کی مومنٹ مضبوط ہو رہی ہے۔" اس نے یہ سارا کچھ اس کے کان کے قریب کہا تھا کہ ان کی نیند نہ کھل جائے۔

"مگر ان کی عمر تو ایک سو بیس سال ہو چکی ہے۔" اس کی حیرانی مزید بڑھی تھی، وہ کچھ کہنے کے لئے آگے بیٹھی تھی، خود اس کی آنکھوں میں حیرانی تھی، تحیر عروج پر تھا۔

(جاری ہے)

ہما عامر

''کہو ناں مثال فاطمہ! میں تمہارے جواب کا منتظر ہوں۔'' اس کی سماعتوں نے زویان شاہ کی دھیمی سرگوشی ٹکرائی تھی۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے، پلیز مجھے جانے دیں، آپ کیوں مجھے اس طرح ملنے کے لئے بلاتے ہیں، اگر کسی نے مجھے رات کے اس پہر آپ کے کمرے میں آتے دیکھ لیا تو میں کہیں کی نہ رہوں گی۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی، متوقع رسوائی کا سوچ کر اس کی گلابی رنگت پھیکی پڑنے لگی تھی۔

''تم پسند کرو گی کہ میں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر بجائے ناشتہ کرنے کے تمہیں دیکھتا رہوں اردگرد کا ہوش کئے بنا، یا پھر بہانے بہانے سے تمہیں مخاطب کروں، تمہیں کالج ڈراپ کرنے جاؤں، گھر میں تمہارے آگے پیچھے گھوموں۔''

''نن...... نہیں خدارا زویان! آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔'' وہ بری طرح گھبرا گئی۔

''بس تو پھر طے ہے جب میرا دل تم سے باتیں کرنے کو چاہے گا، تم میرے بلانے پر چلی آنا۔'' وہ اپنی ضد سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹا تھا، یہی مثال فاطمہ کے لئے مقام فکر تھا، اس گھر کے مکینوں نے اسے اپنائیت دی تھی، وہ اس پر اعتبار کرتے تھے، وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان کا اعتبار کبھی ٹوٹے یا شاہ ہاؤس کے مکین اسے برے الفاظ میں یاد کریں، کمال شاہ اور ثمینہ کمال کے خالد اور اس پر بہت احسانات تھے اور وہ احسان فراموش نہیں تھی۔

''مثال فاطمہ تم نے مجھے جواب نہیں دیا۔''

''اوہ میں بالکل بھول گئی، شہوار آپی نے مجھے جوجو کے لئے فیڈر بنانے کا کہا تھا۔'' وہ جھپاک سے کمرے سے نکل گئی، زویان شاہ طویل سانس لے کر رہ گیا، وہ پھر سے اسے جل

مکمل ناول

دے گئی تھی۔

☆☆☆

نیند آنے تک وہ زویان شاہ کی شخصیت کے رنگوں میں کھوئی رہی تھی، وہ کس قدر ہٹ دھرم تھا، یہ بات مثال فاطمہ سے زیادہ کون جان سکتا تھا، گزشتہ کئی ماہ سے وہ اس کی ضد کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور تھی، کچھ فطرتاً نرم دل بھی تھی، زویان کو تکلیف میں دیکھنے کا سوچ کر ہی اس کے ہاتھ پیر پھول جاتے تھے، ٹی وی لاؤنج میں شہوار اور رخسار کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی، وہ دونوں میکے رہنے کے لئے آئی ہوئی تھیں، اس نے ان کے پاس جانے کا ارادہ ترک کر کے چادر سر تک تان لی، صبح کالج بھی جانا تھا۔

رات کو دیر سے سونے کی وجہ سے صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی اور وہ ناشتے کی ٹیبل پر دیر سے پہنچی تھی، اس کا میڈیکل کا فائنل ایئر تھا، سو اس کا روٹین بہت ٹف تھا، اس وقت بھی اس کا صرف چائے پینے کا ارادہ تھا، کمال انکل آفس جا چکے تھے اور غالباً انکل جمال بھی، ثمینہ آنٹی اپنے لاڈلے کے نخرے اٹھانے میں مصروف تھیں، جو فریش جوس کے سپ لے رہا تھا، ثمینہ آنٹی نے عادتاً اسے مسکرا کر دیکھا اور نرمی سے اس کے سلام کا جواب دیا، جبکہ وہ بے نیاز بنا ناشتے میں مصروف رہا، ایک نظر دیکھنے کے بعد اس نے مثال فاطمہ پر دوسری نظر نہیں ڈالی تھی، گھر والوں کے سامنے وہ اس قدر اجنبی بنا رہتا تھا، سب کے سامنے وہ صرف اس کے لئے ایک دور کی رشتہ دار تھی جو پڑھنے کے لئے ان کے شہر آئی تھی اور دوران تعلیم ان کے گھر رہائش پذیر تھی۔

"مثال بیٹا! ناشتہ کیوں نہیں کر رہی۔" ثمینہ آنٹی نے اسے چائے بناتے دیکھ کر استفسار کیا۔

"آنٹی میں آل ریڈی لیٹ ہو چکی ہوں۔"

"جوس پی لو۔"

"نہیں آنٹی یو ڈونٹ وری میں کینٹین سے کچھ کھا لوں گی۔" اس نے سہولت سے انکار کیا۔

"زویان! تم آفس جاتے ہوئے مثال کو اس کے کالج ڈراپ کر دو۔" اب کہ انہوں نے زویان کو مخاطب کیا۔

"مام مجھے دیر ہو جائے گی۔" اس نے عذر تراشا انداز میں بھرپور بیزاری تھی۔

"آئم سوری بیٹا، مگر اس وقت گھر میں دوسری گاڑی نہیں ہے، تمہاری آنٹی گروسری کے لئے مارکیٹ گئی ہوئی ہیں۔"

"آپ انہیں عالیان کے ساتھ بھیج دیں۔" اس نے جوس کا گلاس ختم کیا۔

"عالیان آفس جا چکا ہے۔" ثمینہ کمال نے اطلاع دی۔

"اوکے میں گاڑی نکال رہا ہوں، انہیں جلدی بھیج دیں۔" وہ ٹیبل پر سے کی رنگ اور سیل فون اٹھا کر تیزی سے لاؤنج سے باہر نکل گیا، مثال بھی آنٹی کو خدا حافظ کہہ کر اپنا بیگ اور کتابیں لے کر اس کے پیچھے بھاگی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ صبح اتنی حسین بھی ہو سکتی ہے۔" شاہ ہاؤس کے مین گیٹ سے گاڑی باہر نکالتے ہوئے وہ چہکا تھا، اس کے چہرے پر چھائی سرشاری دیکھ کر ایک پل کو اس کا دل بجھ سا گیا، کہیں یہ ساحر آنکھوں والا عزیز از جان شخص اس کے ساتھ دل لگی تو نہیں کر رہا۔

"تم کیا سوچ رہی ہو؟" اسے مثال فاطمہ کی خاموشی محسوس ہوئی۔

"آپ میرے ساتھ فلرٹ تو نہیں کر رہے۔" اس نے ڈرتے ڈرتے خدشہ ظاہر کیا، اس کی بات سن کر زویان شاہ نے گاڑی کو بیچ سڑک پر بریک لگا کر روکا اور اس کی جانب گھوما اس کے تیکھے نقوش تنے ہوئے تھے۔

"مثال فاطمہ تم مجھ پر شک کر رہی ہو، میں جو تم سے مختصر سی ملاقات کے لئے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنے سے دریغ نہیں کرتا، ٹھیک ہے میں ڈیڈ سے شادی کی بات کر لیتا ہوں، میں نے سوچا تھا کہ تمہاری اسٹڈیز متاثر نہ ہو، پھر مجھے ایسا بھی لگتا ہے کہ آئمہ آنٹی مجھ پر نظر رکھتی ہیں، میری وجہ سے وہ تمہیں کچھ کہیں یہ میں نہیں چاہتا۔" وہ قطعیت سے بولا تو مثال فاطمہ بوکھلا گئی۔

"نہیں ایسا مت کیجئے گا، آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، آئمہ آنٹی تو مجھے بھی مشکوک نظروں سے دیکھتی ہیں اور مجھے تو لگتا ہے کہ وہ آپ پر عالیان بھائی سے زیادہ نظر رکھتی ہیں۔" اس نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تب ہی زویان کی کرولا کے پیچھے دوسری گاڑی آ کر رکی اور اس کا ڈرائیور تسلسل سے ہارن بجانے لگا، زویان نے ایک نظر پیچھے ڈالی اور پھر کرولا اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

"ڈیڈ سے شادی کی بات کروں۔" اس کے ہاتھ موضوع آ گیا تھا۔

"نہیں بھئی غلطی ہو گئی مجھ سے جو آپ سے شکایت کر دی۔"

"آئندہ میری محبت پر شک مت کرنا، کوئی تم پر انگلی اٹھائے مجھے گوارہ نہیں، جب تک ہمارے درمیان کوئی مضبوط رشتہ نہیں جڑ جاتا تمہارے نام کے ساتھ کوئی میرا نام لے مجھے یہ بھی اچھا نہیں لگے گا۔" اس نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے میڈیکل کالج کے گیٹ پر کرولا روک دی، تو وہ خدا حافظ کہتی ہوئی باہر آ گئی، البتہ وہ دل میں عہد کر چکی تھی کہ آئندہ زویان سے کوئی شکوہ نہیں کرے گی۔

☆☆☆

وہ دس سال کی تھی جب اس کے والدین ٹریفک کے حادثے میں چل بسے تھے، تب نائلہ خالہ اسے اپنے ساتھ لے آئی تھیں، نائلہ خالہ شادی کے ایک سال بعد ہی بیوہ ہو گئی تھیں، نائلہ خالہ کے شوہر ایک فرض شناس پولیس آفیسر تھے، ملک دشمن عناصر نے انہیں راستے سے ہٹا دیا تھا، وہ بہت جاذب نظر شخصیت کی حامل تھیں، کالج میں لیکچرار تھیں، مثال فاطمہ کے وجود نے ان کی تنہائی مٹا دی تھی، ساتھ ہی ان کی ویران آنکھوں میں کچھ خواب جگا دیئے تھے اور کچھ سوئے ہوئے جذبوں کو بیدار کر دیا تھا، وہ دل بھر کے اس پر اپنی ممتا لٹانے لگیں تھیں، وہ اسے ڈاکٹر بنانا چاہتی تھیں مثال فاطمہ کو تو خالہ پہلے ہی اچھی لگتیں تھیں، اب تو وہ اسے دنیا بھر سے بڑھ کر عزیز ہو گئی تھیں، نائلہ خالہ کی خواہش پوری کرنا اس نے اپنا نصب العین بنا لیا تھا، وہ جی جان سے پڑھائی کرنے لگی تھی، اس دوران جب وہ میٹرک کے امتحان سے فارغ ہو چکی تھی، اس کے ساتھ ہونے والے حادثے نے اس سے زندگی کی ساری رعنائیاں چھین لی تھیں، وہ زندگی سے بیزار ہو چلی تھی، لوگوں کے سوالات اسے تھکانے لگے تھے، ایسے میں نائلہ خالہ نے اس کی ہمت بندھائی تھی، ایف ایس سی کا اس کا شاندار رزلٹ دیکھ کر نائلہ خالہ نے اسے کراچی بھیجنے کی ٹھان لی، البتہ اس کی رہائش کا مسئلہ تھا، جو کہ جلد ہی حل ہو گیا، ثمینہ کمال کسی عزیز کے انتقال پر حیدر آباد آئی ہوئی تھیں، ملاقات ہونے پر باتوں باتوں میں نائلہ نے اپنا مسئلہ بیان کیا تو ثمینہ کمال نے کھلے دل سے مثال فاطمہ کو ان کے ساتھ بھیجنے کی تجویز دے دی، ان کے بقول وہ مثال فاطمہ کا ڈی ایم

سی میں ایڈمیشن بھی کروا دیں گی، نائلہ تھوڑی سی حیل و حجت کے بعد ان کی پیشکش قبول کر لی یوں دو روز بعد ہی مثال فاطمہ سامان باندھ کر ثمینہ کمال کے ساتھ عازم سفر ہوئی، شاہ ہاؤس کا ماحول بہت اپنائیت والا تھا، یہاں ان کے گھر کی طرح الو نہیں بولتے تھے۔

کبھی عالیان جمال شاہ کے دوست ہنگامہ مچاتے تھے تو کبھی کمال شاہ کی بیاہی بیٹیاں آ کر رونق میلہ لگا لیتی تھیں، کمال شاہ کے اکلوتے فرزند ہائر اسٹیڈیز کے لئے امریکہ میں مقیم تھے، ثمینہ کمال اٹھتے بیٹھتے زویان کا ذکر کیا کرتی تھیں اور وہ چپ چاپ سنے جاتی، ایک روز انہوں نے بتایا کہ وہ ہرگز بھی زویان کو امریکہ بھیجنے کے حق میں نہیں تھیں، لیکن وہ بہت ضدی ہے، اپنی بات منوانے کے لئے اس نے خودکشی کی کوشش کی تھی، شکر ہے کہ اسے بچا لیا گیا، مجبوراً انہیں اس کی بات ماننی پڑی تھی، مثال فاطمہ حیرتوں میں گھری سوچتی رہ گئی کہ کیا کسی کے لئے زندگی اس قدر غیر اہم بھی ہو سکتی ہے۔

ثمینہ کمال نے حسب وعدہ اس کا ایڈمیشن میڈیکل کالج میں کروا دیا تھا، گھر کی گاڑی میں ڈرائیور اسے کالج چھوڑ آتا تھا اور واپسی پر بھی گاڑی گیٹ پر موجود ہوتی تھی، ان آسائشات کے نہ تو اس نے خواب دیکھے تھے نہ ہی یہ سب اس کی منزل تھا، وہ تو بس خالہ کا خواب پورا کرنا چاہتی تھی، سو تندہی سے پڑھائی میں جتی ہوئی تھی، گھر میں نوکروں کی فوج تھی پر جب بھی اسے فارغ وقت ملتا تھا وہ کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھی، مہینے میں ایک بار وہ حیدر آباد بھی جاتی تھی، نائلہ خالہ شب و روز اس کی کامیابی کے لئے دعا گو رہتی تھیں، وہ اب بھی اس سیاہ رات سے خوفزدہ تھیں، جس نے ہنستی مسکراتی مثال فاطمہ کو بولنا بھلا دیا تھا۔

زندگی نے پھر سے اس پر رنگوں بھرا آنچل پھیلا دیا تھا، زویان شاہ تعلیم مکمل کر کے وطن لوٹ آیا تھا، مثال فاطمہ کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ ہیزل براؤن آنکھوں والا بجیلا سا شخص جو بظاہر اس سے بے نیاز دکھائی دیتا ہے، وہ اس کے لئے اس قدر اہمیت اختیار کر جائے گا، پہلی ملاقات میں اس نے مثال فاطمہ پر ایک سرسری نظر ڈالی تھی، ثمینہ کمال بیٹے کو بتا رہی تھیں کہ مثال تعلیم کی وجہ سے ان کے گھر مقیم اور وہ نائلہ کی بھانجی ہے، زویان شاہ ناشتے سے انصاف کرتے ہوئے ثمینہ کی بات سنتا رہا اس نے مثال فاطمہ سے مخاطب ہونے کی ضرورت محسوس نہیں کی، مثال فاطمہ کو شدید ہتک کا احساس ہوا تھا، زویان شاہ اسے مغرور لگا تھا پر وہ اس وقت بھی اسے برا نہیں لگا، اس نے سوچا کہ یہ غرور و بے نیازی بنے ہی اس شخص کے لئے ہیں، انجانے ہی انجانے اس کی نگاہیں زویان شاہ کی دید کی پیاسی رہنے لگی تھیں، یہ بات جانتے ہوئے بھی کہ وہ اس شخص کے لائق نہیں ہے، یہ اپنے دل پر اس کی گرفت کمزور پڑ گئی تھی، وہ خوفزدہ رہنے لگی تھی، دل میں پنپتے جذبے اسے ہراساں کرنے لگے تھے۔

☆☆☆

زویان شاہ کو شاہ ہاؤس لوٹے ایک مہینہ ہو چکا تھا، رات کے بارہ کا عمل تھا، شاہ ہاؤس کے تمام مکین اپنے اپنے کمروں میں سونے کے لئے جا چکے تھے، مثال فاطمہ بھی اپنے آگے کتاب کھولے بیٹھی تھی، اس کے سیل نے خوبصورت جلترنگ بجا کر اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی، اس نے ایک ہاتھ سے جمائی روکتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے سیل فون اٹھا کر اسکرین نظر ڈالی، انجان نمبر سے کال آ رہی تھی، اس نے سیل فون واپس سائیڈ پر رکھ دیا، عام طور پر وہ انجان نمبر سے آنے والی کال نہیں سنتی تھی، لیکن اسے اپنی یہ روایت توڑنی تھی، کیونکہ فون مسلسل بج رہا تھا، کال کرنے والے تھے شاید قسم کھائی تھی کہ مثال فاطمہ سے بات کر کے ہی رہے گا، جب کافی دیر تک فون بجتا رہا تو مثال فاطمہ نے منہ بناتے ہوئے یس کا بٹن پش کر کے سیل فون کان کے نزدیک کر لیا۔

''مثال فاطمہ!'' دوسری جانب سے آنے والی گمبھیر آواز کو پہچاننے میں اسے چند لمحے لگے تھے۔

''مثال فاطمہ میں زویان شاہ، میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔'' اس کا لہجہ استحقاق سے بھرپور تھا۔

''جی۔'' اس کی عقل سلب ہو رہی تھی۔

''لیکن میں...... اس وقت میں...... ٹیسٹ کی تیاری کر رہی ہوں۔'' اس نے خود کو سنبھالا۔

''دس منٹ بعد، ٹھیک دس منٹ کے بعد تمہیں میرے روم کے دروازے پر ہونا چاہیے۔'' اس کا انداز دو ٹوک تھا، لائن بے جان ہو گئی تھی، مثال فاطمہ نے چلبلا کر سیل فون کو گھورا۔

''سمجھا کیا ہے زویان شاہ نے مجھے میں کیا کوئی ایسی ویسی لڑکی ہوں کہ وہ مجھے آدھی رات کو مجھے اپنے کمرے میں بلائیں گے اور میں اٹھلاتی ہوئی چل پڑوں گی۔'' بے بسی محسوس کرتے اس کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی، پڑھائی سے دھیان بٹ گیا تھا، اچانک ہی اسے وہ سیاہ رات یاد آ گئی۔

''تو کیا زویان شاہ میرے ماضی سے واقف ہو گئے ہیں۔'' اس کا ذہن مختلف قسم کے خیالات کی آماج گاہ بنا ہوا تھا، خیالات کی یورش میں اسے پتا ہی نہیں چلا کے کب دس منٹ گزر گئے، سیل فون دوبارہ گنگنا رہا تھا، اس نے جھنجلا کر کال پک کر لی۔

''زویان شاہ۔'' وہ بہت کچھ سنانے کے موڈ میں تھی، مگر زویان شاہ نے موقع نہیں دیا۔

''مثال فاطمہ میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''آپ کو جو کچھ بھی کہنا ہے صبح کہیے گا۔'' اس نے روکھے لہجے میں کہا۔

''نہیں میں اسی وقت تم سے ملنا چاہتا ہوں، پانچ منٹ کا وقت مزید دے رہا ہوں اگر تم نہ آئیں تو نتیجے کی ذمہ دار تم خود ہو گی، اگر مجھے کچھ ہو گیا تو میری موت کی ذمہ دار بھی تم ہو گی۔'' وہ اپنی بات مکمل کر کے فون بند کر چکا تھا، مثال فاطمہ نے سر جھٹکا۔

''حد ہو گئی، موصوف کو بولنے سے پہلے سوچنے کی عادت نہیں ہے کوئی بات ہوئی بھلا یہ۔'' بڑبڑاتے ہوئے اس نے کتاب بند کی اور لائٹ آف کر کے سونے کے لئے لیٹ گئی، اسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ صبح اس کے لئے کیا خبر لے کر آنے والی تھی۔

صبح وہ اپنے مقررہ وقت پر بیدار ہوئی تھی، کالج کے لئے تیار ہو کر وہ ڈائننگ ہال میں آ گئی جہاں غیر معمولی سناٹے نے اس کا استقبال کیا تھا، رضیہ اس کے لئے ناشتہ لے آئی تھی۔

''ثمینہ آنٹی اور باقی لوگ کہاں ہیں؟'' اس نے سلائس کترتے ہوئے ملازمہ سے پوچھا۔

''صاحب لوگ تو سب ہسپتال میں ہیں، چھوٹے شاہ جی نے رات اپنی کلائی کی نس کاٹ لی، بہت خون بہہ رہا تھا، خدا جانے کیا ہو جاتا، وہ تو الیان شاہ جی کسی کام سے ان کے کمرے میں گئے تھے تو پتہ چل گیا، سب انہیں ہسپتال لے گئے ہیں اور اب تک کوئی نہیں آیا۔'' ملازمہ کی بات سن

کر اس کا سانس سینے میں اٹکنے لگا، پیروں سے جیسے جان نکلنے لگی۔

"یہ کیا ہو گیا، کوئی اس طرح بھی زندگی کو کھیل سمجھتا ہے۔" وہ سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئی، اس کا ذہن جیسے مفلوج کیفیت میں تھا، بہت دیر کے بعد اس نے موبائل سے ثمینہ آنٹی کا نمبر ملایا۔

"ہیلو۔" دوسری جانب سے ثمینہ آنٹی کی بھرائی ہوئی آواز سن کر اس کے دل پر گھونسا سا پڑا تھا۔

"آنٹی وہاں سب خیریت ہے ناں۔" اس نے سنبھل کر پوچھا۔

"اب زویان بہتر ہے ہم لوگ کچھ دیر میں گھر کے لئے نکل رہے ہیں، تم اپنی پڑھائی کا حرج مت کرنا ڈرائیور ہسپتال میں ہی ہے تم رکشہ سے کالج چلی جاؤ۔" ثمینہ آنٹی نے ہدایت کی تو اس نے ایک طویل سانس لے کر خدا حافظ کہہ کر کال ڈسکنکٹ کر دی، کالج جانے کا نہ دل تھا نہ ہی دماغ حاضر تھا، پھر بھی وہ بے دلی سے کالج آ گئی، دوپہر میں جب وہ واپس لوٹی تو پورچ میں کھڑی گاڑیوں کی تعداد بتا رہی تھی، شاہ ہاؤس والے زویان شاہ کو لے کر ہسپتال سے آ چکے ہیں، بلکہ شہوار اور رخسار بھی آئی ہوئی ہیں، کچن سے ثمینہ آنٹی کی آواز آ رہی تھی، وہ رضیہ کے سر پر کھڑی اس سے زویان کے لئے تازہ پھلوں کا رس نکلوا رہی تھیں، لاؤنج سے گزرتے ہوئے اس کا سامنا عالیان سے ہوا تھا، وہ کہیں جا رہا تھا، مثال فاطمہ کو دیکھ کر وہ رک گیا، مثال فاطمہ کو اس کی نظریں عجیب سی لگیں تھیں۔

"آ گئیں آپ کالج سے۔" اس نے ازراہ اخلاقاً پوچھا۔

"جی وہ زویان ٹھیک ہیں۔" بے اختیار اس کے لبوں پر سوال مچلا۔

"کہاں؟ وہ تو اسی وقت ٹھیک ہو گا جب اس کا مطالبہ مان لیا جائے گا۔" عالیان نے گہری نظروں سے مثال فاطمہ کو دیکھا تو وہ ٹھٹک گئی۔

"عالیان پلیز جوجو کے لئے چاکلیٹس بھی لے آنا۔" شہوار آپی سیڑھیاں اتر کر نیچے آ رہی تھیں، مثال فاطمہ ان کی جانب بڑھ آئی، وہ زویان کی جانب سے پریشان لگ رہی تھیں بلکہ کچھ الجھی ہوئی بھی تھیں، تب ہی مثال فاطمہ کو بنا دیکھے کچن کی جانب چلی گئیں، اس نے بھی کمرے میں آ کر دم لیا، عالیان کی باتوں نے اسے حقیقتاً الجھا دیا تھا، عالیان کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ زویان کی اس حرکت کی وجہ سے واقف ہے، تو کیا ثمینہ آنٹی اور دیگر افراد خانہ بھی جانتے ہیں کہ زویان نے کلائی کی نس کیوں کاٹی۔

"اوہ خدا میں کیا کروں، کہاں جاؤں کیا واپس حیدر آباد چلی جاؤں؟ مگر اس طرح تو خالہ کا خواب ادھورا رہ جائے گا، خالہ سے مشورہ کر کے ہاسٹل میں کمرہ لے لوں، مگر خالہ سے کیا کہوں گی۔" وہ بری طرح سوچوں میں ڈوبی تھی کہ اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا۔

"تم نے اب تک کپڑے تبدیل نہیں کیے۔" رخسار ادھ کھلے دروازے میں کھڑی نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

"بس وہ مجھے خیال نہیں رہا۔" اس نے چونک کر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے اب فٹافٹ کپڑے تبدیل کر کے نیچے آ جاؤ، رضیہ کھانا لگا رہی ہے، مما نے بلوایا ہے۔"

"آپی! مجھے بھوک نہیں ہے، میں بعد میں کھا لوں گی۔" اس نے عذر تراشا۔

"ہرگز نہیں، تم ہمارے ساتھ ہی کھانا کھاؤ گی، رضیہ بتا رہی تھی کہ زویان کا سن کر تم نے ناشتہ بھی نہیں کیا، اس طرح تو تم بیمار ہو جاؤ گی، ہم لوگ تو اب زویان کی ان حرکتوں کے عادی ہو گئے ہیں، اب کہ اس نے ایسا کیوں کیا یہ تو ڈیڈ معلوم کریں گے تم ٹینشن مت لو، فٹافٹ ڈائننگ ہال میں آ جاؤ۔" رخسار اتنا کہہ کر واپس چلی گئی، مثال جب ڈائننگ ہال میں آئی تو زویان کو دیکھ کر اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔

"آ جاؤ بیٹا۔" ثمینہ آنٹی نے اسے دیکھ کر کہا، البتہ زویان نے ایک نظر اٹھا کر دیکھا تک نہیں، البتہ اسے دیکھ کر مثال فاطمہ کی آنکھیں پانیوں سے لبالب بھر گئیں تھیں جنہیں چھپانے کے لئے وہ پلیٹ پر جھک گئی تھی، ایک ہی رات میں وہ کتنا نڈھال ہو گیا تھا، چہرے کی سرخ رنگت میں زردی گھل گئی تھی، آج خلاف معمول پورا گھرانہ ہی لنچ پر موجود تھا، بمعہ شہوار اور رخسار کے شوہروں کے، مگر سب ہی ازحد سنجیدہ تھے، وجہ زویان ہی تھا، جس نے خودکشی کی کوشش کر کے ایک بار پھر سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا، کھانا بے حد خاموشی سے کھایا گیا تھا، البتہ آئمہ جمال سے مثال کی آنکھوں کی نمی مخفی نہ رہی تھی، وہ سوچنے پر مجبور ہو گئیں تھیں کہ اس لڑکی کا دل بہت نرم ہے یا پھر زویان کی تکلیف ہی اس کی آنکھوں میں آنسو لانے کا باعث بنی ہے، وہ سمجھنے سے قاصر تھیں، البتہ انہیں کھوج لگ گئی تھی کہ زویان شاہ اور مثال کے درمیان کچھ ہے تو نہیں۔

کھانے کے بعد مثال فاطمہ کچن میں آ گئی جبکہ کمال شاہ اپنے کمرے کی جانب جاتے جاتے رکے اور اپنے اکلوتے فرزند سے مخاطب ہوئے۔

"زویان آپ اپنے روم میں جا کر آرام کیجئے، میں کچھ دیر میں آفس جا رہا ہوں، واپسی دیر سے ہو گی سو کل آپ سے کچھ ضروری بات چیت ہو گی۔" کمال شاہ کا لہجہ گہری سنجیدگی لئے ہوئے تھا، ثمینہ کمال نے شوہر کو جز بز ہو کر دیکھا تھا۔

"اوکے ڈیڈ۔" اس نے مختصر جواب دیا اور سیڑھیاں طے کرتا ہوا دوسری منزل پر آ گیا، شاہ ہاؤس کی دوسری منزل اس کے اور عالیان کے استعمال میں تھی، جہاں ان دونوں کے بیڈ رومز کے علاوہ لائبریری، اسٹوڈیو اور جم بھی تھا، یہ ان دوؤں کے مشترکہ مشاغل تھے، رات کے کھانے پر زویان اور کمال شاہ دونوں ہی غیر حاضر تھے، کمال شاہ کسی بزنس ڈنر میں شرکت کے لئے گئے ہوئے تھے، انکل جمال نے زویان کی بابت دریافت کیا۔

"زویان کھانا نہیں کھا رہا۔" بڑا بیٹا ہونے کے ناطے وہ ان کا بھی لاڈلا تھا۔

"منع کر رہا ہے کہ دل نہیں چاہ رہا۔" ثمینہ کمال کے لہجے میں اس کے لئے فکر مندی گھلی تھی۔

"آپ پریشان مت ہوں بھابھی سب ٹھیک ہو جائے گا، اتنا عرصہ وہ آپ سے دور رہا ہے شاید اسی لئے ذہنی انتشار کا شکار ہے، جذبات میں آ کر ایک غلط قدم اٹھا لیا اس نے۔" جمال شاہ نے ثمینہ کی دلجوئی کی خاطر کہا جبکہ آئمہ جمال پرسکون انداز میں کھانا تناول کر رہی تھیں، جیسے سب کچھ ان کے حسب منشا ہی تو ہو رہا تھا، زویان شاہ اپنے ماں باپ کے دل کا سکون بننے کے بجائے ایک ایسا عضو بن گیا تھا جو ہر وقت تکلیف ہی دیتا رہتا ہے، پھر بھی اسے جسم سے علیحدہ کرنا ناممکن ہو۔

"جمال بھائی آپ تو سب جانتے ہیں وہ شروع سے ہی ایسا ہے نجانے مجھ سے کہاں غلطی

ہوئی، اب بھی میں نے جاننے کی کوشش کی کہ اس نے ایسا کیوں کیا، کوئی ڈیمانڈ ہے اس کی تو بتائے، پر وہ تو کچھ اگلنے پر تیار ہی نہیں ہے، میری پوچھ گچھ سے شاید وہ بیزار ہو گیا ہے، اسی لئے کھانے نہیں آیا، ساتھ ہی یہ بھی کہہ رہا تھا کہ اگر اسے کچھ بتانے پر مجبور کیا گیا تو وہ گھر چھوڑ کر چلا جائے گا۔" ثمینہ کی آنکھوں میں نمی جھانکنے لگی۔

"کچھ عرصے کے لئے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں، میں کمال سے بھی کہہ دوں گا، اس سے کسی قسم کی باز پرس نہ کریں۔" جمال شاہ اتنا کہتے ہوئے خاموش ہو گئے جبکہ عالیان کچھ سوچتے ہوئے کچن کی جانب دیکھ رہا تھا، جہاں مثال فاطمہ کا دھانی آنچل لہرا رہا تھا، کچھ دیر بعد شہوار اور رخسار بھی اپنی اپنی گاڑیوں میں روانہ ہو گئیں، باقی سب اپنے اپنے بیڈ روم میں جا چکے تھے۔

مثال فاطمہ بھی اپنے کمرے میں آ گئی تھی، اسے یہ جان کر تسلی ہوئی تھی کہ زویان شاہ نے کسی کے سامنے اس کا نام نہیں لیا تھا، اس نے کتابیں کھول لیں پر آج اس کا دل کتابوں میں نہیں لگ رہا تھا، تب ہی اس کا سیل فون گنگنایا، اس نے سرعت سے سیل فون اٹھایا کل والے نمبر سے کال آ رہی تھی، اس نے بنا کسی سستی کے لیس کا بٹن دبا کر سیل فون کان سے لگا لیا۔

"مثال فاطمہ آپ مجھے میری زندگی میں روبرو ملاقات کا شرف بخشیں گی یا نہیں۔" گزشتہ روز والا مطالبہ مختلف انداز میں دہرایا گیا تھا، مثال فاطمہ کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت گویا سلب ہو گئی تھی، زویان شاہ کے سوا اسے کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔

"میں پانچ منٹ میں آ رہی ہوں۔" اس نے مختصر کہہ کر فون بند کر دیا، یہ جانے بغیر کے اس کی آمادگی نے زویان شاہ کے چہرے پر کیسے احساسات بکھیر دیے ہیں، دوپٹہ سلیقے سے سر پر لے کر وہ کمرے سے باہر نکل آئی، راہداری سونی تھی، دوسری منزل کی سیڑھیاں راہداری کے دائیں سرے پر تھیں، سیڑھیوں کی جانب بڑھتے ہوئے ایک پل کو اسے خیال آیا کہ کہیں وہ غلط قدم تو نہیں اٹھا رہی، وہ شاہ ہاؤس میں اپنی تعلیم کی غرض سے آئی تھی، نہ کہ محبت کی پینگیں بڑھانے۔

"میں صرف اس کی زندگی بچانا چاہتی ہوں تا کہ وہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کرے۔" اس نے خود کو تسلی دی، اسے معلوم نہیں تھا کہ دوسری منزل پر زویان کا کمرہ کون سا ہے، دوسری منزل کی تمام لائیٹس روشن تھیں، ایک کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا، مثال نے اندر جھانکا تو زویان کو بے قراری سے ٹہلتا پایا۔

"السلام علیکم!" اس نے قدم زویان کے کمرے کے اندر رکھا۔

"آؤ بیٹھو۔" زویان نے سلام کے جواب کے بعد اسے صوفے پر بیٹھنے کا کہا۔

"صد شکر ہے تمہیں اس بیمار کا خیال تو آیا۔" وہ اس کے مقابل صوفے پر بیٹھا اسے نثار ہوتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو کچھ ضروری بات کرنی تھی۔"

اسے یکا یک ہوش آیا کہ رات کے اس پہر دوسری منزل پر زویان اور عالیان کے سوا کوئی اور نہیں ہوتا اور وہ بیوقوف بنا سوچے سمجھے، اس کی پکار پر چلی آئی تھی، پہلے ہی وقت نے اس کے ساتھ کڑا داؤ کھیلا تھا، لوگوں کے سوالوں کے جواب دینا خالہ کو مشکل ترین لگنے لگا تھا، تب ہی تو خالہ نے محلہ تبدیل کر لیا تھا اور اب وہ اپنے دل کے کہنے میں آ کر بیوقوفی کرنے چلی تھی۔

"صرف باتیں ہی نہیں تمہیں جی بھر کے دیکھنا چاہتا ہوں، پر کل میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، بہر حال دیر آئید درست آئید، جب سے تمہیں دیکھا ہے زندگی بہت روشن لگنے لگی ہے، دل چاہتا ہے کہ تم ہر وقت میری نظروں کے سامنے رہو اور وقت آگے بڑھنا بھول جائے۔" وہ اپنی آواز کا جادو بکھیر رہا تھا، جبکہ مثال فاطمہ کی ہتھیلیاں پسینے سے نم ہوتی جا رہی تھیں، مثال فاطمہ اپنے کمرے میں واپس جانا چاہتی تھی، مگر وہ اس قدر والہانہ انداز میں اصرار کر رہا تھا کہ مثال فاطمہ کو بیٹھنا ہی پڑا، اس کی باتیں تھیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں، تقریباً ایک گھنٹے کے بعد جب وہ اپنے روم میں آئی تو اس کی رائے زویان شاہ کے بارے میں یکسر بدل چکی تھی، وہ ہرگز بھی مغرور نہیں تھا وہ تو بے حد محبت کرنے والا، عزت دینے والا اور سنبھالنے والا تھا، ہاں مگر اس کی شخصیت میں کچھ گرہیں تھیں، مثال فاطمہ نے سوچ لیا تھا کہ وہ آئندہ رات کی تنہائی میں اس سے ملنے نہیں جائے گی مگر اس کا یہ ارادہ ریت کی دیوار ہی ثابت ہوا تھا، ایک ہفتے کے بعد رات گئے پھر زویان کا فون آیا تھا، جب مثال نے آنے سے انکار کیا تو اس نے پھر سے وہی دھمکی دہرائی۔

"او کے میرے مرنے کا انتظار کرو۔"

مثال فاطمہ سرپٹ اس کے کمرے کی جانب بھاگی تھی، پھر یہ سلسلہ چل نکلا تھا، البتہ دونوں ہی محتاط رہتے تھے، یہی وجہ تھی کے گھر میں سوائے الیان کے اس معاملے کی سن گن کوئی اور نہیں پا سکا تھا، آئمہ جمال بھی نہیں جو مسلسل اس کھوج میں رہتی تھیں کہ زویان کسی لڑکی کے چکر میں تو نہیں ہے اور کہیں وہ لڑکی مثال فاطمہ تو نہیں ہے۔

"تمہارے ڈاکٹر بنتے ہی میں کسی اچھے سے لڑکے سے تمہاری شادی کر دوں گی۔" نائلہ خالہ نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو اس کی نظروں میں زویان کا سراپا آن سمایا اور اس کے چہرے پر رنگ ہی رنگ بکھر گئے مگر دوسرے ہی پل سارے رنگ پھیکے پڑ گئے۔

"کیا ہوا بیٹا؟" نائلہ اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔

"خالہ میری شادی کیسے ہو سکتی ہے، آپ بھول گئیں اس رات کو۔" اس نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

"بیوقوف نہ ہو تو ایسا کچھ نہیں ہوا تھا اس رات، تم بھول جاؤ سب کچھ اور مت دہرایا کرو اس قصے کو۔" نائلہ کا لہجہ بھی آزردہ تھا، وہ خود بھی تو اس رات کو بھول ہیں پائی تھیں، لیکن وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اس گزری ہوئی شب کی پرچھائیاں مثال فاطمہ کی آئندہ زندگی پر اثر انداز ہوں، مثال ان کے نزدیک بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی، ان کی انگلیاں اس کے بالوں میں سرسرا رہی تھیں اور دونوں کی آنکھیں ماضی کے اوراق پلٹ رہی تھیں۔

☆☆☆

"مثال اب ٹی وی بند کر کے سونے کی تیاری کرو صبح اسکول جانا ہے۔" نائلہ نے نرمی سے کہا۔

"بس خالہ دس منٹ بعد ٹی وی بند کر دوں گی۔" اس نے بینڈ نکال کر دوبارہ سے بالوں کو سمیٹ کر بینڈ میں جکڑا نظریں بدستور ٹی وی پر تھیں، جہاں "باربی ان دی پنک شوز" چل رہا تھا، اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں اشتیاق تھا، نائلہ اپنے کمرے میں جاتے جاتے پلٹیں اور اسے دیکھنے لگیں، جس کا نوخیز وجود اپنے اندر بے

پناہ کشش لئے ہوئے تھا، نائلہ اپنی جگہ کھڑی کافی دیر اسے دیکھتی رہیں، پندرھویں سن میں تھی وہ لیکن اٹھارہ سے کم نہیں لگتی تھی، نائلہ دوبارہ کمرے میں جانے کے لئے مڑیں، مگر چونک کر رک گئیں کوئی باہر کا دروازہ زور زور سے پیٹ رہا تھا۔

"خالہ دروازے پر کوئی ہے۔" مثال نے ٹی وی سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔

"ہاں میں دیکھتی ہوں۔" وہ صحن کی سمت بڑھیں، دروازے پر ربیعہ تھی ان کی پڑوسن کی بیٹی۔

"نائلہ آپا اماں بے ہوش ہو گئیں ہیں مجھے لگتا ہے کہ ان کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے، اماں کو ہسپتال لے جانا پڑے گا۔" وہ دروازے پر کھڑی رو رہی تھی۔

"دانش کہاں ہے؟" نائلہ نے اس کے بھائی کے بارے میں پوچھا۔

"دانش بھائی تو دوست کے ساتھ میر پور گئے ہیں۔" ربیعہ نے بتایا۔

"تم چلو میں آتی ہوں مثال کو بتا کر۔" وہ الٹے قدموں واپس آئی، جہاں بدستور مثال ٹی وی میں مگن تھی۔

"مثال تم دروازہ اچھی طرح بند کر لو، میں فریدہ آپا کو ہسپتال لے کر جا رہی ہوں ان کی طبیعت اچانک بگڑ گئی ہے۔" نائلہ نے پرس اور چادر لیتے ہوئے کہا۔

"خالہ میں اکیلی کیسے رہوں گی مجھے ڈر لگے گا۔" وہ ایکدم حراساں نظر آنے لگی تھی۔

"گڑیا ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے برے وقت میں پڑوسیوں کا ساتھ دینا چاہیے، دانش بھی گھر پر نہیں ہے، ربیعہ بے چاری کیسے سنبھالے گی فریدہ آپا کو، میں کوشش کروں گی جلدی واپس آنے کی، لاک کی چابی میں نے پرس میں رکھ لی ہے۔" وہ تیز تیز قدموں سے دروازے کی سمت بڑھنے لگیں، مثال ان کے پیچھے ہو لی، دروازہ بند کر کے وہ اندر آئی اور ٹی وی بند کر کے دوسرے کمرے میں آ کر سونے کے لئے لیٹ گئی، یہ تین کمروں پر مشتمل گھر تھا، پہلی دفعہ اسے نائلہ کے بغیر سونا پڑ رہا تھا، اسے ڈر بھی لگ رہا تھا، اس نے چادر منہ پر ڈال لی تھی، وہ غنودگی میں تھی جب اسے لگا کہ کوئی مسلسل دروازہ پیٹ رہا ہے، وہ چادر ہٹا کر بستر سے اتر آئی، مندی مندی آنکھوں سے وہ کمرے سے باہر نکلی، دوپٹہ بستر پر ہی پڑا رہ گیا تھا۔

"اف خالہ کتنی دیر لگا دی آپ نے۔" اس نے دروازہ چوپٹ کھول دیا، مگر باہر کا منظر دیکھ کر اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا، اس نے سرعت سے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہی، وہ تینوں اسے طرف ہٹا کر اندر آ چکے تھے، کامران ان کی نمائندگی کر رہا تھا، مثال کو فوری طور پر یہی سمجھ میں آیا کہ اسے چیخ کر کسی کو اپنی مدد کے لئے بلانا چاہیے، اس نے چیخنے کے لئے زور لگایا مگر کالی شرٹ والا لڑکا اس کا ارادہ بھانپ گیا تھا، جب ہی اس نے مثال کے کھلے ہوئے منہ پر اپنا ہاتھ جما کر دوسرے ہاتھ سے اپنے نزدیک کر لیا، کامران نے بجلی کی سی تیزی سے دروازہ بند کر دیا اور اب کالی شرٹ والا اسے گھسیٹتے ہوئے اندر لے جا رہا تھا، وہ بھرپور مزاحمت کر رہی تھی، مگر وہ لڑکا اس پر حاوی تھا، وہ لمبے قد کا صحت مند لڑکا تھا، پانچ منٹ میں وہ اسے کرسی پر رسی سے باندھ کر بٹھا چکے تھے، اس کے چیخنے کی آواز باہر نہ جانے پائے اس لئے کامران نے کمرے کا دروازہ بھی بند کر دیا تھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ میڈم نے سارا مال میں گھر میں ہی رکھا ہے۔" کامران نے تیسرے ساتھی سے پوچھا جو کہ گہری نظروں سے مثال فاطمہ کو گھور رہا تھا۔

"کیا کہا تم نے۔" اس نے چونک کر پوچھا۔

"ابے میں پوچھ رہا ہوں پکی خبر ہے کہ میڈم نائلہ نے سارا پیسہ گھر میں ہی رکھا ہے۔" کامران نے بھنا کر اپنی بات دہرائی۔

"یار میڈم کا کوہ نور تو تمہارے سامنے ہی ہے۔" اس کی نظریں بدستور مثال پر تھیں، مثال فاطمہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہونے لگی۔

"واقعی یار اس پر تو بہت عرصے سے میری بھی نظر ہے۔" کامران نے قہقہہ لگایا، وہ اسی محلے میں رہتا تھا، اسکول آتے جاتے مثال فاطمہ کو اکثر نظر آ جاتا تھا۔

"فضول باتیں چھوڑو اور جس کام کے لئے آئے ہیں وہ کرو۔" کالی شرٹ والے نے کہا۔

"میڈم نائلہ کالج میں میڈم نفیسہ سے کہہ رہی تھیں کہ کمیٹی کے پیسے فی الحال گھر میں ہی رکھے ہیں، تیسرا لڑکا سنجیدگی سے بولا۔

مثال کو سمجھ میں آ گیا کے تیسرا لڑکا خالہ کا اسٹوڈنٹ ہے اور اسے پتہ چل گیا ہے کہ خالہ کی چند روز پہلے تین لاکھ کی کمیٹی نکلی ہے، ان تینوں نے پیسوں کے لالچ میں ادھر کا رخ کیا ہے۔

"میں اور کامران رقم تلاش کرتے ہیں تم ادھر رک کر اس لڑکی کا دھیان رکھو۔" کالی شرٹ والے نے تیسرے لڑکے سے کہا اور کامران کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلا گیا، مثال سہمی ہوئی نظروں سے اس لڑکے کو دیکھ رہی تھی، وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے مثال کی جانب بڑھ رہا تھا، اس کی آنکھوں سے ہوس کے شعلے لپک رہے تھے، مثال کا پورا وجود خوف کے مارے کانپ رہا تھا، وہ دل ہی دل میں اپنے رب سے مدد مانگ رہی تھی، اب وہ ہی تھا جو اسے ان شیطانوں سے بچا سکتا تھا، ان کی نیتوں کو بدل سکتا تھا، وہ لڑکا اب اس کے بے حد نزدیک آ کر اس کی کرسی پر جھک گیا تھا، مثال فاطمہ کو اس کی گرم اور بدبودار سانسیں اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھیں، بے بسی کے شدید احساس کے تحت اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں، وہ اب ہاتھ بڑھا رہا تھا، اس کی شہادت کی انگلی مثال کے رخسار پر رینگ رہی تھی۔

"خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو، میرا قصور کیا ہے۔" وہ تڑپ رہی تھی، اس کی انگلی اب مثال کے گلابی ہونٹوں پر تھی۔

"تمہارا قصور یہ ہے کہ تم بہت خوبصورت ہو۔" اس کی انگلی اب گردن پر رینگ رہی تھی اور پھر اور نیچے، مثال کو لگ رہا تھا اس کے وجود پر بچھو رینگ رہے ہوں، اس کے آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے۔

"اللہ۔" اس کی پکار میں درد تھا، تب ہی اندرونی کمرے سے کالی شرٹ والا نکلا، کمرے کا منظر دیکھ کر وہ چونک پڑا۔

"سلمان سنو الماری کا لاک مجھ سے نہیں ٹوٹ رہا، تم کوشش کرو۔" سلمان منہ بنا کر مثال سے دور ہوا اور کالی شرٹ والے کے نزدیک سے گزرتا ہوا دوسرے کمرے میں چلا گیا جہاں کامران پہلے ہی موجود تھا، کالی شرٹ والا کچھ دیر تک اسی جگہ کھڑا روتی ہوئی مثال کو دیکھتا رہا پھر ڈھیلے ڈھالے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا، وہ کچھ سوچ رہا تھا، تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد کامران اور سلمان کمرے میں داخل ہوئے، کامران نے ایک کالا شاپر اٹھا رکھا تھا۔

"مل گئی نقدی۔" کالی شرٹ والے نے سر

اٹھا کر پوچھا۔

"نقدی بھی اور زیورات بھی میڈم کے پاس بہت مال ہے۔" مال کہتے ہوئے کامران نے مثال فاطمہ کو دیکھا جس کے آنسو اب بھی تسلسل سے بہہ رہے تھے، اس کا سر بھاری ہو رہا تھا اور حواس جیسے رخصت ہونے کو تھے۔

"اس کا کیا کرنا ہے؟" کامران نے مثال کے بارے میں کالی شرٹ والے سے پوچھا۔

"اس کو ایسے ہی چھوڑ دو اور نکلنے کی کرو فجر کی اذان ہونے والی ہے، محلے والے نماز کے لئے گھروں سے نکلیں گے کسی نے دیکھ لیا تو ہمارے لئے مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔" کالی شرٹ والا ان کا لیڈر لگ رہا تھا۔

"راجو یار کنویں کے نزدیک سے پیاسا جانے کا دل نہیں کر رہا۔" کامران نے احتجاج کیا، سلمان کا منہ بھی بن گیا تھا۔

"بکومت اگر کسی نے ہمیں دیکھ لیا تو سب سے پہلے تمہاری ہی شامت آئے گی، تم اپنے گھر سے یہ کہہ کر نکلے ہو کہ دوستوں کے ساتھ شہر سے باہر جا رہے ہو۔" راجو نے اس کا احتجاج نظر انداز کر دیا اور انہیں باہر نکلنے کا اشارہ کیا اور پھر تینوں باہر نکل گئے، راجو پیچھے تھا اس نے مثال فاطمہ پر ایک تاسف بھری نظر ڈالی تھی، جس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں، ان تینوں کے باہر نکلتے ہی اس کی گردن ایک جانب ڈھلک گئی تھی وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔

اظہار صاحب اذان فجر سے کچھ پہلے گھر سے نکلتے تھے، مسجد کے راستے میں وہ استغفار اور درود شریف کا ورد کرتے رہتے تھے، آج بھی یہی ہوا گھر سے نکلتے ہوئے انہوں نے دورد شریف کا ورد شریف کا ورد شروع کر دیا تھا، ایکدم وہ چونک پڑے میڈم کے گھر کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا۔

نائلہ کو پورے محلے میں میڈم کہہ کر پکارا جاتا تھا، اظہار صاحب درود شریف پڑھنا بھول گئے تھے، انہوں نے آگے بڑھ کر کھلے ہوئے پٹ کو دائیں ہاتھ سے بجایا مگر اندر سے کوئی ردعمل ظاہر نہ ہوا، اب کہ وہ کھنکار کر پکارے۔

"مثال بیٹا گھر میں سب خیریت تو ہے۔" اظہار صاحب کا نکڑ پر جنرل اسٹور تھا، مثال اسکول سے واپسی پر ان کے اسٹور سے چپس اور چاکلیٹس خریدتی تھی، ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں ملا تھا۔

"نائلہ میڈم آپ گھر پر موجود ہیں۔" اب کہ ان کی آواز میں تشویش نمایاں تھی، تیسری دفعہ بھی جب جواب نہ ملا تو وہ محتاط قدموں سے اندر داخل ہو گئے، لاؤنج کا منظر دیکھ کر ان کے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔

"یا اللہ خیر۔" بے ہوش مثال فاطمہ کرسی سے بندھی ان کی نظروں کے سامنے تھی، اظہار صاحب نے سب سے پہلا کام اپنی بیگم کو بلانے کا کیا تھا، نائلہ کو بھی فون کر کے بلوا لیا گیا تھا، مثال کی اور گھر کی حالت دیکھ کر نائلہ کی چیخ نکل گئی تھی، اجالا پھیل چکا تھا مگر مثال کو اب تک ہوش نہیں آیا تھا، نائلہ صدمے سے بے حال ہوئی جا رہی تھی، انہیں بے چینی سے مثال کے ہوش میں آنے کا انتظار تھا، وہ ہوش میں آنے کے بعد ہی بتا سکتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے، دوپہر تک اسے ہوش آ گیا تھا، وہ بہت سہمی ہوئی لگ رہی تھی، نائلہ نے فوری طور پر اس سے کچھ پوچھنے کا ارادہ ترک کر دیا، نقدی کا انہیں غم نہیں تھا ان کی اصل دولت تو مثال فاطمہ تھی، دوسرے روز اس نے روتے روتے پورا واقعہ نائلہ کے گوش گزار کر دیا، چند روز گزرے تو نائلہ کو اہل محلہ کے انداز میں تبدیلی نظر آنے لگی، دبی دبی سرگوشیاں

ان کا سکون چھیننے لگیں تھیں، لوگ مثال کے بارے میں چہ گوئیاں کرتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ مثال اس رات عزت جیسے آبدار موتی کو کھو چکی ہے، اس کی دوشیزگی کی چادر داغدار ہو چکی ہے، یہ سب سہنا نائلہ کے لئے آسان نہیں تھا، مثال سے تمام تفصیل جانتے ہی اس نے کامران کے متعلق چھان بین کی تھی، مگر سب کا یہی کہنا تھا کہ کامران دوستوں کے ہمراہ لاہور گیا ہوا ہے، نائلہ بہت پریشان رہنے لگی تھیں، سلمان اور راجو کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا، بہت مشکل سے نائلہ کے سمجھانے بجھانے پر وہ اسکول جانے پر رضا مند ہوئی تھی، نائلہ نے طے کیا کہ اس سے پہلے کے لوگوں کی سرگوشیاں بلند آواز میں تبدیل ہوں، اسے یہ محلہ چھوڑ دینا چاہیے، اس گھر سے اس کی بہت سی سنہری یادیں وابستہ تھیں، لیکن وہ مثال کے مستقبل کو بربادی سے بچانا چاہتی تھی، اس کی خوشیوں کو بچانا چاہتی تھی، اس نے گھر بیچ کر دوسرے علاقے میں نسبتاً چھوٹا گھر لے لیا، اسے اب نئے سرے سے شروعات کرنی تھی، اس کی جمع پونجی بھی اب لٹ چکی تھی، وقت اپنی رفتار سے گزرنے لگا، مثال فاطمہ کو ڈاکٹر بنانا نائلہ کا خواب تھا، سو اس نے مثال کو کراچی بھیج دیا، شاہ ہاؤس میں وہ محفوظ رہتی، نائلہ اس کی جانب سے مطمئن تھیں۔

☆☆☆

دو روز بعد مثال فاطمہ کراچی لوٹ آئی، زویان شاہ اپنے دوستوں کے ہمراہ نادرن ایریاز گیا ہوا تھا، شہوار بھی ان دونوں جوجو کے ساتھ شاہ ہاؤس رہنے کے لئے آئی ہوئی تھیں، ان کے شوہر کسی کورس کے سلسلے میں چھ ماہ کے لئے جاپان گئے ہوئے تھے، شہوار کو یہ عرصہ شاہ ہاؤس میں ہی گزارنا تھا، مثال فاطمہ آج کل اس کی ہمدرد و غمگسار بنی ہوئی تھی، اس روز اس نے صبح ہی مثال فاطمہ سے کہہ دیا تھا کہ وہ شام میں اپنی ایک دوست سے ملنے ہسپتال جائے گی، اس کی دوست کا مس کیرج ہو گیا تھا، ہفتہ وار تعطیل کی وجہ سے مثال گھر پر ہی تھی سو اس نے حامی بھر لی تھی، شام کی چائے کے بعد دونوں شہوار کی گاڑی میں ہسپتال پہنچ گئیں، ہسپتال کی پارکنگ میں گاڑی روک کر دونوں مرکزی عمارت کی جانب بڑھنے لگیں، فارحہ کی طبیعت اب بہتر تھی، شہوار کو دیکھ کر وہ خوش ہو گئی، اس کی والدہ بھی اس کے پاس موجود تھیں، جب وہ دونوں واپس آ رہی تھیں تو اس وقت اچانک ہسپتال کی راہداری میں ایک ایمرجنسی کیس کو اسٹریچر سے لے جایا جا رہا تھا، خودکشی کا کیس لگ رہا تھا، دونوں راہداری کی دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئیں، نوجوان لڑکی تھی جس کی کلائیوں سے خون بہہ رہا تھا، جسے روکنے کے لئے کپڑا بھی باندھا گیا تھا، شہوار کی حالت ایکدم غیر ہونے لگی تھی، اس لڑکی کو دیکھ کر جس کی عمر اٹھارہ انیس سال لگ رہی تھی، مثال نے شہوار کا ہاتھ تھام لیا اور اسے لے کر پارکنگ کی جانب بڑھنے لگی، گاڑی میں بیٹھ کر شہوار اپنی حالت درست کرنے لگی، مثال نے اسے پانی بھی پلایا تھا، اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ شہوار کو دن یاد آ گئے ہیں جب زویان نے ایک سے زائد بار خودکشی کی کوشش کی تھی۔

"پتا نہیں کیوں وہ ایسا کرتا ہے ضرور ہم سے ہی کوئی کوتاہی ہوئی ہے۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بول رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے مثال جب زویان پیدا ہونے والا تھا تو آئمہ آنٹی نے مما سے کہا کے اب ان کے ہاں جو بھی بچہ ہو بیٹا یا بیٹی مما اسے آئمہ آنٹی کو دے دیں کیونکہ آئمہ آنٹی اب تک بے

اولاد تھیں، مما نے بھی بنا سوچے سمجھے حامی بھر لی، پر جب زویان پیدا ہوا کہ جو کہ مام ڈیڈ کی پہلی اولاد نرینہ تھا تو اسے دیکھ کر مما کا ارادہ بدل گیا، مما اسے دیکھ کر نہال ہو گئیں تھی، مما کے انکار نے آئمہ آنٹی کو ان سے ہی نہیں زویان سے بھی بدظن کر دیا تھا، ڈیڈ اور چاچو پہلے بھی خاموش تھے، اب بھی دونوں نے دونوں کے درمیان بولنے سے اجتناب کیا، پھر سب ایک چھت تلے ہی تو رہتے تھے، زویان مما کی گود میں پروان چڑھتا یا آئمہ آنٹی اسے لوری سناتیں رہنا تو اسے شاہ ہاؤس میں ہی تھا۔" شہوار ایک تسلسل کے ساتھ بول رہی تھی، مثال اپنی گہری سیاہ آنکھوں میں حیرانیاں سمیٹے شہوار کے انکشافات سن رہی تھی۔

"زویان ایک سال کا ہوا تو قدرت نے شادی کے پندرہ سال کے بعد آئمہ آنٹی کی گود بھر دی، عالیان ان کی زندگی میں رنگ بھرنے آ گیا تھا، آئمہ آنٹی جی بھر کے اس پر ممتا لٹانے لگیں، پر مما زیادہ عرصہ زویان کے لاڈ نہیں اٹھا سکیں، وہ چھ سال کا تھا جب مما بیمار رہنے لگیں، اپنی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے وہ پریشان رہنے کے ساتھ ساتھ چڑچڑی بھی ہونے لگیں تھیں، پریشان تو ڈیڈ بھی تھے، مما کے سارے ٹیسٹ ہو چکے تھے اور جب رپورٹس آئیں تو پتا چلا کے انہیں بلڈ کینسر ہے، میں ان دنوں دس سال کی تھی اور رخسار آٹھ سال کی تھی، ہماری زندگی میں بھونچال آ گیا تھا، ہماری پیاری مما جانے اس بیماری کو شکست دے پائیں گی یا نہیں، ڈیڈ انہیں علاج کے لئے انگلینڈ لے گئے اور زویان سمیت ہم دونوں بہنوں کی ذمہ داری بھی آئمہ آنٹی پر آ گئی، جمال انکل نے یہاں کا سارا بزنس سنبھال لیا تھا، انکل اپنی سی کوشش کرتے تھے کہ ہمیں ڈیڈ کی کمی محسوس نہ ہو اور آئمہ آنٹی بھی، مگر کچھ غلط ہو رہا تھا، جس کا احساس ہمیں بہت دیر کے بعد ہوا، لندن میں مما کا بہترین علاج ہونے لگا، لیکن مما کی حالت سنبھلنے میں بہت عرصہ لگا تھا، سرجری کے بعد ان کی حالت میں بہتری آئی تھی، تقریباً ایک سال تک مام ڈیڈ لندن میں رہے، فون پر روزانہ ڈیڈ سے بات ہوئی تھی، کبھی کبھی مام سے بھی ہو جاتی تھی، مام کی حالت کے پیش نظر ڈیڈ انہیں چھوڑ کر بھی نہیں آ سکتے تھے، ایک سال کا عرصہ ہم نے مام ڈیڈ کے بغیر گزارا، جس میں سب سے زیادہ نقصان زویان کا ہوا تھا، میں نے کئی بار آئمہ آنٹی کو زویان کی برین واشنگ کرتے دیکھا تھا، وہ اس کے معصوم ذہن میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ مام ڈیڈ کو اپنے اکلوتے بیٹے کی بالکل پرواہ نہیں ہے، بالخصوص مام کو، ورنہ وہ اپنے معصوم بیٹے کو اپنے پاس لندن بلوا لیتیں، جب مام ڈیڈ واپس لوٹے تو زویان اس زویان سے بالکل مختلف تھا جسے وہ لوگ ایک سال پہلے چھوڑ کر گئے تھے، وہ بہت ضدی ہو گیا تھا، ہر معاملے میں من مانی کرنے لگا تھا، مام ڈیڈ کے لئے یہ نئی پریشانی تھی، مام اتنی خطرناک بیماری کو شکست دے کر لوٹی تھیں، اب ایک نیا محاذ ان کے لئے تیار تھا۔" در شہوار نے رک کر اپنا سانس ہموار کیا اور مثال فاطمہ کو دیکھا جو بہت انہماک سے سن رہی تھی، پتا نہیں کیوں وہ مثال پر اتنا بھروسہ کر رہی تھی یہ سب تو اس نے کبھی اپنے شوہر کو بھی نہیں بتایا تھا اور آج مثال فاطمہ کے سامنے اپنا دل کھول کر بیٹھ گئی تھی۔

"ایسا کرنے سے آئمہ آنٹی کو کیا حاصل ہوا؟" مثال فاطمہ اس کا دکھ اپنے دل پر محسوس کر رہی تھی، کیونکہ جس کی وجہ سے شہوار دکھی تھی، وہ شخص انجانے میں ہی مثال فاطمہ کے لئے حاصل زیست بن گیا تھا، اس کی زندگی کا یہ

تاریک پہلو مثال فاطمہ کے لئے بھی اذیت ناک تھا، جب ہی تو وہ پوچھ بیٹھی تھی۔

"مما سے بدلہ لینا چاہتی ہوں گی، مما نے زویان کو انہیں دینے سے انکار کر دیا تھا، سو انہوں نے موقع پاتے ہی اس کی شخصیت میں بگاڑ پیدا کر دیا تاکہ مما اپنے اکلوتے بیٹے کو دیکھ کر بجائے خوشی ہونے کے عمر بھر اس کی ٹوٹی بکھری شخصیت کا ماتم کرتی رہیں، بات یہاں تک رہتی تو قابل برداشت بھی تھا، پہلے پہل وہ اپنی بات منوانے کے لئے بھوک ہڑتال کرتا تھا، پھر سولہ سال کی عمر میں اس نے پہلی بار خودکشی کی کوشش کی تھی وہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے بیرون ملک جانا چاہتا تھا، پہلے مام ڈیڈ اسے چھوڑ کر گئے تھے، اب وہ انہیں چھوڑ کر جانا چاہتا تھا، مما اسے خود سے دور بھیجنے کے حق میں نہیں تھیں، لیکن اس کی زندگی ہمارے لئے زیادہ اہم تھی، سو مما نے یہ کڑوا گھونٹ بھی پی لیا، تم سوچ بھی نہیں سکتی ہو کہ جب پہلی بار اس نے مرنے کی کوشش کی تھی تو ہم پر کیا قیامت گزری تھی۔" وہ خاموش ہو گئی۔

"میں بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی۔" اس نے اگنیشن میں چابی گھما کر گاڑی اسٹارٹ کی اور پارکنگ سے باہر آ گئی۔

"شہوار آپی آپ کہیے میں خود جاننا چاہتی ہوں کے زویان ایسا کیوں کرتے ہیں۔"

"دوران تعلیم اس نے ایک بار پھر ہم سب کو شدید ذہنی جھٹکا دیا اس نے فون پر بتایا کہ وہ اپنی کلاس فیلو سے شادی کر رہا ہے، وہ یہودی لڑکی ہے۔" گاڑی سڑک پر رواں تھی اور شہوار ونڈ اسکرین کے پار کچھ کھوج رہی تھی، جبکہ مثال کا سانس لینے میں اٹک گیا تھا، شہوار کی بات سن کر۔

"پھر۔" فقط اتنا ہی بولا گیا تھا اس سے۔

"پھر کیا، منع کرتے تو پردیس میں مرنے کی کوشش کرتا دھمکی تو وہ مام کو دے ہی چکا تھا، سو ڈیڈ نے اسے اجازت دے دی یہ کہہ کر ان کے نزدیک ان کے بیٹے کی زندگی زیادہ اہم ہے، تمہیں پتا ہے وہ چپ کر گیا نہ اس نے کچھ کیا نہ کچھ کہا، ہم انتظار ہی کرتے رہے کہ اب اس کی شادی کی خبر آئے گی، وہ اس وقت بیس سال کا تھا، کچھ عرصے کے بعد عالیان سے پتا چلا کے وہ مام ڈیڈ کی محبت کو آزما رہا تھا، ورنہ اس کا کسی یہودی لڑکی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔" شہوار کی پوری بات سن کر اس کا سینے میں اٹکا سانس بحال ہوا۔

"آئمہ آنٹی نے جو کیا سو کیا پر عالیان اس سے سگے بھائیوں جیسا پیار کرتا ہے۔" شہوار نے گاڑی شاہ ہاؤس کے پورٹیکو میں لا کر کھڑی کر دی۔

"پچھلے دنوں اس نے خودکشی کی کوشش کیوں کی اس کی وجہ تا حال معلوم نہیں ہو سکی، البتہ اسے جناح ٹرمنل پر بغیر کسی دم چھلے کے دیکھ کر ہمیں جو خوشی ہوئی ہے اس کا تم اندازہ نہیں لگا سکتیں، اب تو وہ جس لڑکی کی طرف بھی اشارہ کرے گا مام اس لڑکی کو بیاہ لائیں گی۔" شہوار ذرا سا مسکرائی مثال سے سب کچھ کہہ دینے کے بعد اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔

"تم اس کے لئے دعا کیا کرو مثال فاطمہ۔" شہوار اپنی جانب کا دروازہ کھول کر اتر آئی، مثال فاطمہ نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا، شہوار اگر نہ بھی کہتی تب بھی زویان اس کی دعاؤں میں شامل تھا۔

☆☆☆

ڈاکٹر داؤد کی کلاس اٹینڈ کر کے جب مثال فاطمہ باہر آئی تو راہداری سدرہ سے سامنا ہوا۔

"مثال فاطمہ تمہاری گاڑی آ گئی ہے۔" وہ

اسے بتا کر آگے بڑھ گئی، اس نے رسٹ واچ میں ٹائم دیکھا اور تیزی سے قدم آگے بڑھانے لگی، گیٹ پر زویان شاہ اپنی گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولے اس کا منتظر تھا، آنکھوں پر سن گلاسز لگائے خوشبوؤں میں بسا وہ ہمیشہ کی طرح ماحول پر حاوی ہو رہا تھا۔

''آپ کب آئے۔'' وہ اتنے روز بعد اسے دیکھ کر کھل اٹھی، اس نے بغور مثال فاطمہ کی بے تابی کو دیکھا اور دلکشی سے مسکرا دیا۔

''صبح ہی آیا ہوں، کچھ دیر کی نیند لی ہے، پھر سوچا کہ تمہیں خوش کر دوں۔'' وہ ایکدم اپنے خول میں سمٹ گئی۔

''کیا تمہیں خوشی نہیں ہوئی مجھے اپنے سامنے دیکھ کر۔'' اس نے پوچھا۔

''مجھے اچھا لگا ہے لیکن......'' وہ ہچکچا کر خاموش ہو گئی۔

''تمہیں اچھا لگا ہے اور یہ کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو اس کا اعلان تمہارا ہر ہر انداز کرتا ہے چاہے تم نفی کرو، پر میں جانتا ہوں مثال فاطمہ۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا، مثال فاطمہ کے اندر اتنی جرأت نہیں تھی کے اسے جھٹلا سکتی۔

''اب چپ کیوں ہو گئیں تمہیں برا لگا ہے میرا اس طرح کہنا۔'' گاڑی کشادہ سڑک پر رواں تھی۔

''نہیں۔'' اس نے مختصراً جواب دیا، زویان گاہے بگاہے اس پر نظر ڈال رہا تھا۔

''تمہیں اچھا تو ہرگز نہیں لگا میرا اس طرح کہنا۔'' اس کی یہی رٹ تھی۔

''زویان ہم کچھ اور بات کریں۔'' مثال نے موضوع بدلنا چاہا۔

''اوکے یہ بتاؤ اسٹڈیز کیسی چل رہی ہے تمہاری۔''

''فائن۔''

''یار میں بتانا ہی بھول گئی، حیدر آباد سے نائلہ آنٹی آئی ہوئی ہیں۔'' زویان کو یاد آیا۔

''ارے سچ۔'' وہ بچوں کی طرح خوش ہو گئی، جبکہ زویان اس کا اشتیاق دیکھ کر خوش ہوتا رہا۔

''میں آپ کے ساتھ گھر جاؤں گی تو سب کیا سوچیں گے کہ زویان اب مثال کی ڈرائیوری کرنے لگا ہے۔'' اچانک وہ شرارت سے بولی تو زویان ہنس دیا۔

''میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے، میں تمہیں مین روڈ پر ڈراپ کر دوں گا مجھے آفس جانا ہے، میں تمہیں دیکھنے کا دل چاہ رہا تھا، سو ڈرائیور کو دوسرے کام سے بھیج کر میں تمہیں لینے آ گیا۔'' اور پھر وہ اسے ڈراپ کر کے چلا گیا، نائلہ خالہ لاؤنج میں ثمینہ آنٹی سے باتوں میں مصروف تھیں، وہ بھی سلام کر کے ان کے پاس ہی بیٹھ گئی، نائلہ نے بے اختیار اسے بھینچ کر اس کی پیشانی چوم لی، نائلہ کے انداز میں غیر معمولی گرم جوشی تھی جسے محسوس کر کے وہ چونکی تھی، دوپہر کے کھانے کے بعد جب وہ نائلہ کو اپنے کمرے میں لے کر آئی تو یہ عقدہ بھی کھل گیا۔

''میرے کالج کی پرنسپل کو تو تم جانتی ہو ناں۔'' اس نے جواب میں سر ہلایا تھا۔

''مسز انعام نے اپنے فارن کوالیفائیڈ بیٹے کا رشتہ دیا ہے تمہارے لئے، بہت اصرار کر رہی تھیں۔'' نائلہ نے اس کا سر اپنے کندھے سے لگایا۔

''پر خالہ مجھے شادی نہیں کرنی ہے۔'' اس نے روکھے لہجے میں جواب دیا، اس کا انداز دیکھ کر نائلہ کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔

''تم کیوں اس طرح کی باتیں کر رہی ہو،

مسز انعام کہہ رہی تھیں کے ان کے بیٹے کی جاب کراچی میں ہی ہے، تمہیں کسی اچھے گھر میں بیاہنا بھی تو میرا خواب ہے بلکہ یہ تو آپا کا بھی خواب تھا۔'' نائلہ کا لہجہ آخر میں بھرا گیا تھا۔

''خالہ آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں۔'' وہ بے بسی سے بولی، دل کے اندر پل میں ہی محشر بپا ہو گیا تھا، البیلے خواب بنتے بنتے وہ زندگی کی تلخ حقیقتوں کو فراموش کر چکی تھی، مسز انعام کا بیٹا ہوتا یا کوئی اور شخص، ایسی لڑکی کو کوئی بھی اپنی زندگی میں شامل کرنا پسند نہیں کرتا جو نصف رات کی تنہائی میں تین نامحرم مردوں کے درمیان رہی ہو، شاید زویان بھی نہیں، جو ذرا سی خلاف مزاج بات پر زندگی ہارنے کی کوشش کرتا تھا۔

''تم تسلی سے سوچ لو اگر تم چاہو گی تو ہم فی الحال منگنی کر لیں گے، شادی تمہارے فائنل ایئر کے بعد ہو گی، میں مسز انعام سے بات کر لوں گی۔'' نائلہ کا لہجہ ملتجیانہ ہو گیا تھا۔

''خالہ!'' اس نے بے بسی سے نائلہ کے ہاتھ تھام لئے۔

''تم سوچ لو ہم بعد میں بات کریں گے۔'' نائلہ اس سے ہاتھ چھڑا کر بستر پر لیٹ گئیں، وہ نم آنکھوں سے نائلہ کو دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

ثمینہ کمال نے نائلہ کے آگے اپنے اکلوتے بیٹے کی خوشیوں کے لئے دامن پھیلایا تھا، ان کا لاڈلا مثال فاطمہ سے شادی کرنا چاہتا تھا، زویان کو جب نائلہ کی کراچی آمد کی وجہ معلوم ہوئی، وہ فوراً ثمینہ کے پاس پہنچ گیا تھا، ثمینہ تو یہ جانتے ہی خوشی سے کھل اٹھی تھیں کہ زویان کی نظر انتخاب مثال جیسی سلجھی ہوئی لڑکی پر ٹھہری تھی، رات کے کھانے سے فارغ ہو کر انہوں نے نائلہ کے آگے مدعا بیان کیا تھا، نائلہ کی تو مراد بر آئی تھی، خاندان کا ہی اتنا اچھا لڑکا مثال کا متمنی تھا، لیکن انہوں نے فوری جواب دینے سے احتراز کیا، مثال کے کالج میں گرما کی تعطیلات شروع ہو رہی تھیں، انہوں نے سوچا کے مثال حیدر آباد آئے گی تب ہی وہ اس سے سکون سے بات کریں گی اور انہوں نے یہی کیا بھی، جس شام مثال آئی تھی، اس رات کو انہوں نے اس سے ذکر کیا، ان کی سن کر پل بھر کے لئے مثال کے چہرے پر رنگ ہی رنگ بکھر گئے، مگر کچھ ہی دیر میں تمام رنگ پھیکے پڑ گئے، نائلہ اسے بغور دیکھ رہی تھیں، انہیں سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ زویان کی ہمراہی ہی مثال کی خوشی ہے، بس وہ ماضی سے خوفزدہ ہے۔

''خالہ پلیز میری شادی کا خیال دل سے نکال دیں، میری حقیقت جاننے کے بعد کوئی بھی مجھے اپنے گھر میں بیاہنے پر تیار نہیں ہو گا، میں آپ کو چند دن کی خوشی نہیں دینا چاہتی، دوبارہ جب اسی گھر میں واپس آنا پڑے گا تو آپ کو بھی اتنا ہی دکھ ہو گا جتنا کہ میں محسوس کروں گی۔'' وہ قطعیت سے کہہ کر کمرے سے نکل گئی، اس نے انہیں کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا، دوسرے دن پھر انہوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، مگر ناکام رہیں، وہ اپنے موقف سے ہٹنے کے لئے تیار نہیں تھی، مجبوراً انہوں نے ثمینہ سے فون پر معذرت کر لی، مسز انعام کو وہ پہلے ہی انکار کر چکی تھیں، اب ثمینہ کو انکار کرتے ہوئے ان کا دل بہت دکھی تھا، ان کا بگڑا ہوا مزاج مثال سے ناراضگی کا ثبوت تھا، مثال نے اس دفعہ ان کی ناراضگی کی بھی پرواہ نہیں کی، اس کا خیال تھا کہ ایک دو روز میں ان کا مزاج معمول پر آ جائے گا اور ہوا بھی یہی، البتہ ان کے دل میں اب تک ملال تھا۔

انہیں حیدر آباد آئے دس روز ہو چکے تھے،

دونوں صحن میں شام کی چائے پی رہی تھیں، ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی، جس کی وجہ سے نائلہ کے لگائے چنبیلی کے پودے کی مہک نے پورے آنگن کو معطر کر رکھا تھا، دونوں امن و امان کی خراب صورتحال پر بات کر رہی تھیں، کہ دروازہ زور زور سے بجایا گیا، کچھ دیر پہلے گلی میں گاڑی رکنے کی آواز بھی آئی تھی۔

"میں دیکھتی ہوں خالہ۔" وہ اپنا کپ ٹرے میں رکھ کر دروازے کی جانب بڑھ گئی، دروازہ کھول کر جیسے ہی اس نے سامنے دیکھا، نظروں نے واپس پلٹنے سے انکار کر دیا، آج کتنے دنوں کے بعد نگاہیں سیراب ہوئی تھیں، اس کی غیر متوقع آمد نے پہلے مثال کو حیران اور پھر پریشان کر دیا۔

"آخر وہ اس کے پیچھے کیوں آیا ہے۔"

"اندر آنے کو نہیں کہو گی۔" وہ خوشگوار موڈ میں تھا، سفر کی ساری تھکن مثال کو اپنے سامنے دیکھ کر زائل ہو گئی تھی۔

"اندر آ جائیں پلیز۔" وہ گڑبڑا کر ایک طرف ہو گئی، وہ اس کے قریب سے گزر کر اندر آ گیا، اس کے ملبوس سے اٹھتی مہک مثال کا ارادہ ڈانوں ڈول کرنے لگا، وہ سر جھٹکتی ہوئی اندر آ گئی جہاں وہ خالہ کے آگے سر جھکائے ان سے دعا لے رہا تھا، کتنا مختلف لگ رہا تھا وہ اس وقت۔

"پہلے منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو جاؤ پھر چائے کے ساتھ اسنیکس لے لینا۔" خالہ کہہ رہی تھیں، خالہ کا انداز بتا رہا تھا جیسے وہ زویان کی آمد سے باخبر ہوں، وہ اسے اندرونی حصے میں لے جا رہی تھیں، مثال کچن میں آ کر چولہے پر چائے کا پانی رکھنے لگی۔

"فریزر سے شامی کباب اور رول نکال لو، نکواور بسکٹس تو گھر میں ہوں گے وہ بھی نکال لینا۔" وہ اسے ہدایت دے رہی تھیں، زویان کو دیکھ کر وہ الجھ گئی تھی۔

"کیوں آیا ہے وہ۔" فرائنگ پین میں کباب تلتے ہوئے وہ سوچتی رہی، خالہ چائے لے جا چکی تھیں اور ناشتے کا سامان بھی، جبکہ وہ کچن میں وقت گزارنے کے لئے سلیب کو کپڑے سے رگڑ رگڑ کر چمکانے لگی، اس کے بعد چولہوں کی باری آئی اور پھر مرتبانوں کی، وہ دلجمعی سے صفائی کرتے ہوئے اپنے ذہن و دل کو جھٹکنے سے بچا رہی تھی، آہٹ پر اس نے مڑ کر دیکھا وہ کچن کی چوکھٹ تھامے کھڑا تھا، اس کی گہری نظریں بہت کچھ کہہ رہی تھیں، مثال نے نظر ہٹا لی۔

"مہینے بھر کی صفائی آج ہی کرنے کا ارادہ ہے، یا پھر مجھ سے بچنے کے لئے یہ مصروفیت ڈھونڈی ہے۔" وہ زندگی سے بھرپور لہجے میں بولا۔

"آں نہیں، میں بس آ ہی رہی تھی۔" اس نے یکلخت کپڑا سائیڈ پر رکھ دیا، اور سنک میں ہاتھ دھونے لگی، (یہ اب یہاں سے جاتا کیوں نہیں)۔

"تمہاری طرف خیریت پوچھنے کا رواج ختم ہو چکا ہے کیا؟"

"ایسی بات نہیں ہے، میں پوچھنے آ ہی رہی تھی۔" وہ اس کی الزام تراشی پر گڑبڑا گئی۔

"پھر پوچھو ناں۔" وہ آنکھوں میں گھسا جا رہا تھا۔

"آ...... آپ خیریت سے ہیں۔" اس نے اپنے لہجے کو سنبھالنے کی بھرپور کوشش کی۔

"کہاں کی خیریت، تمہاری جدائی نے سانس لینا بھی دوبھر کر دیا تھا۔" وہ پکے عاشقوں کی طرح بولا تو نہ چاہتے ہوئے بھی مثال کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کون سی فلم دیکھ کر آ رہے ہیں۔" وہ سائیڈ پر سے ہوتی ہوئی کچن سے باہر آ گئی، وہ اس کے پیچھے ہی تھا۔

"تمہارا خیال ہے یہ فلمی ڈائیلاگ ہیں۔" اس کی غصیلی آواز ابھری۔

"پھر؟" اس کا اعتماد بحال ہو گیا تھا۔

"محترمہ یہ میرے احساسات ہیں جن کا آپ مذاق اڑا رہی ہیں۔"

"چلیں یونہی سمجھ لیں، میں مذاق اڑا رہی ہوں آپ کی فیلنگز کا اب آپ کیا کریں گے؟" اس نے جاننا چاہا یا شاید زویان کے اندر جھانکنے کی کوشش کی تھی۔

"کچھ بھی نہیں کر سکتا نہ تو خود کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہوں نہ ہی تمہیں کوئی دھمکی دے سکتا ہوں۔" وہ بے حد سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"یہ انقلاب کیوں کر آیا۔" مثال نے شگفتگی سے پوچھا، اس لمحے اسے سب بھول گیا تھا، یہ بھی کہ وہ زویان کی محبتوں سے دامن چھڑانا چاہتی ہے۔

"جب مجھے معلوم ہوا کہ تم مجھ سے اتنی ہی محبت کرتی ہو جتنی کہ میں تم سے کرتا ہوں، میں اپنی پوری زندگی تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔" اس نے گمبھیر لہجے میں بتایا۔

"ثمینہ آنٹی بھی آپ سے بے حد حساب محبت کرتی ہیں۔" اس نے زویان کا دھیان خود پر سے ہٹانا چاہا۔

"نہیں، مام کو مجھ سے محبت ہوتی تو وہ اس وقت مجھے چھوڑ کر نہ جاتیں جب مجھے ان کی شدید ضرورت تھی۔" اس کے لفظوں میں درد گیا تھا، مثال کو تو زویان کے الفاظ نے فریز کر دیا تھا، اسے اپنی جان لٹانے والی ماں کی ممتا پر شک تھا۔

"زویان شاہ وہ اس وقت شدید بیمار تھیں، وہ علاج کی غرض سے آپ سے دور ہوئی تھیں، وہ وقت ان کے لئے بہت کٹھن تھا، ایک تو جان لیوا بیماری اور دوسرے اپنی اولاد سے دوری، بہت مشکل سے انہوں نے وہ وقت گزارا ہو گا۔" مثال نے مدہم لہجے میں کہا۔

"وہ چاہتیں تو مجھے ساتھ لیجا سکتی تھیں، گورنس کا انتظام کر لیتیں، ڈیڈ افورڈ کر سکتے تھے، لیکن انہیں میری فکر نہیں تھی۔" اس کا لہجہ بدگمانی سے بھرپور تھا۔

"زویان آپ سے کس نے کہا کہ وہ آپ سے محبت نہیں کرتیں۔" اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اس کی غلط فہمی دور کرے۔

"کسی کے کہنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔" وہ تروخے پن سے بولا۔

"اور میں یہاں تم سے اپنے اور تمہارے معاملے پر بات کرنے آیا ہوں، یہ موضوع کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھو۔" اس کی سنجیدگی میں ذرہ فرق نہیں آیا تھا۔

"خالہ کہاں ہیں نظر نہیں آ رہیں۔" مثال نے موضوع بدلا، وہ دونوں آنگن میں آ بیٹھے تھے۔

"نائلہ آنٹی پڑوس میں گئی ہیں، میں تم سے جو کچھ پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو، تم نے مجھ سے شادی سے انکار کیوں کیا؟"

"آپ سفر سے تھک کر آئے ہیں زویان ہم رات کے کھانے کے بعد بات کر لیں تو کوئی حرج ہے۔" اسے جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔

"حرج ہے، مجھے رت کو واپس جانا ہے میرے پاس وقت نہیں ہے، تم نے مجھ سے شادی سے انکار کیوں کیا؟" اس نے اپنا سوال دہرایا۔

"میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے

نظریں چرائیں۔
"تم وہ بات بتاؤ جس کی وجہ سے تم شادی نہیں کرنا چاہتی۔" وہ اپنی ضد پر اڑا تھا۔
"زویان آپ مجھے مجبور مت کریں کہا نہ میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتی۔"
"او کے مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، نہ ہی نائلہ آنٹی تمہیں من مانی کرنے دیں گی، سو میں تمہیں بتانا چاہوں گا کہ مام ڈیڈ اور نائلہ آنٹی چند روز میں ہماری شادی کی ڈیٹ فائنل کرنے والے ہیں اور تمہاری چھٹیوں میں ہی ہماری شادی ہوگی، تم شادی کے بعد شوق سے کالج جوائن کر سکتی ہو، مجھے یا میرے گھر والوں کو قطعی اعتراض نہیں ہوگا۔" اس نے دوٹوک انداز میں سارا پروگرام کہہ سنایا، جسے سن کر وہ حق دق رہ گئی۔

"حیران ہونا چھوڑو اور جا کر رات کا کھانا بناؤ کیونکہ میں کھاتے ہی واپسی کے لئے نکل جاؤں گا۔" اس نے رسان سے کہا، اس کا سکون مثال کے ضبط کو چٹخا رہا تھا۔
"آپ ایسا نہیں کر سکتے زویان شاہ۔" وہ چیخ اٹھی۔
"میں ایسا کیوں نہیں کر سکتا جبکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتی ہو جتنی کہ میں تم سے کرتا ہوں، پھر میں کیوں تمہیں کوئی بیوقوفی کرنے دوں۔" وہ دلربائی کے تمام گروں سے آراستہ اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔
"آپ کچھ نہیں جانتے میرے بارے میں، آپ کو کچھ نہیں معلوم۔" وہ پھٹ پڑی۔
"میں آپ کے لائق نہیں ہوں زویان بلکہ میں کسی بھی شریف اور باکردار مرد کے لائق نہیں ہوں۔" اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے زویان کو دیکھا، جس کے چہرے کا رنگ لحظہ بہ لحظہ بدل رہا تھا۔
"یہ کیا بکواس ہے مثال فاطمہ۔" اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔
"پندرہ سال کی تھی میں اس وقت ایک رات ہمارے گھر پر ڈکیتی ہوئی تھی، تین نوجوان لڑکے آئے تھے، نصف رات کے وقت اور اس وقت میں گھر پر اکیلی تھی۔" وہ نظریں جھکائے اسے حرف بہ حرف سارا قصہ سنا رہی تھی، شرم سے اس کے لب کپکپا رہے تھے، ذلت کا احساس نئے سرے سے جاگ گیا تھا، آخر کب تک اس رات کی بدصورتی اس کی زندگی کو داغدار کرتی رہے گی، آنسو قطرہ قطرہ اس کی آنکھوں سے پھسل رہے تھے، زویان شاہ لب بھینچے سن رہا تھا، اسے لگ رہا تھا جیسے کوئی پگھلا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں انڈیل رہا ہو، اس کے لب اس طرح ایک دوسرے میں پیوست تھے، جیسے اب کبھی جنبش نہیں کریں گے اور نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں، وہ مثال فاطمہ کی جانب نہیں دیکھ رہا تھا، یا پھر شاید دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔
"فجر کی اذان کے وقت وہ واپس گئے، محلے والے سرگوشیاں کرنے لگے تھے ان کے خیال میں میری عصمت کی چادر داغدار ہو چکی ہے، ان ہی باتوں کی وجہ سے خالہ نے وہ محلہ چھوڑ دیا۔" وہ خاموش ہو چکی تھی، خاموش تو زویان بھی تھا مگر اس کے اندر بے انتہا شور برپا تھا اور پھر وہ بنا کچھ کہے مثال فاطمہ کے نزدیک سے گزر کر باہر چلا گیا، کچھ دیر بعد اس کی گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تھی، مثال جواب تک بے آواز آنسو بہا رہی تھی، اب اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی، وہ اب اونچی آواز میں رو رہی تھی۔

☆☆☆

آئمہ کے سینے پر تو سانپ لوٹ گئے تھے، ان کی تو کڑی نظر تھی، مثال فاطمہ اور زویان شاہ پر پھر کب زویان کی آنکھوں میں مثال کی تصویر سمائی تھی، کیونکہ بات اس قدر بڑھی کہ شادی تک جا پہنچی، وہ تو ششدر رہ گئیں تھیں جمال شاہ کی زبانی یہ سن کر کہ کمال شاہ نے ان سے ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ نائلہ سے زویان اور مثال کے رشتے کی بات کریں گے، کیونکہ زویان کو مثال بطور شریک حیات پسند ہے، بات مکمل کر کے جمال شاہ فائل میں منہمک ہو گئے تھے، جبکہ وہ پوری رات اسی الجھن میں گرفتار رہی تھیں بلکہ آنے والے کئی دنوں میں بھی، وہ تو سمجھتی تھیں کہ وہ زویان شاہ کی پوری شخصیت کو مسخ کر چکی ہیں، ثمینہ اب اس کی کوئی خوشی نہیں دیکھ پائیں گی، پھر جب وہ انگلینڈ میں تھا اور اس کے متعلق جس قسم کی خبریں موصول ہو رہی تھیں ان سے یہی لگتا تھا کہ وہ انگلینڈ سے کوئی گوئی دم چھلہ ساتھ لگا کر لائے گا، مگر ایسا نہیں ہوا، اتنے سال گزرنے کے بعد بھی وہ ثمینہ کے لئے اپنا دل صاف نہیں کر پائیں تھیں، الیان جیسا سعادت مند بیٹا پانے کے باوجود وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ثمینہ زویان کی کوئی خوشی دیکھ پائیں، انہیں لگتا تھا کہ بازی ان کے ہاتھ سے نکل گئی ہے، لیکن چند روز بعد ملنے والی خبر نے انہیں گونہ سکون پہنچایا تھا۔

☆☆☆

گھر پہنچ کر بھی وہ کسی جانب توجہ دیئے بغیر اپنے کمرے تک آیا تھا، کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا، اس نے اے سی آن کیا اور پھر شرٹ اتار کر دور اچھال دی لیکن رتی بھر افاقہ نہ ہوا، لگتا تھا سینے میں بھٹی سلگ رہی تھی، ذہن میں الگ حرفوں کے ناگ پھن پھیلائے اسے ڈسنے کو تیار تھے۔
"میں کسی باکردار یا شریف مرد کے لائق نہیں ہوں، اس رات میں گھر پر اکیلی تھی، وہ تین نوجوان لڑکے تھے۔" اس نے اپنے بالوں کو مٹھیوں میں جکڑ لیا، ضبط کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، ہونٹ اس طرح باہم پیوست تھے کہ جیسے آزادی ملنے پر چیخ اٹھیں گے، مگر نہ تو وہ چیخا نہ اس نے ہمیشہ کی طرح گھر سر پر اٹھایا، پہلی بار اس نے اپنی تکلیف کا اشتہار نہیں لگایا تھا، آج وہ اپنی ذات پر جھیل رہا تھا، اس کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ بہتے آنسو اس کے چہرے کو بھگو رہے تھے، نہ تو وہ پرہیزگار تھا نہ ہی صوم وصلوٰۃ کا پابند پھر جتنا عرصہ اس نے انگلینڈ میں گزارا تھا خوب عیش وعشرت میں گزارا تھا، پھر بھی ہر مرد کی طرح وہ بھی چاہتا تھا کہ اس کی زندگی میں داخل ہونے والی لڑکی پر کسی غیر مرد کی پرچھائیں بھی نہ پڑی ہو، بات اگر شادی کی ہوتی تو وہ کسی دوسری لڑکی سے شادی کر لیتا مگر یہاں معاملہ محبت کا تھا، مثال فاطمہ سے اس نے دل کی گہرائی سے محبت کی تھی، اس کے ساتھ شب و روز گزارنے کے سپنے دیکھے تھے، اس کا پورا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، وہ اب بھی کمرے کے درمیان میں دوزانوں بیٹھا آنسو بہا رہا تھا۔
ثمینہ پریشانی کے عالم میں ادھر سے ادھر ٹہل رہی تھیں، ان کی پریشانی کا باعث ہمیشہ کی طرح زویان شاہ رات نجانے وہ کب لوٹا تھا، اس کے کمرے کا دروازہ اب تک بند تھا، دن کے دو بج چکے تھے، انہوں نے دو مرتبہ دروازہ بجایا بھی تھا، اندر سے کوئی جواب نہیں آیا تھا۔
"کیا ہوا تھا اسے جو وہ کمرہ بند ہو گیا تھا، مثال فاطمہ کے انکار کا اس نے بہت اثر لیا تھا اور اس نے ہی انہیں بتایا تھا کہ وہ مثال کو منانے کی

کوشش کرے گا تو کیا وہ اسے منانے میں ناکام رہا تھا۔" ان کے ذہن میں لاتعداد سوال تھے جن کے جواب زویان ہی دے سکتا تھا، وقت تیزی سے گزر رہا تھا، اب تو شام ہونے کو تھی، ان کا صبر بھی اب جواب دینے لگا تھا۔

وہ سوچنے لگیں کے اس نے اگر کچھ دیر تک مزید دروازہ نہیں کھولا تو وہ کمال شاہ کو فون کر کے گھر بلوا لیں گی، تا کہ وہی زویان کے کمرے کا دروازہ کھلوائیں، گھر پر اس وقت صرف وہی تھیں آئمہ بھی اپنے بھائی کے گھر میرپور گئی ہوئی تھیں ان کے بھتیجے کی شادی تھی، وہ بے قراری کے عالم میں لاؤنج کے صوفے پر ٹکی ہوئی تھیں، تب ہی وہ سیڑھیوں سے اترتا دکھائی، ثمینہ میں جیسے ایک برقی رو کوندی تھی وہ اٹھ کر اس کے نزدیک آ گئیں، انہیں دیکھ کر وہ سیڑھیوں کے اختتام پر رک گیا، وہ کہیں جانے کی تیاری میں لگ رہا تھا۔

"زویان کیا ہوا جان تم نے کمرہ کیوں بند کر رکھا تھا۔" وہ بے تابی سے پوچھ رہی تھیں، اس نے نظر اٹھا کر ثمینہ کو دیکھا، ثمینہ کے دل کو کچھ ہوا، اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔

"کسی سے بات کرنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔" اس نے قدرے روکھے لہجے میں جواب دیا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی، کہاں جا رہے ہو تم اس وقت۔" اس کے ہاتھ میں بیگ انہیں اب نظر آیا تھا۔

"کچھ نہیں ہوا مجھے، میں اسلام آباد جا رہا ہوں۔" اس کا لہجہ اجنبیت سے بھرپور تھا۔

"لیکن یوں اچانک، کچھ ہوا ہے کیا؟ مثال سے بات ہوئی تمہاری۔" ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اسے جانے سے باز رکھیں۔

"جی ہو گئی بات۔" اس کا لہجہ اس لمحے انہیں بھیگا ہوا لگا۔

"کیا کہا اس نے؟" انہوں نے بے تابی سے پوچھا۔

"مام مجھے دیر ہو رہی ہے۔" اس نے ان سنی کر دی۔

"زویان بیٹا کچھ دن ٹھہر کر چلے جانا، میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔" ان گنت واہمے ثمینہ کو گھیرنے لگے۔

"میری ایک گھنٹے بعد کی فلائٹ ہے، آپ پریشان نہ ہوں، مجھے کچھ نہیں ہوگا۔" اس نے ان کے ہاتھ تھام لئے، لہجے میں بھی نرمی کا تاثر آ گیا تھا، اس نے ثمینہ کے ہاتھ لبوں سے لگا لئے، پھر اس نے ان کے ہاتھ چھوڑ کر زمین پر رکھا اپنا سیاہ بیگ اٹھایا اور خارجی دروازے کی جانب بڑھا، چند قدم چل کر وہ واپس مڑا۔

"اللہ حافظ مما۔" اتنا کہہ کر وہ دروازے سے باہر نکل گیا، ثمینہ کو اس کے انداز پر نئے سرے سے اضطراب نے گھیر لیا تھا، ان کا دل بری طرح گھبرانے لگا تھا۔

اس نے دو روز بعد انہیں اسلام آباد سے کال کی تھی اور اپنی خیریت سے آگاہ کیا تھا، ساتھ ہی تاکید کی تھی کہ وہ مثال فاطمہ سے کسی قسم کی باز پرس نہ کریں، اس وقت اس کا لہجہ انہیں بہت ٹوٹا ہوا لگا تھا، اس کے ٹھیک ایک ہفتے کے بعد اس کی فون کال لندن سے آئی تھی، اس نے بتایا کہ وہ کچھ عرصے کے لئے لندن میں سیٹل ہو رہا ہے۔

"زویان بیٹا ایسا کیا ہوا ہے خدارا مجھے بتاؤ۔" وہ فون پر ہی رونے لگیں۔

"مام کچھ نہیں ہوا مجھے، آپ کو بتایا تو تھا کہ مجھے یہاں جاب کی آفر ہے، سو میں نے سوچا کہ یہ تجربہ کر کے دیکھ لوں۔" اس نے خود کو ہشاش بشاش ظاہر کرنے کی پوری کوشش کی تھی، مگر وہ اس کی ماں تھیں اس کے دل کا حال جان گئی تھیں۔

"تم مثال فاطمہ کی وجہ سے اتنی دور گئے ہو، میں سمجھ گئی ہوں۔"

"مام پلیز آپ مثال فاطمہ سے کچھ بھی نہیں پوچھیں گی۔" اس نے پھر وہی بات دہرائی، چند ایک مزید باتوں کے بعد اس نے فون بند کر دیا تھا، انہیں زویان کے عہد نے جکڑا ہوا تھا، نائلہ کا فون آیا تب بھی وہ اس سے کچھ نہ پوچھ سکیں۔

رات کو انہیں بستر پر کروٹیں بدلتے دیکھ کر لیپ ٹاپ پر کام کرتے کمال شاہ نے انہیں تاسف سے دیکھا۔

"ثمینہ آپ پریشان ہیں نیند نہیں آ رہی؟" انہوں نے پکارا تو ثمینہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"کمال میں زویان کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔" ثمینہ کی آنکھوں نے نمی چمک رہی تھی، کمال شاہ نے بغور دیکھا، ثمینہ کے خوبصورت چہرے پر تفکر کی طویل تحریر رقم تھی۔

"اس میں نیا کیا ہے۔" انہوں نے اپنے فریم لیس گلاس اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیئے اور اپنی پیشانی مسلنے لگے۔

"اچانک اس طرح وہ لندن کیوں چلا گیا۔" ثمینہ نے کمال شاہ کو دیکھ کر کہا۔

"شکر کریں اس نے کوئی غلط حرکت کرنے کے بجائے لندن جانا مناسب سمجھا۔"

"مجھے لگتا ہے کہ مثال نے شادی سے انکار کر دیا ہوگا، اب اگر اس نے لندن میں کسی گوری سے شادی کر لی۔" ثمینہ نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا، شادی وہ مثال فاطمہ سے ہی کرے گا، میں نے اس کی آنکھوں میں مثال فاطمہ کی محبت دیکھی ہے، وہ اپنی محبت سے دست بردار نہیں ہو سکتا، یہ بات ذہن میں رکھو۔" کمال شاہ نے پر سوچ لہجے میں کہا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا ثمینہ، آپ سونے کی کوشش کریں۔" کمال شاہ دوبارہ لیپ ٹاپ کی جانب متوجہ ہو گئے، جبکہ ثمینہ کمال لیٹ گئیں تھیں۔

☆☆☆

خالہ کے آنے سے پہلے اس نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھو لیا تھا، لیکن پھر بھی اس کا ستا ہوا چہرہ تمام کہانی سنا رہا تھا، نائلہ کا دل انہونی کے احساس سے ہول گیا۔

"زویان کہاں ہے۔" انہوں نے اردگرد نظر دوڑائی۔

"وہ جا چکا ہے۔" مثال نے بھرائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"وہ جا چکا ہے، لیکن وہ تو رات کا کھانا ادھر ہی کھانے والا تھا۔"

"خالہ اسے کوئی کام یاد آ گیا تھا۔" مثال نے نظر چرا کر کہا، نائلہ کو خیال آیا کہ گلی میں اس کی گاڑی بھی موجود نہیں ہے، مطلب وہ واقعی جا چکا ہے۔

"تم نے اسے سب کچھ بتا دیا۔" نائلہ نے سرسراتے لہجے میں پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مثال تم نے کیوں کفران نعمت کیا کیوں تم نے، کیا ضرورت تھی اس سب بتانے کی۔" نائلہ کا دل ایکدم ڈوبنے لگا۔

"خالہ اگر میں آج نہ بتاتی تو کبھی نہ کبھی تو اسے یہ بات بتانی ہی تھی، اس وقت وہ مجھ سے منہ موڑتا تو زندگی بہت مشکل ہو جاتی آج نہیں کچھ روز بعد مجھے صبر آ جائے گا۔"

لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی، کہ وہ زویان

شاہ کو بھلا دے گی، وہ تو اس کی نس نس میں لہو بن کر دوڑ رہا تھا، اس کی محبت مثال کی ہر سانس میں سانس لے رہی تھی، اسے کیسے خود سے جدا کرتی اور جب زویان کی یادیں زیادہ ہی بغاوت کرنے لگتیں تو وہ جھنجھلا جاتی اور ایسے میں اس کا غصہ گھر کے برتنوں پر نکلتا تھا، خالہ خاموشی سے اس کیفیت ملاحظہ کئے جاتیں، لیکن اب وہ کچھ کرنے سے قاصر تھیں، زویان لندن جا چکا تھا اور یہ بات جب انہوں نے مثال فاطمہ کو بتائی تو وہ بے یقینی سے انہیں دیکھتی رہی اور پھر کچھ دیر بعد فائل پر جھک گئی۔

☆☆☆

"یہ سب میں نے ثمینہ کو نیچا دکھانے کے لئے کیا ہے۔" آئمہ کی تیز آواز سن کر وہ دروازے میں ہی رک گیا تھا، اس نے جھری سے اندر جھانکا آئمہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھیں، اس کے قدم زمین نے جکڑ لئے تھے۔

"ثمینہ نے جب مجھے زویان کو دینے سے انکار کیا تھا، اس وقت ہی میں نے سوچ لیا تھا کہ زویان اگر میرے دل کو ٹھنڈک نہیں پہنچا سکتا تو میں ثمینہ کو بھی اس کی کوئی خوشی نہیں دیکھنے دوں گی، تم تو جانتی ہو آصفہ مجھے اگر کسی بات کی ضد ہو جائے تو میں اسے کر کے ہی رہتی ہوں، ثمینہ جب علاج کے لئے لندن گئی تھی زویان اسے بہت یاد کرتا تھا، میں نے موقع پاتے ہی اسے ثمینہ اور کمال سے بدگمان کرنا شروع کر دیا، میری کوشش کامیاب رہی وہ کچھ ہی عرصے میں اپنے والدین سے بدظن ہو گیا، اسے سوائے میرے کوئی بھی اپنا ہمدرد نہیں لگتا تھا، اپنی بہنوں سے بھی وہ دور ہو گیا تھا، کمال بچوں سے بات کرنے کے لئے فون کرتا وہ بات کرنے سے انکار کر دیتا وہ بس مجھے ہی سب کچھ ماننے لگا، رفتہ رفتہ اس کی شخصیت مسخ ہونے لگی، ثمینہ اور کمال کے واپس آنے کے بعد بھی اس کے اندر کوئی سدھار نہیں آیا۔" وہ کچھ دیر دم لینے کے لئے رکیں، کمرے سے باہر کھڑا عالیان اپنی مما کی شخصیت کا گھناؤنا پہلو دیکھ کر سناٹے میں آ گیا، اسے آئمہ کی آواز سنائی دی۔

"پھر وہ اپنے والدین کی محبت کو آزمانے کے لئے الٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگا، پہلی دفعہ اس نے خودکشی کی تب کی جب وہ انگلینڈ جانا چاہتا تھا اور پھر تو جیسے اس کے ہاتھ ایک کھیل آ گیا تھا، لیکن جب وہ تعلیم مکمل کر کے لوٹا تو کچھ روز بعد ہی مجھے وہ بدلا بدلا سا لگا، بلاوجہ کی ضد، غصہ جیسے وہ بھول ہی گیا تھا، میں سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے، مجھے احساس ہی نہیں ہوا کہ یہ سب مثال فاطمہ کی محبت کا اعجاز ہے، میں نے اس کے اندر کی تبدیلی کا سراغ لگانے کی بہت کوشش کی، لیکن میں سمجھ نہیں پائی کہ وہ کسی کی محبت میں بدل رہا ہے، سنور رہا ہے، لیکن میں اب تک جان نہیں پائی کہ مثال فاطمہ نے شادی سے انکار کیوں کیا، زویان شاید اسی فیز میں بنا کسی کو بتائے وہ واپس لندن چلا گیا ہے۔"

آئمہ کچھ اور بھی کہہ رہی تھیں، لیکن عالیان کا ضبط اب چھٹنے کو تھا وہ خود کو گھسیٹتے ہوئے، گھر سے نکل آیا، اس کی کار انجانے راستوں کا سفر کر رہی تھی، اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں جانا چاہتا ہے، ہاں سوچوں سے فرار ضرور چاہتا تھا، تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اسے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہو، وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس پر جان لٹانے والی اس کی ماں نفرت میں اس قدر آگے بڑھ جائے گی کہ اسے زویان کی موت کا ڈر بھی نہیں رہا تھا، وہ یہ بھی بھول گئی تھی کہ زویان اپنی بہنوں کا اکلوتا بھائی ہے، کمال شاہ کا اکلوتا بیٹا ہے، کمال شاہ وہ شخص تھے جو اپنے

بھائی بھابھی پر جان نچھاور کرتے تھے، انہوں نے اور ثمینہ نے بھی عالیان اور اپنے بچوں میں کوئی فرق نہیں رکھا تھا اور اس کی ماں نے زویان کے ساتھ کیا کیا تھا، پھر بھی قدرت نے آج تک اس کا پردہ رکھا تھا، آج اتفاق سے وہ اپنی بہن سے بات کر رہی تھیں تو عالیان نے سن لیا تھا، وہ اپنی ماں کی حقیقت جان گیا تھا اور اس بدصورت حقیقت سے نظر چرانا بہت مشکل تھا، اسٹیئرنگ پر اس کی گرفت مضبوط تھی، مگر ونڈ اسکرین پر نظر ہونے کے باوجود اسے کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا، اسے صرف زویان کا خیال تھا جو پردیس میں تن تنہا جانے کن عذابوں سے نبرد آزما تھا، اچانک ایک دھماکہ ہوا تھا اور اس کا وجود کسی کھلونے کی طرح فضا میں بلند ہوا تھا، اس کے ساتھ ہی اسے اپنی چیخ کی آواز سنائی دی تھی، اس کے بعد اس کا ذہن اندھیروں میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔

☆☆☆

اسے سڑکوں کی خاک چھانتے ہوئے کئی گھنٹے بیت گئے تھے، آفس سے واپسی پر جب وہ اپنے اپارٹمنٹ آیا تو یکا یک اسے در و دیوار سے وحشت سی ہونے لگی، یہاں کوئی نہیں تھا جو اس کی راہ دیکھتا یا مسکرا کر اسے خوش آمدید کہتا مگر یہ جدائی کا فیصلہ بھی تو اس کا اپنا تھا، مثال فاطمہ سے حقیقت سننے کے بعد وہ خود پر قابو نہیں رکھ پایا تھا، اس وقت وہ یہ بھول گیا تھا کہ ٹین ایج میں اس نے بھی تو خوب رنگ رلیاں منائی تھیں، مثال فاطمہ تو بے قصور تھی اس سے تو انجانے میں بھی کوئی سرزد نہیں ہوئی تھی، گناہ کا ارادہ تو کامران کا تھا لیکن مثال کو اپنے رب پر بھروسہ تھا اور اس رب نے مثال فاطمہ کی عزت بچا لی تھی، چند ماہ کے عرصے کے بعد ہی زویان شاہ کو پچھتاوے گھیرنے لگے تھے، ایک دفعہ بھی تو اس نے پلٹ کر مثال فاطمہ سے رابطہ نہیں کیا تھا، نہ ہی یہ جاننے کی کوشش کی تھی کہ اس کی بے اعتنائی نے اس کانچ جیسی لڑکی کو چور چور تو نہیں کر دیا اپنی ہی کرچیوں سے وہ لڑکی لہولہان تو نہیں ہو گئی، بھولتا تو وہ اسے کسی پل نہیں تھا پر آج تو اس کی یاد نے اندرون جاں ایک ماتم کی سی کیفیت پیدا کر دی تھی، وہ مثال فاطمہ کی طرف لوٹنا چاہتا تھا، لیکن پہلے وہ خود کو اس پیاری سی لڑکی کے قابل بنانا چاہتا تھا، اپنی سوچ کو بدلنا چاہتا تھا، لیکن فی الحال یہ سب اتنا آسان نہیں لگ رہا تھا، اسے رہ رہ کر اس لڑکے کا خیال آتا تھا، جس نے مثال فاطمہ کو چھوا تھا، جب تک وہ خود اس رات کو بھلا نہیں دیتا وہ مثال فاطمہ کے سامنے نہیں جائے گا، یہ اس کا خود سے عہد تھا، وہ اب سڑک کے درمیان میں رک گیا تھا، اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا اور اب وہ بیچ راستے میں کھڑا رو رہا تھا، سڑک دور دور تک سنسان تھی، اس کے علاوہ کوئی ذی نفس نظر نہیں آ رہا تھا، اگر کوئی ہوتا بھی تو اس کی دلجوئی کے لئے نہ رکتا کیونکہ یہاں کے لوگ بہت مصروف تھے ان کے پاس اتنا وقت نہیں تھا، کہ ایک اجنبی کے پاس رک کر اس کے رونے کا سبب پوچھیں، مسلسل چلنے سے اس کی ٹانگیں شل ہو رہی تھیں، آنسو تیزی سے اس کا چہرہ بھگو رہے تھے، وہ اب فٹ پاتھ پر بیٹھ گیا تھا، اسے خیال آیا کہ اسے ایک ماہر نفسیات سے رجوع کرنا چاہیے جو اسے اس مشکل سے باہر نکال سکے۔

☆☆☆

او ٹی میں لیجائے جانے والے مریض کے خون آلود کپڑے اور چہرہ دیکھ کر کچھ دیر وہ سن سی کیفیت میں کھڑی رہ گئی تھی، اس لب کپکپائے

تھے۔

"عالیان بھائی۔" اس کے بعد وہ ریسپشن پر گئی تھی اور اس نے انکل جمال کا نمبر ملایا تھا تاکہ انہیں عالیان کے ایکسیڈنٹ کی خبر دے سکے کیونکہ اسے ہاسپٹل میں شاہ ہاؤس کا کوئی فرد نظر نہیں آیا تھا، اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ لوگ عالیان کے ساتھ ہونے والے حادثے سے بے خبر تھے، اطلاع پاتے ہی آدھے گھنٹے میں سب لوگ ہسپتال پہنچ گئے تھے، آئمہ جمال کی حالت انتہائی دگرگوں تھی، ان کی آنکھیں مسلسل برس رہی تھیں، وہ انتہائی کمزور دکھائی دے رہی تھیں، جمال انکل کے کندھے بھی جھکے ہوئے تھے، عالیان کی حالت انتہائی تشویشناک تھی، ڈاکٹرز نے انہیں کوئی امید نہیں دلائی تھی، وہ شدید زخمی تھا، بیرونی زخموں کی وجہ سے اس کا بہت خون بہہ گیا تھا، ایک ٹرالر نے اس کی گاڑی کو ٹکر ماردی تھی، ٹرالر کا ڈرائیور نشے میں تھا اور وہ موقع سے فرار ہو گیا تھا، مسلسل کئی گھنٹوں سے اس کا آپریشن جاری تھا، ثمینہ کمال ہاتھ میں تسبیح تھامے ورد میں مصروف تھیں، آئمہ جمال بے آواز دعا مانگ رہی تھیں، کمال شاہ اور جمال شاہ راہداری کے ایک سرے پر خاموش کھڑے تھے، مسلسل کئی گھنٹوں کے آپریشن کے بعد ڈاکٹرز آپریشن تھیٹر سے باہر آئے، دونوں بھائی تیزی سے ڈاکٹر ریحان کی جانب بڑھے۔

"ڈاکٹر اب عالیان کیسا ہے؟" کمال شاہ نے بے تابی سے پوچھا۔

"اب وہ خطرے سے باہر ہے لیکن ہمیں افسوس کے کہنا پڑ رہا ہے کے اس کی جان بچانے کے لئے ہمیں اس کی ایک ٹانگ کاٹنی پڑی ہے، یہ ضروری تھا۔" ڈاکٹر ریحان انتہائی سنجیدگی سے گویا ہوئے ان کی بات سن کر آئمہ کی سسکی نکل گئی، ثمینہ کی آنکھ کے کنارے پر ایک آنسو آکر ٹھہر گیا تھا۔

یہ آزمائش ان سب کا مقدر تھی، کمال شاہ اور جمال شاہ نے گھر کی خواتین کی وجہ سے خود پر ضبط کے پہرے بٹھا رکھے تھے، شہوار اور رخسار بھی اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ موجود تھیں، مثال فاطمہ بھی گاہے بگاہے ان کے پاس آکر صورتحال معلوم کرتی رہی تھی۔

دوسرے روز اسے ہوش آیا تھا لیکن فی الحال اسے مسکن ادویات کے زیر اثر رکھا جا رہا تھا، دو روز کے بعد وہ مکمل ہوش و حواس میں تھا، لیکن وہ کوئی بات نہیں کر رہا تھا، اسے جب اس کی ٹانگ کٹنے کا بتایا گیا وہ تب بھی خاموش رہا، اس کی خاموشی ان سب کے لئے لمحہ فکریہ تھی، لیکن ڈاکٹرز نے تسلی کرادی تھی کہ پریشانی کی بات نہیں ہے وہ دانستہ بولنے سے گریز کر رہا تھا، آئمہ کو ایک انجانے سے خوف نے گھیر لیا تھا پتا نہیں کیوں انہیں لگ رہا تھا کہ عالیان انہیں الزام دیتی نظروں سے دیکھنے لگا ہے، جیسے وہ کسی ایسے راز سے واقف ہو گیا ہو جس سے اس کا لاعلم رہنا ہی ان کے حق میں بہتر تھا، رات کو اس کے پاس رخسار ٹھہری تھی، باقی سب کو اس نے گھر بھیج دیا تھا، ایک ہفتہ اسے ہسپتال میں ایڈمٹ رکھا گیا پھر ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔

زویان اب تک عالیان کے ساتھ ہونے والے حادثے سے لاعلم تھا، کمال شاہ کا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا، اس کا کوئی نمبر بھی نہیں تھا ان کے پاس اسی جب جی چاہتا تھا وہ خود ہی کال کر لیتا تھا، مثال فاطمہ چھٹیوں کے بعد جب کراچی آئی تو اس نے ہاسٹل میں رہائش اختیار کر لی تھی، ثمینہ کی باز پرس پر اس نے جواب دیا تھا کہ اس طرح اسے آسانی رہتی ہے، اس کا جواب سن کر ثمینہ نے خاموشی اختیار کر لی تھی، عالیان اب بھی بہت کم بات چیت کرتا تھا، زیادہ تر وہ کمرے میں ہی رہتا تھا، آئمہ نے اس کے لئے گراؤنڈ فلور پر کمرہ سیٹ کروا دیا تھا، اس کا رویہ آئمہ کے لئے دکھ کا باعث تھا، انہوں نے ٹھان لی کہ آج وہ اس سے بات کر کے ہی رہیں گی، وہ کیوں انہیں اگنور کرتا ہے، رات کے وقت وہ موقع دیکھ کر اس کے کمرے میں آگئیں وہ بیڈ پر نیم دراز تھا، اس کی آنکھیں کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں، اس کی حالت دیکھ کر آئمہ کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"عالیان!" انہوں نے پکارا تو اس نے چونک کر انہیں دیکھا اور دوسرے ہی لمحے نظر پھیر لی۔

"عالیان کیوں اس طرح برتاؤ کر رہے ہو میرے ساتھ، میں ماں ہوں تمہاری۔" انہوں نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

"ثمینہ آنٹی بھی تو زویان کی ماں ہیں، بہت مجبوری میں انہوں نے زویان کو آپ کے پاس چھوڑا تھا اور آپ نے کیا کیا، اسے اس کے تمام پیارے پیارے رشتوں سے بدگمان کر دیا، اس کی شخصیت کو سنوارنے کے بجائے بری طرح مسخ دیا، اس وقت آپ نے کیوں نہیں سوچا کہ وہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہے، اس کے رویے اس کے والدین کو کتنا ہرٹ کرتے ہوں گے اور آپ کے کیے کی سزا مجھے بھی تو مل سکتی تھی، یہ نہیں سوچا آپ نے۔" عالیان کے لفظوں نے ان کے سر پر دھماکہ کیا تھا، یہ کیا کہہ رہا تھا وہ، اسے ان کی سچائی معلوم ہو گئی ہے۔

"عالیان تم غلط سمجھ رہے ہو، تم نہیں جانتے ثمینہ نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔" انہوں نے پست لہجے میں اپنی صفائی دینی چاہی۔

"میں سب جانتا ہوں مجھے الجھانے کی کوشش مت کیجئے، مجھے بہت افسوس ہے کے میں آپ کا بیٹا ہوں، آپ کی کرنی ہے میرے آڑے آئی ہے، آپ کے کیے کی سزا مجھے ملی ہے، آپ نے مجھے توڑ دیا ہے۔" وہ بلک بلک کر رو رہا تھا اور آئمہ جمال اپنے اندر اتنی سکت نہیں پا رہی تھیں کہ اس کے نزدیک جا کر اسے دلاسا دیں، انہیں لگ رہا تھا کہ آج وہ کنگال ہو گئی ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کی نظروں سے گر بھی گئی ہیں، وہ لٹے لٹے قدموں سے اس کے کمرے سے باہر نکل آئیں۔

☆☆☆

آج پورے ایک سال کے بعد اس نے اپنے ملک کی سرزمین پر قدم رکھا تھا، اس نے ایئرپورٹ سے کیب ہائر کی تھی، اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اڑ کر گھر پہنچ جائے، وہ سب کو سرپرائز دینا چاہتا تھا، اسی لئے اس نے اپنی واپسی کی اطلاع شاہ ہاؤس میں نہیں کی تھی، وہ جانتا تھا کہ اس کے والدین اس کے لئے بے حد پریشان ہوں گے، گزشتہ کئی ماہ سے اس نے کسی سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا، اس نے سوچا کہ وہ سب کو منا لے گا، مثال فاطمہ کو بھی جو اس کی روح میں بسی ہوئی تھی، وہ ایک قابل سائیکاٹرسٹ سے علاج کروا رہا تھا، اس کا میاب علاج ہو چکا تھا اور اب وہ ایک مکمل اور بھرپور شخصیت میں تبدیل ہو چکا تھا، سارا راستہ وہ سوچوں میں ڈوبتا ابھرتا رہا، چونکا اس وقت جب کیب شاہ ہاؤس کے سیاہ آہنی گریٹ کے آگے دھچکے سے رکی تھی، اس کی توقع کے عین مطابق سب اسے دیکھ کر خوشی سے سرشار ہو گئے تھے، مما، ڈیڈ، چاچو، آنٹی، آئمہ وہ فرداً فرداً سب سے گلے ملا مما کے چہرے پر بے تحاشا خوشی کے تاثرات نے روشنی سی بکھیر دی تھی، ثمینہ کمال

خوشی خوشی شہوار اور رخسار کو فون کرنے چلی گئیں تا کہ انہیں زویان کو لوٹنے کی خبر دے سکیں، اسے عالیان کی کمی محسوس ہوئی۔

"عالیان کہاں ہے؟" اس نے آئمہ آنٹی سے پوچھا، تو وہ بے اختیار نظر چرا گئیں، ان کے چہرے پر رنج و غم کے بادل چھا گئے تھے، وہ ان کی اداسی اور خاموشی کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھا، البتہ دل میں ایک بے چینی کی سی لہر ابھری تھی، جسے وہ کوئی نام نہ دے سکا۔

"چاچو۔" وہ جمال شاہ کی جانب مڑا۔

"بیٹا وہ پچھلے لان میں ہے تم وہاں جا کر ہی اس سے مل لو۔" جمال شاہ نے افسردہ لہجے میں بتایا تو وہ الجھا الجھا سا فاصلہ طے کرنے لگا، پچھلے برآمدے کو عبور کر کے اس نے جو منظر دیکھا تھا، اسے لگا کہ جیسے آسمان اس کے سر پر ٹوٹ پڑا ہو، اس کا بھائیوں جیسا دوست لان میں وہیل چیئر پر بیٹھا ہوا تھا، اسے دیکھ کر لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اپنے آپ سے بھی خفا ہو۔

"عالیان!" وہ تیزی سے اس کے قریب پہنچا۔

"یہ کیا ہوا ہے تمہیں، کب ہوا یہ سب، مجھے بتایا کیوں نہیں؟" وہ عالیان کو گلے لگائے بے ربط انداز میں سوال پر سوال کر رہا تھا اور آنکھیں تھیں کہ عالیان کے دکھ کا ماتم کر رہی تھیں، عالیان جو شدت سے اس کا منتظر تھا، اس کے مضبوط بازوؤں میں ٹوٹ کر بکھر گیا تھا۔

"زویان میرے ساتھ یہ سب کیوں ہوا، میں نے تو کبھی کسی کا برا نہیں چاہا تھا، تم جانتے ہو ناں فیوچر کو لے کر میرے کتنے پلانز تھے، میں ہائر اسٹڈیز کے لئے جانا چاہتا تھا، میری خواہش تھی کہ میں ڈیڈ اور پاپا کے بزنس کو بہت بلندی پر لے جانا چاہتا تھا، اب میں کچھ نہیں کر سکتا زویان۔" وہ بچوں کی طرح بلک رہا تھا زویان کے لئے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا، بہت دیر تک وہ اسے سمجھاتا رہا اس کے لفظوں کی تاثیر ہی تھی کہ اس نے رات کا کھانا کمرے میں منگوانے کے بجائے سب کے ساتھ کھانا منظور کیا تھا اور ڈائننگ ہال میں آ گیا تھا، جہاں شہوار اپنے شوہر غیب اور جوجو کے ساتھ موجود تھی، رخسار اور اس کا شوہر شعیب بھی ننھی ثمرہ کے ساتھ آ چکے تھے، ننھی پری تین ماہ پہلے رخسار کی زندگی کو مکمل کرنے کے لئے دنیا میں آئی تھی، اس کے وجود سے اب تک بے خبر تھا، اب جو دیکھا تو نہال ہی ہو گیا، جب سے رخسار آئی تھی، زویان ثمرہ کو گود میں اٹھائے گھوم رہا تھا، ثمینہ اور کمال شاہ کے لئے اس کی یہ تبدیلی اطمینان کا باعث تھی، پہلے بھی کہاں اس نے جوجو کے لئے کسی گرمجوشی کا اظہار کیا تھا، عالیان ہی تھا جو "ماما" بنا رہتا تھا، بہت عرصے کے بعد شاہ ہاؤس کی رونقیں بحال ہوئی تھیں، کھانا بے حد خوشگوار ماحول میں کھایا گیا تھا، بہت عرصے کے بعد عالیان کے لب بھی مسکرائے تھے۔

زویان کو دیکھتے ہوئے ثمینہ کو مثال فاطمہ کی بہت یاد آئی تھی جس نے ہاسٹل میں ہی ڈیرہ جما لیا تھا، کھانے کے بعد کافی کا دور چلا تھا، اس کے بعد شہوار اور رخسار رخصت ہو گئیں تھیں، عالیان پہلے ہی اپنے کمرے میں جا چکا تھا، ثمینہ شاہ کے بیڈ روم میں زویان ان کی گود میں سر رکھے گزرے دنوں کی روداد سنا رہا تھا، کمال شاہ لیپ ٹاپ پر کام کرتے کرتے دونوں ماں بیٹے پر بھی ایک نظر ڈال لیتے تھے، دونوں اس قدر مگن تھے کہ انہیں کمال شاہ کی موجودگی کا بھی خیال نہیں تھا۔

"آج تمہیں اتنے عرصے بعد دیکھ کر مجھے

مثال فاطمہ بہت یاد آئی ہے۔" ثمینہ نے اس کے گھنے بال پیشانی پر سے ہٹائے۔

"مجھے بھی ماما وہ بہت یاد آ رہی ہے، کہاں ہیں محترمہ؟" اس نے پوچھا۔

"وہ تو ہاؤس جاب کر رہی ہے اور تمہارے لندن جانے کے بعد وہ ہمارے گھر آئی ہی نہیں ہاسٹل میں رہنے لگی ہے، ثمرہ کی پیدائش پر بھی وہ ہاسپٹل میں آئی تھی ملنے، میرا دل چاہتا ہے اس سے ملنے کو تو میں ہاسٹل چلی جاتی ہوں۔" ثمینہ نے تفصیل سے بتایا۔

"تم جاؤ گے اس سے ملنے۔" ثمینہ نے ایک آس سے پوچھا حالانکہ وہ جانتی تھیں کہ دونوں کے درمیان کچھ ہوا ضرور ہے، پر کیا ہوا ہے یہ انہیں علم نہیں تھا، زویان اچانک لندن چلا گیا تھا اور مثال فاطمہ بھی پلٹ کر شاہ ہاؤس نہیں آئی۔

"ابھی چلا جاؤں۔" وہ یکا یک اٹھ کر بستر پر بیٹھ گیا، کمال شاہ اس کے انداز پر زیر لب مسکرائے تھے، جبکہ ثمینہ شاہ گھبرا گئیں۔

"نہیں بھئی اس وقت تو رات کے بارہ بجے چکے ہیں۔"

"او کے کل صبح چلا جاؤں گا۔" اس نے فرمانبرداری سے سر ہلایا تو ثمینہ کو لگا کہ جیسے وہ عالم خواب میں ہوں، کچھ دیر کے بعد وہ سونے کے لئے اپنے روم میں چلا گیا، لیکن ثمینہ شاہ اور کمال شاہ دیر تک اس کی باتیں کرتے رہے تھے۔

☆☆☆

ہاسپٹل سے وہ ہاسٹل کے لئے نکل رہی تھی ذہن تھکا ہوا ہونے کے ساتھ بوجھل پن کا شکار بھی تھا، آج اسے شدت سے زویان شاہ یاد آ رہا تھا، اس کے دعوے یاد آ رہے تھے، اس کی محبتیں یاد آ رہی تھیں، ایک ناکردہ گناہ کی سزا دی تھی اسے زویان نے پلٹ کر دوبارہ اس کی جانب دیکھا تک نہیں تھا، اس کے قدم ہاسپٹل کے گیٹ کی جانب بڑھ رہی تھی، اسے لگا کہ کوئی اور بھی ہے جو اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہا ہے اس نے اپنے قدم روکے نہیں لیکن وہ چونکی ضرور تھی، اسے گمان ہوا کہ وہ ارسلان عباس ہے اس کا کلاس میٹ جو گزشتہ دو سالوں سے اس کی محبت کا دعوے دار تھا، مگر مثال فاطمہ نے اس کی پذیرائی نہیں کی تھی جانتی تھی کہ وہ بھی اس کے ماضی سے واقف ہو کر راستہ بدل لے گا زویان شاہ کی طرح، یکا یک اس کی قوت مشامہ نے کچھ محسوس کیا، وہی جانی پہچانی سی مہک جو اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے والے کے ملبوس سے اٹھ رہی تھی، اس کے لبوں سے بے ساختہ ادا ہوا۔

"زویان شاہ۔"

اس کے قدموں نے مزید سفر کرنے سے انکار کر دیا، وہ گیٹ سے دس قدم کے فاصلے پر رک گئی تھی، ہمیشہ کی طرح نکھرا نکھرا خوشبوؤں میں بسا وہ اس کے سامنے کھڑا تھا، ایک پل کو وہ اسے اپنا گمان لگا تھا، زویان کیونکر اس کے پاس آ سکتا ہے۔

"تم سے ایک بات کرنی ہے، کچھ دیر کے لئے میرے ساتھ چلو۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

مثال فاطمہ مسمرائز ہو گئی تھی سوچنے سمجھنے کی ساری قوتیں کہیں جا سوئی تھیں، کسی معمول کی طرح وہ اس کے پیچھے چلتی ہوئی اس کی گاڑی تک پہنچی تھی زویان نے اس کے لئے فرنٹ ڈور کھولا تھا، جب وہ بیٹھ گئی تو اس نے دروازہ بند کیا اور دوسری طرف آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال
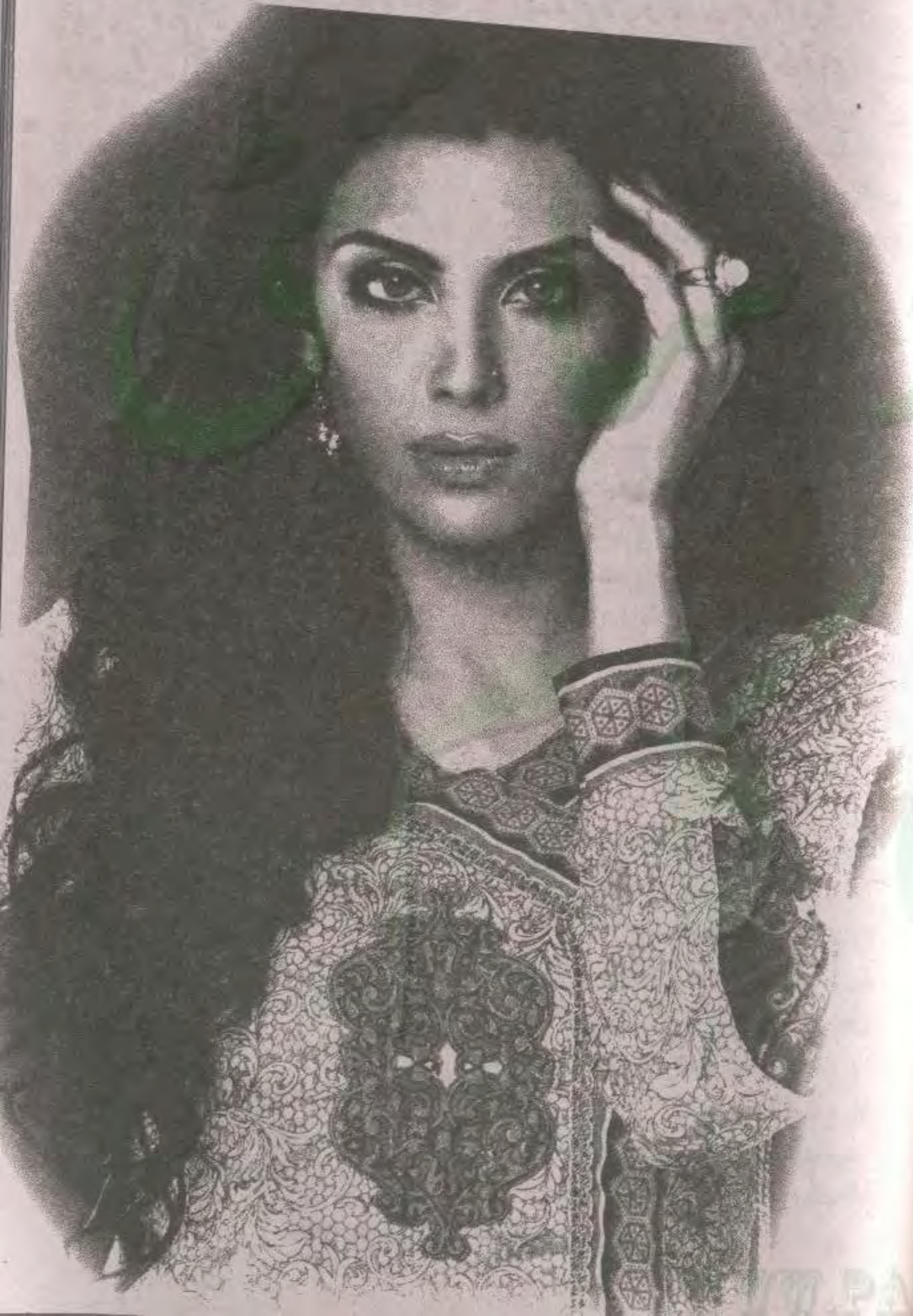
لی۔

"کیسی ہو مثال فاطمہ؟"

"کیا کہنا چاہتے ہیں آپ جلدی کیجئے مجھے دیر ہو رہی ہے۔" اسٹارٹ ہوتی گاڑی کو دیکھ کر وہ ہوش میں آئی۔

"میں نے تم سے تمہارا حال پوچھا ہے۔" اس نے مثال فاطمہ کا اعتراض نظر انداز کر دیا۔

"دو سال کے بعد آپ کو خیال آ گیا میرا حال پوچھنے کا۔" نا چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں طنز سمٹ آیا تھا، جسے محسوس کر کے وہ ہنس دیا۔

"میں جانتا تھا تم خفا ہو گی، لیکن مجھے یقین تھا کہ میں تمہیں منا لوں گا۔"

"میں ناراض ہونے کا حق نہیں رکھتی۔" اس نے رکھائی سے جواب دیا اور کھڑکی سے جھانکنے لگی، تو وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"میں اس وقت بہت ڈسٹرب ہو گیا تھا، جو کچھ نے بتایا تھا میں اس کی توقع نہیں رکھتا تھا، سو میں واقعی طور پر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گیا تھا، مجھے لگا کے میرا منظر سے ہٹنا ہی بہتر ہے سو میں لندن چلا گیا تھا، وہاں جانے کے کچھ عرصے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ تم تو بے قصور ہو، معصوم ہو، جو کچھ ہوا اس میں تمہیں سزا کیوں ملے، لیکن میں اپنے اندر واپس آنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا، مجھے لگتا تھا کہ میرے اندر بہت الجھنیں ہیں، جنہیں سلجھانے کی ضرورت ہے۔" وہ آہستہ آہستہ اسے ایک ایک بات بتا رہا تھا۔

سائیکاٹرسٹ سے سیشن کروانے سمیت، گاڑی کشادہ سڑک پر رواں تھی، مثال فاطمہ آنکھوں میں تحیر سمیٹے زویان کو دیکھ رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں میں نے غلط کیا، لیکن میری جگہ کوئی بھی ہوتا وہ یہی کرتا، اگر اس وقت میں تمہیں اپنا لیتا تو شاید زندگی میں کبھی نہ کبھی تمہیں اس حادثے کے لئے مورد الزام ٹھہرا سکتا تھا، مگر اب ایسا نہیں ہو گا، میں خود کو اچھی طرح پرکھ چکا ہوں، میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا، گزشتہ ایک سال میں، میں نے پل پل تمہاری کمی محسوس کی ہے، جو کچھ ہوا اس میں تمہارا قصور نہیں تھا، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہماری آئندہ زندگی میں کبھی بھی اس رات کا ذکر نہیں آئے گا، پلیز اب تم مجھے ٹھکرانا مت۔" وہ سڑک کے ایک طرف گاڑی روک کر اس کی جانب متوجہ تھا، اس کے لہجے میں چھپی سچائی جان کر مثال کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں، البتہ اس نے کچھ بھی کہنے سے گریز کیا تھا، جبکہ زویان شاہ اس کی زبان سے اقرار سننے کے لئے بے چین تھا۔

"مثال فاطمہ بولو ناں کیا تم نے بھی مجھے یاد کیا تھا؟"

"زویان شاہ میں نے تو ایک پل کے لئے بھی تمہیں بھلایا نہیں تھا۔" بمشکل اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں جواب دیا تھا جسے سن کر زویان شاہ جھوم اٹھا تھا اور مثال فاطمہ کو لگا کہ جیسے ملال رتوں میں اس کے چاروں اطراف گلاب ہی گلاب کھل اٹھے ہوں۔

☆☆☆

خراج

عمارہ امداد

"میرا دل اتنا بے چین کیوں ہے؟ کیوں قرار نہیں آ رہا؟" انہوں نے اپنے آپ سے سرگوشی کی، وہ مسلسل تین چار گھنٹوں سے آنکھیں بند کیے راکنگ چیئر پر بے چینی سے جھول رہی تھیں، ذہنی خلجان تھا کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا، انہیں چین آ بھی کیسے سکتا تھا ذہنی رو "اس" کی طرف جو لگی ہوئی تھی۔

رؤف جمال کسی ضروری کام سے گئے ہوئے تھے اور نصف شب تک ان کی واپسی متوقع تھی اس لئے انہیں رات کے کھانے کی بھی فکر نہ تھی، ان کے جانے کے بعد سے اب تک وہ ان گنت سوچوں اور اندیشوں میں گھری ہوئی تھیں، دوپہر کی چائے کے برتن بھی جوں کے توں پاس پڑی میز پر رکھے ہوئے تھے، صرف بیس دن میں ہی رؤف جمال کتنے بدل گئے تھے ہر وقت خاموشی ان کا احاطہ کیے رکھتی، کبھی کبھی وہ انہیں ایسی بے یقینی اور پرسوچ نظروں سے دیکھتے کہ وہ اندر تک کٹ کر رہ جاتیں، کبھی بے پناہ تلخی ان کے لہجے میں در آتی اور کبھی وہ انتہائی نرم پڑ جاتے، اتنے سے دنوں میں وہ عجب متضاد کیفیت کا شکار ہو کر رہ گئے تھے، ان بیس دنوں نے ان دونوں کی پرسکون جھیل کی مانند زندگی کو کتنے طوفانوں سے دوچار کر دیا تھا، رؤف جمال کے رویے کو سوچتے ہوئے اچانک سوچوں کے دھارے نے پھر اس کی طرف رخ کیا تو وہ بے چین سی ہو گئیں۔

"نہ جانے وہ کس حال میں ہے؟" یہ سوچتے ہی انہیں لگا کہ جیسے کمرے میں حبس بڑھ گیا ہے اور ان کا دم گھٹنے لگا ہے، تب انہوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو احساس ہوا کہ شام کا قرمزی رنگ تو آسمان کے اس کنارے سے اس کنارے تک پھیل کر قرمزی سے سرمئی اور سرمئی سے سیاہ ہو گیا ہے اور آسمان نے تو کب سے ستاروں بھری چادر اوڑھ رکھی ہے، تب انہیں احساس ہوا کہ وہ اندھیرے کمرے میں بیٹھی ہیں باہر اسٹریٹ لائٹ کی روشنی اندھیرے کو چیرتی ایک مدہم لائن کی صورت اندر آ رہی تھی انہوں نے بیرونی کھڑکیوں کے پٹ وا کیے تو باہر دسمبر کی یخ بستہ رات ہر طرف اندھیرے کے پھن پھیلائے ہوئے تھی، یخ ہوا کے سرد جھونکے کھڑکی کے راستے اندر آنے لگے، انہیں عجیب سی وحشت کا احساس ہوا تو انہوں نے بے ساختہ کمرے کی روشنی میں نہلا دیا۔

"کھڑکیاں تو ساری کھل گئی ہیں پھر مجھے اتنی شدید سردی میں بھی اتنی گھٹن اور تپش کیوں محسوس ہو رہی ہے؟ کیا یہ پچھتاؤں کے ناگ ہیں جو مجھے ڈس رہے ہیں؟" ایک بار پھر ان کی سوچوں کے منہ نوکیلے ہو کر انہیں کھرچنے لگے۔

یکدم اس پراسرار سناٹے کو چیرتی ہوئی بیرونی دروازے پر نصب گھنٹی کی آواز سنائی دی تو وہ جیسے حال کی دنیا میں واپس آ گئیں۔

آنے والا جو بھی تھا شاید اسے بہت جلدی تھی جو بیل پر ہاتھ رکھ کر اسے اٹھانا ہی بھول گیا تھا۔

"آ رہی ہوں بھئی، انتظار نہیں ہوتا کیا؟" اس وقت اٹھ کر دروازے پر جانا انہیں بے حد دشوار لگا تھا۔

انہوں نے منہ میں بڑبڑاتے ہوئے دروازہ کھولا تو دروازے سے ہاتھ ہٹانا ہی بھول گئیں، اس لمحے انہیں اپنے جسم سے جان نکلتی محسوس ہوئی تھی اور نظروں میں بے یقینی سی تھی۔

"ماما...... ماما...... وہ...... میں...... ماما پلیز...... مجھے اندر آنے دیں، مم...... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے، وہ میرا پیچھا کر رہا ہوگا، وہ مجھے پکڑ لے گا" وہ متوحش نظروں سے کبھی پیچھے مڑ کر دیکھتی تو کبھی دروازے پہ ایستادہ ان کے ساکت ہاتھ کو دیکھتی سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ اس کو اندر بھی آنے دیں گی یا نہیں، اس کی آنکھوں سے مسلسل ساون بھادوں کی جھڑیاں بہہ رہی تھیں جبکہ گھبراہٹ سے زبان سے بے ربط جملے نکل رہے تھے اور وہ...... وہ تو جیسے پتھر کی مورت بنی بے حس و حرکت وجود کے ساتھ اپنی بیٹی کی نمکین پانیوں سے لبریز آنکھوں کو دیکھ رہی تھیں، اس کی ستارہ آنکھیں جن میں روشنیوں کا اک جہاں آباد ہوتا تھا اب ان میں ویرانیاں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھیں، بیس دن پہلے کی ہی تو بات تھی جب وہ زندگی سے بھرپور ہنستے، کھلکھلاتے پھول کی مانند تھی اور اب ایسے مرجھائے ہوئے پھول کی مانند لگ رہی تھی جو بہت برے طریقے سے مسل دیا گیا ہو، ان کے دل نے لمحوں میں انہیں مطلع کیا کہ ان کے اس پھول کو کسی نے نہایت بے دردی سے توڑ مروڑ کر پتی پتی علیحدہ کر دی ہے اور جو پھول کھلنے سے پہلے ہی شاخ سے توڑ لئے جائیں وہ بھلا پھر کب دوبارہ کھل سکتے ہیں؟

"تو میرا دل اسی لئے اتنا بے چین تھا۔" کئی آبلہ پا لمحے ان کے درمیان آ کر ٹھہر سے گئے تھے۔

"ماما...... پلیز...... مجھے پناہ دے دیں، مجھے اپنی نرم آغوش میں چھپا لیں۔" ایک بار پھر اس کی آنسوؤں میں ڈوبی آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرائی تو انہیں احساس ہوا کہ آنسوؤں نے تو ان کی آنکھوں میں بھی چادر تنی ہوئی ہے تبھی سامنے کھڑی لڑکی جو ان کے ہی وجود کا حصہ ہے انہیں دھندلی نظر آ رہی ہے، انہوں نے بے دردی سے آنکھوں کو رگڑا اور کرب سے اس کی خود پر مرکوز التجائیہ نظروں کو دیکھا جن میں یہ احساس ہلکورے لے رہا تھا کہ اگر انہوں نے اسے ٹھکرا دیا تو وہ جائے گی کہاں؟

☆☆☆

"مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں تمہارے بغیر ایک پل بھی جی نہیں سکتا، دن تو جیسے تیسے کر کے گزر ہی جاتا ہے، لیکن رات ہوتے ہی تم چھم سے میری آنکھوں کی روشن قندیلوں میں آ کر براجمان ہو جاتی ہو، تمہارے بن اب تو اک اک پل کاٹنا دشوار لگتا ہے، بس اب جلدی سے میری بن جاؤ نا، آئی لو یو آئی ریئلی لو یو سویٹ ہارٹ۔" اس کا میسج پڑھتے ہوئے وہ کھو سی گئی تھی، جانے کیسا سحر تھا اس کے الفاظ میں اور اس کی آواز میں، وہ جب بھی اس کے میسج پڑھتی یا اس سے بات کرتی تو ایسے ہی مدہوش سی ہو جاتی جیسے اب ہو رہی تھی، اس کے چہرے پر اک خوبصورت سی مسکراہٹ ابھری اور گالوں میں سرخی دوڑ گئی، اس کی روشن آنکھیں آنے والے دنوں کے لئے انوکھے سپنے سجانے لگیں۔

"آئی لو یو ٹو۔" اس نے مسکراتے ہوئے زیر لب کہا اور یہ ہی میسج Reply کر دیا۔

وہ اپنے ہی خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی جب اس کی نظر سامنے صوفے پہ بیٹھی سعدیہ پر پڑی جو بڑے غور سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو نوٹ کر رہی تھیں، جانے وہ کب آ کر ادھر بیٹھ گئی تھیں کہ اسے پتہ ہی نہ چلا تھا، یکدم وہ ان کی کھوجتی ہوئی نظروں سے گڑبڑا سی گئی اور ایک لمحے کا انتظار کیے بغیر اس نے ڈیوڈ کا میسج ڈیلیٹ کر دیا۔

"یہ تم کون سی پڑھائی کر رہی ہو؟ سارا دن موبائل ہاتھ میں پکڑے نہ جانے کیا کرتی رہتی ہو؟ کتابیں تمہارے آگے صرف کھلی رہتی ہیں انہیں پڑھنے کی تو تم زحمت نہیں کرتی۔" سعدیہ

کے درشت لہجے پر وہ مزید بوکھلا گئی۔

سعدیہ نے جان بوجھ کر اس سے سختی سے بات کی کیونکہ وہ اسے جانچنا چاہ رہی تھیں وہ کئی دنوں سے نوٹ کر رہی تھیں کہ سدا کی لاپرواہ رہنے والی حرا اب اپنے آپ پر توجہ دینے لگی ہے، اس کا بیٹھے بیٹھے کچھ سوچ کر مسکرانا، اس کے بدلے بدلے انداز و اطوار ان کے گرد خطرے کی گھنٹیاں بجا رہے تھے۔

''اوہو...... ماما...... آپ تو ایسے ہی پریشان ہو جاتی ہیں میں تو اپنی دوست کا میسج پڑھ رہی تھی۔'' حرا نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کی۔

''اچھا، چلو اٹھو اور مجھے چائے بنا کر دو۔''

''اوکے ماما!'' وہ لاڈ سے کہتی ہوئی کچن کی طرف چل دی۔

اس وقت ماما کے سامنے سے ہٹنا جان بخشی کے مترادف تھا، جلدی میں وہ اپنا موبائل بھی وہیں رکھ گئی تھی اور یہ ہی سعدیہ چاہتی تھیں کہ وہ کس طرح سے اس کا موبائل چیک کریں کہ اسے پتہ بھی نہ چلے اور جلدی میں یہ موقع وہ خود ہی ان کو فراہم کر گئی تھی۔

انہوں نے جلدی سے اس کا موبائل پکڑا اور ''ان بکس'' چیک کیا لیکن اس میں اس کی دوستوں کے عام سے ہی میسج تھے، یکدم وہ ٹھٹک سی گئیں، ''میسج سینٹ'' میں ابھی کچھ دیر پہلے بھیجا ہوا حرا کا میسج جگمگا رہا تھا، جس کو میسج بھیجا گیا تھا اس کا نام تو نہیں تھا لیکن نمبر تو بہر حال موجود تھا، جلدی میں اس نے ڈیوڈ کا میسج تو ڈیلیٹ کر دیا تھا لیکن اپنا کرنا بھول گئی تھی اور ایسا پہلی بار ہوا تھا نہ وہ انتہائی چالاکی سے سب کچھ ڈیلیٹ کر کے موبائل کلیئر رکھتی تھی۔

سعدیہ نے جلدی سے وہ نمبر اپنے موبائل میں نوٹ کیا، حرا کے لکھے ہوئے الفاظ ان کے جسم میں سنسنی سی دوڑا رہے تھے۔

''اگر ایسی کوئی بات ہوئی بھی تو میں کھینچ لوں گی نہیں حرا میری دی ہوئی آزادی کا ناجائزہ فائدہ نہیں اٹھائے گی، ہو سکتا ہے اس نے اپنی کسی دوست کو ہی لکھا ہو، غلط قدم تو وہ لڑکیاں اٹھاتی ہیں جو حد سے زیادہ سخت ماحول میں پرورش پاتی ہیں۔'' وہ سوچوں کے بھنور میں الجھی خود کو تسلی دے رہی تھیں لیکن وہ یہ بھول رہی تھیں کہ میانہ روی ہی صحیح معنوں میں زندگی کا حسن جگاتی ہیں حد سے زیادہ سختی اور حد سے زیادہ آزادی دونوں ہی وبال جان بن جایا کرتی ہیں۔

☆☆☆

''بات سن رشیدہ! تو نے آج تو یہ بات کر دی لیکن دوبارہ میں نے تیرے منہ سے ایسی کوئی بات سنی تو تیرا منہ نوچ لوں گی، بے غیرت، بے حیا، دو ٹکے کی ملازمہ ہو کر میری معصوم بیٹی پر باتیں کرتی ہے اور اس پر الزام لگاتی ہے، میں تیری زبان ہی نہ کھینچ لوں، بول کام کرنا ہے یا تیری چھٹی کروا دوں۔'' کمرے میں بیٹھی ہوئی حلیمہ بیگم کی کرخت آواز گونجی جس نے برآمدے کے ساتھ ساتھ صحن کا بھی احاطہ کیا جس کے ایک کونے میں وہ چارپائی پر بیٹھی کتابیں سامنے رکھے ہوئے از حد پریشان بیٹھی ہوئی تھی کیونکہ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ رشیدہ اس کے بارے میں کوئی بات کر رہی ہے لیکن اب ماں کی بات سن کر اس نے سکون کا سانس لیا اور دور سے ہی محبت بھری نظر ماں پر ڈالی۔

کتنے اعتماد سے وہ رشیدہ کو ڈانٹ پلا رہی تھی جس نے ابھی کچھ دیر پہلے بہت ہمت جمع کر کے مالکن کو اس کی بیٹی کے بارے میں خبردار کرنے کی کوشش کی تھی۔

''مجھے معاف کر دیں بی بی جی، ہو سکتا ہے مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی ہو وہ کوئی اور لڑکی ہو اور میں نے سمجھا ہو کہ چھوٹی بی بی ہے، رب سوہنے کا واسطہ، مجھے معاف کر دیں۔'' حلیمہ بیگم کی اس دھمکی پر کہ وہ اسے کام سے نکال دیں گی، وہ جھٹ سے آنکھوں سے سب دیکھا فراموش کیے مالکن کی منت سماجت کرنے لگی کیونکہ حلیم بیگم کو اس کی بیٹی کے بارے میں خبردار کرنے سے بہت زیادہ اہم اس کے سات چھوٹے چھوٹے بچے تھے جن کا اسے پیٹ بھرنا تھا، حالانکہ کل کی ہی تو بات تھی کہ اس کا چھوٹا بھائی جو شہر میں مزدوری کرتا تھا اور وہیں رہتا تھا، وہ کچھ عرصہ سے بیمار تھا، اس لئے وہ شہر میں اس کا پتہ لینے گئی تھی، اس کے بھائی کا گھر لڑکیوں کے کالج کے قریب ہی تھا، کالج کے قریب سے گزرتے ہوئے اس کی نظر چوہدری حشمت علی کی سفید پراڈو پر پڑی تھی جو ابھی کالج کے باہر آ کر رکی تھی اور اب اس میں سے چھوٹی بی بی باہر نکل رہی تھی، وہ ایک نظر ڈال کر آگے بڑھ ہی رہی تھی کہ یکدم وہ ٹھٹک کر رک سی گئی کیونکہ جیسے ہی گاڑی نظروں سے اوجھل ہوئی وہ بجائے کالج کے گیٹ سے اندر جانے کے کالج کے قریب پارک میں چلی گئی تھی، رشیدہ اس کا پیچھا کرتے ہوئے اس جگہ پہنچی تو اس نے دیکھا کہ وہ کسی لڑکے کے ساتھ بیٹھی ہے، وہ نوکرانی ہو کر یہ حق تو نہیں رکھتی تھی کہ اس سے باز پرس کرتی لیکن وہ ان کی بہت پرانی ملازمہ تھی چنانچہ اس نے نمک حلالی کرتے ہوئے حلیمہ بیگم کو بتانے کی کوشش کی تھی ابھی اس نے یہ بتانے کی تو جرأت ہی نہ کی تھی کہ اس نے چھوٹی بی بی کو کسی لڑکے کے ساتھ دیکھا ہے، اس کے سرسری سے ذکر پر ہی حلیمہ بیگم بھڑک اٹھی تھیں اور الٹا اسے ہی موردِ الزام ٹھہرا رہی تھیں۔

''ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے...... لیکن اب میں ایسی ویسی بات دوبارہ نہ سنوں اور ہاں تو نے اور کسی سے بھی ایسا کوئی ذکر کیا جس نے میری معصوم بیٹی پر ذرا سی بھی آنچ آئی تو پھر میں برداشت نہیں کروں گی، میری بیٹی تو اتنی ذہین اور پڑھنے والی ہے پہلی لڑکی ہے جو شہر جا کر کالج میں پڑھ رہی ہے، اپنی کار میں سیدھی کالج جاتی ہے اور عین چھٹی کے وقت ڈرائیور اسے لینے پہنچ جاتا ہے اور سیدھی گھر آ جاتی ہے، میری بیٹی کو ایسی چالبازیاں نہیں آتیں کہ وہ کالج سے نہیں اور جائے، ابھی بھی دیکھو کیسے کتابیں بکھرے پڑھنے میں مصروف ہے۔'' انہوں نے کمرے کی کھڑکی سے ہی اس پر نظر ڈالی۔

اس نے گہری سانس خارج کی اور اپنے آپ کو پرسکون کرنے کی کوشش کی اور اپنا سر مزید کتابوں پر جھکا دیا، بالکل انجان بنتے ہوئے یہ ظاہر کر رہی تھی کہ جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

''اچھا ہوا...... اماں نے اس چڑیل کو خوب سبق سکھا دیا۔'' وہ دل ہی دل میں بے پناہ خوش ہوئی۔

''لیکن کل تم کالج جانے کے بجائے پارک تو گئی تھی نا، یقیناً رشیدہ نے تمہیں دیکھا ہو گا۔'' ضمیر نے جھٹ اسے آئینہ دکھایا تو وہ گھبرا سی گئی اور چور نظروں سے ماں کو دیکھنے لگی لیکن ان کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہ تھا اور وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ رشیدہ سے صفائی کروانے میں مصروف نظر آ رہی تھیں، اسے ڈھارس سی ہوئی، یقیناً اماں نے رشیدہ کی بات کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔

''محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔'' ماں کے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ احساس ندامت میں گرنے ہی لگی تھی کہ یکدم ہی ہمیشہ کا

گھسا پٹا فقرہ اس کے ذہن میں در آیا اور جو ہاں سے محبت کا ابال اٹھا تا یکدم ہی اس کی خود غرض طبیعت کے آگے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''میں نے کچھ غلط تو نہیں کیا، محبت ہی تو کی ہے، اگر میں اس سے ملتی ہوں تو کوئی جرم تو نہیں کرتی۔'' اس نے احساس ندامت کو بالائے طاق رکھا اور ہاتھوں میں پکڑی بال پوائنٹ کی نوک منہ میں دبائے اس سے پھر ملنے کے بارے میں سوچنے لگی جس کی سنگت کے خواب دیکھتے ہوئے وہ بہت اونچی اڑان اڑ چکی تھی۔

☆☆☆

''مجھے لگتا ہے کہ ماما کو مجھ پر کچھ شک سا ہو گیا ہے، آج کل وہ مجھ سے بہت باز پرس کرنے لگ گئی ہیں اور میری ہر حرکت کو نوٹ کرتی ہیں، مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ میری وہی ماما ہیں جنہوں نے مجھے اتنی آزادی دی ہوئی تھی اور کبھی بلاوجہ روک ٹوک نہیں کی، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

''اوہو، ایک تو تم بہت جلدی گھبرا جاتی ہو، ڈیئر، جب پیار کیا تو ڈرنا کیا، ویسے تمہاری انہی اداؤں پر تو میں مرتا ہوں۔'' ڈیوڈ نے اس کے دائیں گال پر جھولتی بالوں کی لٹ کو کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے مخمور لہجے میں کہا اور استحقاق بھرے انداز سے اس کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تو اس کے چہرے پر کئی دھنک رنگ بکھر گئے۔

''میں اتنی پریشان ہوں اور تمہیں رومانس سوجھ رہا ہے۔'' اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور جسارت کرتا، اس نے خفگی ظاہر کرتے ہوئے اپنا ہاتھ اس سے چھڑا لیا، درحقیقت وہ اس کی پرشوق نگاہوں سے گھبرا رہی تھی، وہ ایسا ہی بے باک تھا، جب بھی اس سے ملتا تو بغیر موقع دیکھے، جگہ دیکھے وہ اس پر اپنے جذبوں کی شدت کو آشکار کرنا شروع کر دیتا۔

اب بھی اسے اس کے ایسے ہی ارادے لگ رہے تھے، ڈیوڈ کو تو پرواہ نہیں تھی لیکن اسے تو احساس تھا کہ وہ اس وقت پارک میں بیٹھے تھے جہاں زیادہ رش تو نہ تھا لیکن اکا دکا آتے جاتے لوگ تو تھے اور اس کا کالج یونیفارم دوسروں کو بغیر سمجھے بھی بہت کچھ سمجھا سکتا تھا۔

''کیا ہے یار! ایک تو اتنی مشکل سے ہم ملتے ہیں اور تم ہو کہ سارا وقت ان فضول باتوں میں ضائع کر دیتی ہو اگر وقت ہی ضائع کرنا ہے تو میں جا رہا ہوں۔'' اس نے جتاتے ہوئے لہجے میں کہا، اس کے چہرے پر اکتاہٹ صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

''اچھا پلیز، ناراض تو مت ہو، تمہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ میں تمہاری ناراضگی برداشت نہیں کر سکتی۔'' وہ محبت کی شدت سے بولی۔

''تو پھر تم اب ایسی الٹی سیدھی باتیں نہیں کرو گی، کچھ نہیں ہوتا، خوامخواہ میں پریشان مت ہو، ہر خیال کو دل سے جھٹک دو، صرف اتنا یاد رکھو کہ میں ہوں اور تم ہو اور محبت بھری باتیں، بس۔'' وہ پھر اس کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔

اور وہ ہمیشہ اس کے سامنے بے بس ہو جاتی تھی، اس نے پل بھر میں ہی دل میں آئے تمام وسوسوں اور اندیشوں کو جھٹک دیا۔

''اچھا بھئی، اب ایسی ویسی کوئی بات نہیں او کے۔'' حرا نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بھی ہنس دیا۔

اس کی بے باک نظریں اس کی دلکش ہنسی اور دلکش سراپے میں الجھنے لگی تو وہ شرما کر پارک میں لگی گھاس سے ایک تنکا توڑ کر اس سے زمین کھرچنے لگی، وہ اس کی بے لحاظ نظروں کو اس کی محبت سمجھ رہی تھی اور پھر وہی غلطی دوہرا رہی تھی جو کہ حوا کی بیٹی دوہراتی چلی آ رہی ہے، ایک محبت کی نظر ہوتی ہے اور ایک ہوس کی نظر، کاش بنت حوا ان نظروں میں امتیاز کرنا سیکھ جائے تو رسوائیاں اس کا مقدر نہ بنیں۔

وہ کالج کے اس قریبی پارک میں اکثر ملتے تھے، جس دن اس نے ڈیوڈ سے ملنا ہوتا وہ کالج کے اوقات کے دوران اس سے ملنے ادھر آ جاتی اور چھٹی ٹائم کالج کی وین میں سوار ہو جاتی، آج بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا، شروع میں وہ گھبراتی تھی لیکن اب اس کا ڈر تقریباً ختم ہو چکا تھا کیونکہ برائی کے راستے پہ جانا پہلی دفعہ ہی مشکل ہوتا ہے پھر تو قدم بار بار اٹھتے ہیں جیسے حرا کے اٹھ رہے تھے۔

☆☆☆

''شکر ہے تم آئی تو، میں کب سے انتظار کر رہا تھا۔'' اس نے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم سے ملنا کتنا مشکل ہے؟ یہ میں ہی جانتی ہوں۔'' وہ جو ابھی ابھی آئی تھی اور قدرے ڈری سہمی ہوئی تھی، اردگرد محتاط انداز سے دیکھتے ہوئے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان بولی، دھوپ کی تمازت سے اس کی اناری رنگت مزید دہک رہی تھی، وہ اردگرد سے بے نیاز اسے دیکھنے میں مصروف تھا، وہ خود پر جمی اس کی نظروں سے نروس ہونے لگی۔

''کیا ہے؟ اب دیکھنا بند بھی کر دو۔'' وہ قریبی بینچ پر بیٹھتے ہوئے بظاہر جھنجھلائے مگر شرمائے لہجے میں بولی۔

''اور اگر نہ بند کروں تو۔'' اس نے لہجے میں شرارت سموئی۔

''پلیز میں بہت پریشان ہوں۔'' اس نے بینچ کی بیک سے سر ٹکاتے ہوئے آزردگی سے کہا تو وہ چونک سا گیا۔

''کیا ہوا ہے؟'' وہ اس کے قریب بینچ پر ہی بیٹھ گیا، اس کے سنجیدہ لہجے پر وہ بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''پچھلے ہفتے رشیدہ (ہماری کام والی) نے مجھے کالج سے اس پارک کی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا ہے اور اس نے اماں سے بھی کہہ دیا ہے۔'' وہ انگلیاں مرڑوتے ہوئے بولی۔

''پھر انہوں نے کیا کہا؟'' وہ یکدم پریشان ہو گیا تھا۔

''شکر ہے اماں جان نے اسے سختی سے ڈانٹ دیا اور اس کی کسی بات پر یقین نہیں کیا اور اس سے یہ بھی کہا کہ وہ اپنی زبان بند رکھے میری قسمت اچھی تھی کہ اب کی بار میں بچ گئی لیکن بار بار تو ایسے مواقع نہیں ملتے نا اور تمہیں تو پتہ ہے کہ ہمارے گھر کا ماحول کتنا سخت ہے۔''

''چلو یہ شکر ہے کہ انہیں تم پر شک تو نہیں ہوا نا اور اب بتاؤ کہ کیا کریں؟'' اس نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''میں اب تم سے ملنے یہاں نہیں آؤں گی کیونکہ یہ جگہ نظر میں تو آ گئی ہے نا، اس طرح گھر میں پتہ چل سکتا ہے۔''

''تو ہم کہیں اور مل لیا کریں گے۔'' اس نے جیسے مسئلے کا آسان حل ڈھونڈا۔

''نہیں یہ صحیح نہیں ہے، کہیں میری مخبری ہی نہ ہو جائے، فی الحال کچھ عرصہ کے لئے ہم نہیں ملتے کیونکہ مجھے ڈر لگ رہا ہے بعد میں، میں کوئی مناسب موقع دیکھ کر تمہیں خود ہی بتا دوں گی۔''

''تم جانتی ہو میں تمہارے معاملے میں بہت حساس اور سنجیدہ ہو چکا ہوں، تم سے دستبردار ہونے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا، کچھ عرصہ کے

لئے تو میں تمہاری جدائی برداشت کرلوں گا لیکن کبھی ایسا نہ ہو تم مجھ سے بالکل رابطہ ختم کر دو۔'' وہ بے چینی سے بولا۔

اس کے لہجے میں پنہاں محبت کی شدت محسوس کرتے ہوئے اس کی آنکھیں چمک پڑیں۔

''ارے یہ کیا؟ رونے کیوں لگی؟'' اس نے اس کے گالوں پر پھسلتے موتیوں کو اپنی پوروں پر چن لیا تو اس کے محبت بھرے انداز سے اسے اپنا آپ پر رشک محسوس ہوا۔

''یہ آنسو تو تمہاری محبت کی شدت دیکھ کر میری آنکھوں کو نم کر رہے ہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دیا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں تم سے رابطہ ختم کر دوں گی، تمہاری خاطر میں ساری دنیا سے لڑ سکتی ہوں۔'' وہ اس کے مضبوط ہاتھوں پر اپنے نرم و نازک ہاتھ رکھتے ہوئے پرعزم لہجے میں بولی، اس کے لفظوں میں سچائیاں بول رہی تھیں۔

ایک دوسرے کے سحر میں کھوئے اور جذب کے عالم میں ڈوبے وہ دیر تلک عہد و پیمان کرتے رہے۔

☆☆☆

''جب میں نے تمہیں ایک دفعہ کہہ دیا ہے کہ مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی تو پھر تم بات ختم کیوں نہیں کر رہی؟'' سعدیہ نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ماما آپ ایسا کہہ رہی ہیں، آپ تو ہمیشہ روشن خیال بنتی تھیں اور ہمیشہ آپ نے مجھے یہی سکھایا کہ جو دل میں آئے کرو، اپنی مرضی کی زندگی گزارو اور اب اگر میں اپنی مرضی کی زندگی گزارنا چاہتی ہوں تو آپ مان نہیں رہیں۔'' حرا تنک کر بولی۔

''یہی تو غلطی ہو گئی مجھ سے کہ میں نے ضرورت سے زیادہ تم پر اعتبار کرلیا۔'' سعدیہ کے لہجے میں تھکن در آئی۔

''آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ میں اگر آپ کو سب کچھ سچ بتا دوں گی تو آپ میرا پورا ساتھ دیں گی، تو پھر اب کیا ہوا ہے؟'' اسے اس وقت صرف اپنی پڑی ہوئی تھی اور اپنی ذات سے غرض تھی، ماں کتنی پریشان ہے اسے اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔

''تم ضد ہی ایسی کر رہی ہو، میں کیسے مان لوں اور تمہارے پاپا کبھی نہیں مانیں گے، خدا کے لئے بیٹا ایسا مت کرو۔'' انہوں نے التجائیہ نظروں سے بیٹی کی طرف دیکھا۔

سعدیہ نے جو نمبر حرا کے موبائل سے لیا تھا اس پر کال کی تو کسی لڑکے نے کال ریسیو کی تھی تو انہوں نے بغیر بات کیے فون کاٹ دیا تھا، تب انہوں نے سوچا تھا کہ وہ حرا سے بات کر کے لڑکے کے متعلق ساری معلومات حاصل کر کے اگر انہیں مناسب لگا تو وہ رؤف کو آگاہ کر دیں گی، اسی لئے انہوں نے حرا سے بات بھی کی تھی، پہلے تو وہ گھبرا گئی لیکن پھر ان کی حوصلہ افزائی دیکھتے ہوئے اس نے انہیں ڈیوڈ کے متعلق بتا دیا تھا اور تب وہ حقیقتاً پریشان ہو گئی تھیں اور اسے سمجھا رہی تھیں، وہ ضد ہی ایسی کر رہی تھی کہ جس کا پورا کرنا ناممکن تھا، ڈیوڈ ان کا ہم مذہب نہ تھا کیونکہ وہ عیسائی تھا اور رؤف تو کسی صورت نہ مانتے، اس لئے وہ رؤف کے علم میں لائے بغیر یہ معاملہ نمٹانا چاہتی تھیں اور اس سے پہلے پانی سر سے اونچا ہو جاتا انہیں اس پر بند باندھنا تھا لیکن وہ اس بات سے انجان تھیں کہ پانی تو کب کا سر سے اونچا ہو چکا تھا بغیر آہٹ کیے، بغیر تلاطم برپا کیے اور بند باندھنے کا وقت تو وہ کب کا گنوا چکی تھیں۔

ان کی زندگی میں طوفان تو چپ چاپ داخل ہو چکا تھا اور طوفان تو ہمیشہ بے آواز ہی آیا کرتے ہیں، اگر طوفانوں کا ادراک انسان کو ہونے لگے تو وہ ہمیشہ ناقابل تلافی نقصان کیوں برداشت کرلے۔

''ماما! پلیز آپ میرا ساتھ دیں گی نا، میں اس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی، میں بہت خوش رہوں گی اس کے ساتھ، بس آپ نے پاپا کو منانا ہے۔'' وہ ان کے کندھوں کے گرد بازو حمائل کیے شہد آگیں لہجے میں بولی تو وہ بے تاثر نگاہوں سے اس کے چہرے کو دیکھتی چلی گئیں جس پر نوخیز جذبوں کی خماری صاف دکھائی دے رہی تھی، وہ جو سمجھ رہی تھیں کہ اسے بہلا کر، سمجھا کر وہ قائل کرلیں گی تو یہ ان کی خام خیالی تھی وہ تو ان کے اتنا سمجھانے، ڈانٹنے کے باوجود اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی، انہوں نے ہراساں نظروں سے جوان بیٹی کو دیکھا جس کے ہاتھوں میں ان کی عزت تھی وہ چاہتی تو ان کی عزت کا پاس رکھتی اور اگر نہ چاہتی تو......؟؟

اس کی ضد دیکھتے ہوئے فی الحال انہوں نے خاموشی اختیار کرلی اور اس معاملے کو سلجھانے کے لئے سوچوں کے بھنور میں الجھ گئیں۔

☆☆☆

شام کے پانچ بج چکے تھے جب اس کی آنکھ کھلی، وہ کسلمندی سے اٹھی، کھلے بالوں کو کیچر لگایا اور پیروں میں چپل اڑستے ہوئے واش روم کی طرف بڑھ گئی یہ اس کی روزانہ کی عادت تھی کہ کالج سے آ کر دوپہر میں ضرور سوتی تھی، منہ ہاتھ دھو کر وہ فریش ہو گئی تھی، واش روم سے باہر آتے ہوئے تولیے سے چہرہ خشک کرتے ہوئے وہ یکدم ٹھٹک سی گئی، سامنے اماں جان اس کے بیڈ پر بیٹھی تھیں، وہ اس کے کمرے میں بہت کم آتی تھیں لیکن یہ اس کے لئے اتنے اچنبھے کی بات بھی نہ تھی بلکہ ان کی خود پر مرکوز نظریں اسے عجیب سے احساس سے دوچار کر رہی تھیں، کیا تھا ان نظروں میں بے یقینی، تاسف، حیرت اور نہ جانے کیا کیا؟ وہ اندر تک لرز گئی لیکن بظاہر مسکراتے ہوئے بولی۔

''ارے اماں آپ کیوں آئیں؟ مجھے بلوا لیا ہوتا۔'' وہ ان کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''کیوں کیا تم نے ایسا؟ تمہیں ایک پل کے لئے بھی اپنے بوڑھے ماں باپ کا خیال نہ آیا۔'' ان کے لہجے میں گہرا ملال بول رہا تھا۔

''کک...... کیا بات ہے؟ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ میں نے ایسا کیا کیا ہے؟''

''تم نے کیا کیا ہے؟ اونہہ۔'' وہ دکھ بھری استہزائیہ ہنسی ہنسیں۔

''ہاں تم نے کچھ نہیں کیا، غلطی تو میری ہے جس نے خاندان کی مخالفت کے باوجود تمہیں شہر پڑھنے بھیجا، غلطی تو میری ہے جس نے تم پر اعتبار کیا، میں تم پر اعتبار کر کے تمہیں پڑھنے بھیجتی رہی اور تم پڑھائی کی بجائے ہماری عزت اپنے قدموں تلے رولتی رہی، یہ کیا ہے تم نے۔'' شدت غم سے جیسے ان کی آواز پھٹ سی گئی تھی اور آنکھوں سے تیزی سے اشک رواں ہونے لگے۔

''اماں آپ روئیں تو نہیں، وہ...... میں۔''

وہ ایک ہاتھ سے ان کے سرد ہوتے ہاتھوں کو تھامے اور دوسرے ہاتھ کو نرمی سے ان کے کندھوں پر رکھے حقیقتاً پریشان ہو گئی تھیں، کچھ بات تو اس کی سمجھ میں آ رہی تھی، اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ بولتی انہوں نے اس کی بات کاٹ

دی۔

''بس کچھ نہ کہو، صرف میری بات سنو اور کوئی وضاحت مت دینا کیونکہ مجھے پتہ چل چکا ہے کہ رشیدہ سب کچھ سچ کہہ رہی تھی۔'' وہ اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹاتی درشتگی سے بولیں۔

اور اس لمحے اس کے حواسوں پر تو جیسے بم گرا تھا تو وہ جو سمجھ رہی تھی وہی حقیقت تھی، وہ اس کے بارے میں سب کچھ جان چکی تھیں۔

''میری بات غور سے اور تسلی سے سنو، اگر تمہارے باپ کو ذرا سی بھی بھنک پڑ گئی نا تو وہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا، اس لئے اس معاملے کو یہیں دبا دو اور اب تم اس لڑکے سے دوبارہ نہیں ملو گی، سمجھ گئی اور اب کالج جانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' انہوں نے بے دردی سے رخساروں پر بہتے پانی کو رگڑا اور دو ٹوک انداز میں بولیں۔

جب رشیدہ نے ان سے سرسری سا ذکر ہی کیا تھا تو انہوں نے اسے تو بری طرح جھاڑ دیا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ گھریلو ملازموں کی زبان پر ان کی بیٹی کا نام آئے اور پھر بہت سوچ بچار کے بعد انہوں نے رشیدہ کی ہی مدد حاصل کی تھی وہ ان کی بہت پرانی ملازمہ تھی، وہ جانتی تھیں کہ وہ زبان نہیں کھولے گی چنانچہ اسی لئے انہوں نے اسے اعتماد میں لے کر یہ ذمہ داری اسے سونپی تھی، اتفاق سے چند روز بعد ہی رشیدہ نے چھوٹی بی بی کو دوبارہ اسی پارک میں جاتے دیکھ لیا تھا جب وہ خبردار کرنے گئی تھی کہ وہ دوبارہ اس پارک میں نہیں ملیں گے۔

رشیدہ نے پیچھا کرتے ہوئے ایک درخت کی اوٹ میں چھپ کر ان کی ساری باتیں سن لی تھیں اور من وعن ان کو سب کچھ بتا دیا تھا چنانچہ حلیمہ بیگم نے اسے پیسے دے کر منہ بند رکھنے کی تاکید کی تھی اور اب وہ اپنے شوہر (چوہدری حشمت علی) سے سب کچھ چھپائے بغیر اسے سمجھانا چاہ رہی تھیں۔

''اگر آپ کو سب کچھ پتہ چل گیا ہے تو یہ سچ ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بے حد محبت کرتے ہیں اور شادی کرنا چاہتے ہیں اور میں آپ کو بتا دوں کہ میں اس کے سوا کسی سے شادی نہیں کروں گی اس لئے اگر آپ کہتی ہیں تو میں اسے کہہ دیتی ہوں وہ رشتہ بھیج دے گا۔'' اس نے بجائے خوفزدہ ہونے کے ماں سے دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس کے بے لچک انداز پر حلیمہ خائف ہو کر اسے دیکھنے لگیں، جب جوان اولاد سرکشی پر اتر آئے تو مائیں ایسے ہی خائف ہو کر اولاد کو دیکھتی ہیں جیسے اس سے حلیمہ اسے دیکھ رہی تھیں۔

اس کے انداز کو دیکھتے ہوئے انہوں نے حتی المقدور اپنے لہجے میں نرمی پیدا کی۔

''نہیں، ہرگز نہیں، تم ایسا کچھ مت کرنا، تم جانتی ہو کہ تمہارا باپ غیر برادری میں کبھی رشتہ نہیں کرے گا، وہ یہاں رشتہ لے کر ہرگز نہ آئیں ورنہ قیامت برپا ہو جائے گی اس حویلی میں تمہارے ابا کہیں گے کہ بغیر جان پہچان کے وہ لوگ کیسے رشتہ لے کر آ گئے، تجھے اللہ کا واسطہ ہے میری دھی، کیوں خود کو بھی مشکل میں ڈالتی ہے اور باپ کو بھی، بس اب تو اس لڑکے کا ذکر دوبارہ نہیں کرے گی۔'' وہ اب اسے پیار اور نرمی سے سمجھا رہی تھیں۔

''اگر ہم محبت کرتے ہیں تو اس میں کیا برا ہے؟ وہ سیدھے طریقے سے رشتہ ہی تو مانگے گا نا؟'' وہ اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

''دیکھ میری بچی چل میں مان لیتی ہوں کہ واقعی وہ تیرے ساتھ مخلص ہو گا اور تو بھی اس سے

محبت کرتی ہے لیکن کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تو باپ کی عزت پر اپنی محبت کو قربان کر دے، تھوڑا سا دل بڑا کر لے بیٹی، آج ماں باپ کی دعائیں لے گی تو کل خدا تجھے اس کا اجر ضرور دے گا۔''

حلیمہ حتی الامکان اس سے نرمی برت رہی تھیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ وہ اگر غصے میں آئیں گی تو وہ زیادہ ہٹ دھرمی دکھائے گی۔

''مگر اماں۔'' یک لخت ہی نمکین پانی نے اس کے گالوں کو بھگو ڈالا کہ اس سے مزید بولا ہی نہ گیا۔

''جتنا رونا ہے ماں کے سینے سے لگ کے رو لے اور بس ماں کی بات کا پاس رکھ لے، بیٹیاں تو ماں باپ کا مان ہوتی ہیں، ان کا غرور ہوتی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ میری بیٹی اپنے ماں باپ کا یہ غرور کبھی نہیں توڑے گی، چوہدری حشمت علی کی پورا گاؤں عزت کرتا ہے اور اس کا شمار عزت دار لوگوں میں ہوتا ہے، تیری ذرا سی غلطی تیرے باپ کا سر جھکا سکتی ہے اس لئے بھی ایسا کچھ نہ کرنا جس کی وجہ سے تیرے باپ کو شرمندگی ہو۔'' وہ اسے سینے سے لگائے تھپکی دیتی رہیں اور سمجھاتی رہیں جبکہ وہ بے آواز روتی رہی۔

☆☆☆

''کل شام کو کچھ مہمان اسے دیکھنے آ رہے ہیں اس سے کہنا کہ اچھی طرح ان سے ملے ورنہ......'' وہ تینوں اپنی اپنی سوچوں میں گم دوپہر کا کھانا خاموشی سے کھا رہے تھے جب رؤف جمال نے اسے تنبیہی نظروں سے دیکھتے ہوئے سعدیہ کو مخاطب کیا۔

''ورنہ...... ورنہ...... کیا پاپا؟ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا اور اب بھی کہہ رہی ہوں کہ میں صرف ڈیوڈ سے شادی کروں گی۔'' حرا کے خودسر اور ضدی انداز سے جہاں رؤف جمال پل بھر کو استعجاب میں مبتلا ہوئے وہاں سعدیہ بھی دہل کر رہ گئیں۔

''میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا اگر زیادہ بک بک کی تو۔'' رؤف جمال اسے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے انتہائی گرجدار آواز میں بولے۔

ان دونوں کے جارحانہ انداز دیکھتے ہوئے سعدیہ بہت پریشان ہو گئیں۔

کتنی کوشش کی تھی انہوں نے کہ رؤف کو اس بارے میں کچھ پتہ نہ چلے لیکن ابھی یہ معاملہ حرا اور سعدیہ کے مابین ہی تھا کہ رؤف جمال نے حرا کو ڈیوڈ کے ساتھ کسی جگہ دیکھ لیا تھا اور ان کے پوچھنے پر اس نے بے باکی سے باپ کو ڈیوڈ کے متعلق بتا دیا تھا اور تب سے ہی دونوں باپ بیٹی میں سرد جنگ چل رہی تھی۔

گھر کی فضا ہر وقت مکدر سی ہوئی رہتی، حرا کی ہٹ دھرمی نے انہیں عجیب الجھن میں ڈال دیا تھا۔

''آ...... آپ آرام سے کھانا کھائیں، میں بعد میں اسے سمجھا لوں گی۔'' وہ منت بھرے انداز میں بولیں، آج سے پہلے کبھی حرا نے یوں باپ کو دوبدو جواب نہیں دیا تھا، انہیں اس کے انداز سے بہت خوف محسوس ہو رہا تھا۔

''تم...... تم کیا سمجھاؤ گی اسے، سارا کیا دھرا ہی تمہارا ہے، یہ تمہاری شہہ ہی ہے جس پر وہ آج یوں بے غیرت بن کر باپ کے سامنے تن کر کھڑی ہے، اونہہ...... آئی بڑی سمجھانے والی، پہلے اپنے گریبان میں تو جھانک کر دیکھ لو، جب تم خود نہیں سمجھی تھی تو تمہاری بیٹی کیا سمجھے گی۔'' اس کے بے رحم لفظوں سے وہ بلبلا اٹھیں، کب عادت تھی انہیں، ان کے منہ سے اپنے بارے میں

ایسے الفاظ سننے کی۔

"لیکن میری ایک بات کان کھول کر سن لو تم دونوں۔" وہ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"میں اتنی آسانی سے ہار ماننے والا نہیں، آج کے بعد یہ باہر قدم نکال کر تو دکھائے ٹانگیں توڑ کر رکھ دوں گا میں اس کی۔" وہ غصے سے کف اڑاتے دروازے کو زوردار جھٹکے سے بند کرتے باہر چلے گئے اور حرا نے اپنے کمرے میں جا کر باپ سے بھی زیادہ زوردار آواز میں دروازہ بند کیا تھا، سعدیہ ڈبڈبائی آنکھوں سے بند دروازے کو دیکھنے لگیں، اس کے انداز نے انہیں بری طرح سہما دیا تھا، دل میں ہزاروں وسوسے کنڈلی مار کر بیٹھ گئے تھے، جانے آنے والا وقت کون سے حساب بے باق کرنے والا تھا۔

"نہیں، اگر خوش جذبات میں آ کر حرا نے کوئی غلط قدم اٹھا لیا تو اس کا یہ قدم باقی تمام عمر ان کی اس لغزش کو دوہراتا رہے گا اور انہیں کچوکے لگاتا رہے گا جو کبھی ان سے سرزد ہو گئی تھی۔" یہ خیال آتے ہی وہ جیسے کانپ سی گئیں اور اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

وہ اس کے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ اپنے گھٹنوں میں سر دیئے روئے جا رہی تھی۔

"حرا! کیوں بے جا ضد کر کے خود کو بھی ہلکان کیا ہوا ہے تم نے اور ہمیں بھی پریشان کر رکھا ہے، پلیز ہمیں اتنا تنگ مت کرو بیٹا۔" وہ اس وقت بے بسی کی حدوں کو چھوتے ہوئے التجائیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"بھول جاؤ اس لڑکے کو، کچھ وقت لگے گا کہ تمہیں تکلیف ہو گی پھر آہستہ آہستہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیوں...... کیوں بھول جاؤں میں اسے۔" وہ چیخ کر بولی۔

"آپ اپنی محبت سے دستبردار ہوئی تھیں جو میں ہو جاؤں نہیں نا، تو پھر مجھ سے ایسی توقع کیوں رکھتی ہیں، آپ ہمیشہ اپنی اور پاپا کی محبت پر فخر کرتی رہی ہیں اور اپنے آپ کو ہمیشہ حق پر سمجھتی رہی ہیں تو اگر آپ نے غلط نہیں کیا تھا تو غلط میں بھی نہیں کر رہی، آپ کو ڈیوڈ پر یہ اعتراض ہے نا کہ وہ ہمارا ہم مذہب نہیں تو آپ کے گھر والوں کو بھی تو پاپا پر بے شمار اعتراضات تھے تو جب آپ نے اپنے گھر والوں کی بات نہیں مانی تو میں کیوں مانوں؟ میں ڈیوڈ کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گی چاہے اس کے لئے مجھے آپ کو اور پاپا کو چھوڑنا پڑے۔" وہ سرکشی سے بولتی ایک جھٹکے سے اٹھی اور کمرے سے باہر چلی گئی وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئیں، وہ لفظ جس کا سہارا لے کر وہ اپنا دفاع کر سکیں وہ جیسے کہیں اندر ہی گم ہو کر رہ گئے تھے، ترکش سے نکلے تیر انہیں اتنا گھائل نہ کرتے جتنا بیٹی کے لفظوں نے انہیں گھائل کر دیا تھا، آج شاید یوم حساب تھا جو پہلے شوہر نے اور اب بیٹی نے انہیں اپنی ہی نظروں میں گرا دیا تھا، ان کا پورا وجود وہیں بیٹھے بیٹھے جیسے ڈھے سا گیا تھا۔

ماضی کے کتاب کے کئی اوراق جو ان کی دانست میں دھندلے ہو گئے تھے یکدم ہی ان کی دھندلاہٹ کم ہوتی گئی اور وہ پوری طرح واضح ہوتے گئے، اتنے واضح اتنے روشن کہ ماضی پورے سیاق و سباق کے ساتھ ان کے سامنے آ کھڑا ہوا اور انہیں لرزا گیا، زندگی نے کیسا کھیل کھیلا تھا ان کے ساتھ، کل وہ اپنے ماں باپ کا امتحان بنی ان کے سامنے کھڑی تھیں اور آج ان کی بیٹی ان کا امتحان بنی ان کے سامنے کھڑی تھی۔

☆☆☆

حلیمہ ساکت نظروں سے اپنے ہاتھوں میں پکڑے کاغذ کے ٹکڑے کو یک ٹک دیکھے جا رہی تھیں، انہیں لگ رہا تھا کہ جیسے زمین آسمان ان کے گرد گول گول گھوم رہے ہیں، وہ چکراتے سر کے ساتھ نیلی روشنائی سے لکھے ان لفظوں کو دیکھ رہی تھیں جو کہیں کہیں سے ان کے آنسو گرنے سے پھیلتے جا رہے تھے، وہ ان لفظوں کو نہیں پڑھ سکتی تھیں کیونکہ وہ پڑھنا نہیں جانتی تھیں، ہاں لیکن چوہدری حشمت علی نے ان کو ان بے رحم لفظوں کا مفہوم سمجھا دیا تھا اور تب سے وہ بے یقینی کی کیفیت میں گھری زلزلوں کی زد میں تھیں، یہ کیسے ہو سکتا تھا؟ کیسے ان کی بیٹی ان کا خون ان کا مان توڑ سکتی تھی، وہ کیسے ان کی عزت کی دھجیاں بکھیر سکتی تھی، وہ جو اپنے تئیں یہ سمجھ رہی تھیں کہ وہ بیٹی کو سمجھا چکی ہیں تو اب ان کا یہی گمان ان کی ہنسی اڑا رہا تھا۔

آہ، کتنی تکلیف دہ بات تھی نا کہ وہ اپنی ہی بیٹی سے دھوکا کھا گئی تھیں، اس کے الفاظ ان کے کانوں میں بازگشت کر رہے تھے، مہینہ پہلے کی ہی تو بات تھی جب اس نے کہا تھا۔

"اماں مجھے آپ کی بات سمجھ آ گئی ہے آپ جیسا کہیں گی ویسا ہی ہو گا لیکن میں نے دو سال محنت کی ہے، میرے داخلہ بھی جا چکا ہے اس لئے مجھے پیپر تو دینے دیں۔" اور انہوں نے اس کی بات مان لی تھی، اس پر اعتبار کر لیا تھا۔

آج اس کا آخری پیپر تھا جب واپسی پر ڈرائیور کے ساتھ وہ خود تو نہیں آئی تھی البتہ کالج کے چوکیدار کو سیل بند لفافہ دے کر ہمیشہ کے لئے ان سے تعلق توڑ کر انجان رستوں پر چل نکلی تھی اور چوکیدار نے یہ لفافہ ڈرائیور کو دے دیا تھا اور اب ڈرائیور جھکی نظروں کے ساتھ چوہدری حشمت علی کے سامنے کھڑا تھا اور ان کے کانوں میں جیسے یہ انڈیل رہا تھا۔

"یہ سعدیہ بی بی نے چوکیدار کو یہ کہہ کر دیا تھا کہ وہ یہ مجھے دے دے اور بتا دے کہ انہوں نے آج کہیں اور جانا ہے اور ان کے گھر والوں کو پتہ ہے کہ وہ آج میرے ساتھ گھر واپس نہیں آئیں گی۔" انہوں نے کانپتے ہاتھوں سے وہ کاغذ پکڑا تھا کیونکہ پل بھر میں ہی ان کے دل نے انہیں بہت کچھ غلط ہو جانے کا سگنل دے دیا تھا۔

کتنی حیرت کی بات تھی نا کہ ہمیشہ جھکی نظروں والے ڈرائیور کی نظریں انہیں اپنے اوپر اٹھی ہوئی اور تمسخر اڑاتی نظر آ رہی تھیں اور اس معمولی سے ڈرائیور کے سامنے اس پل ان کے کندھے اور نظریں دونوں ہمیشہ کے لئے جھک گئی تھیں کیونکہ ان کی بیٹی ان کی عزت کی ناؤ کو اپنے منہ زور جذبوں کے ساتھ بہا کر لے گئی تھی۔

☆☆☆

"رؤف!"

"ہوں، کیا بات ہے؟" سعدیہ کے پکارنے پر وہ جیسے کسی خیال سے چونکے اور سامنے پڑی چائے کے کپ کو دیکھا تو انہیں یاد آیا کہ یہ چائے تو انہوں نے کافی دیر پہلے بنائی تھی اور پینا بھول گئے تھے، یہ ان کا روزانہ کا معمول تھا کہ صبح فجر کی نماز کے بعد وہ چائے ضرور پیتے تھے اور خود ہی بناتے تھے۔

"میں نے دھیان ہی نہیں دیا کہ چائے پڑی ہے۔" انہوں نے خود کلامی کے انداز میں کہتے ہوئے اٹھا کر کپ لبوں سے لگا لیا ابھی محض انہوں نے ایک گھونٹ چائے ہی پی تھی جب انہیں دوبارہ ان کی پکار سنائی دی انہوں نے غور کیا تو انہیں سعدیہ کی پکار غمی میں ڈوبی بین کرتی معلوم

ہوئی، انہوں نے چونک کر دیکھا۔

"آج شام مہمانوں کو آنے سے روک دیں کیونکہ اب وہ گھر پر نہیں ہے جس کے لئے وہ آئیں گے۔" وہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی سسکیوں کو دباتی وہی فرش پہ بیٹھتی چلی گئیں، ٹھنڈا فرش بھی انہیں تپتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، کتنی نگرانی کر رہی تھیں وہ اس کی، ذرا سی دیر کو ان کی آنکھ لگی تھی اور حرا ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر جا چکی تھی۔

سعدیہ نے چند لمحوں میں کتنی سفاک حقیقت ان پر عیاں کر دی تھی، رؤف کے ہاتھوں سے چائے کا کپ چھلک کر ان کے کپڑوں کو داغدار کر گیا تھا، کچھ چھینٹے ان کے ہاتھوں پیروں پر بھی پڑ گئے تھے، اس قیامت خیز لمحے میں انہیں ٹھنڈی چائے بھی جلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی، انہوں نے تڑپ کر اپنے کپڑوں کے داغوں کو دیکھا، ایسے ان گنت داغ ان کی عزت پر بھی پڑ چکے تھے۔

حرا اس قیامت خیز صبح کی رات کے اندھیرے میں خاموشی سے اپنی چار دیواری کو ٹھوکر مار کر جا چکی تھی، یہ سوچے بغیر کہ ماں باپ کے سائے تلے رخصت ہوئے بغیر جو لڑکیاں اپنی دہلیز کو اپنے گھر کو ٹھوکر مارتی ہیں وہ پھر زمانے کی ٹھوکروں میں ہی رہتی ہیں۔

☆☆☆

منزل پر پہنچنے کے لئے سیدھے اور شفاف راستے کی بجائے اگر ٹیڑھے میڑھے اور الجھے ہوئے راستے کا انتخاب کیا جائے تو کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ منزل مل ہی جاتی ہے لیکن ایک تشنہ کامی وجود کا حصہ بن جاتی ہے جیسا کہ سعدیہ کے ساتھ ہوا تھا اور اگر مسافر ان راستوں کی بھول بھلیوں میں کھو جائے تو اس کی منزل سراب بن جاتی ہے، پھر وہ سراب کو اپنی منزل سمجھ کر تا عمر لاحاصل مسافت طے کرتا رہتا ہے اور ایسا ہی حرا کے ساتھ ہوا تھا وہ دریا سمجھ کر جس جانب لپکی تھی وہ تو پیاس کا ایسا لق دوق صحرا تھا جس میں ببول اگے ہوئے تھے جو اسے سیراب کرنے کی بجائے زخم زخم کر گئے تھے۔

حرا نے جس کی خاطر اپنے ماں باپ کی عزت داؤ پر لگائی تھی، اس نے ہی اس کی عزت کو داؤ پر لگا دیا تھا، ڈیوڈ نے جس طرح محبت کا کھیل کھیل کر اسے رسوا کیا تھا وہ ششدر ہی تو رہ گئی تھی، محبت کے دعوے کرتا وہ شخص اس کی عزت کی دھجیاں بکھیرے گا یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا، وہ تو خود سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہ رہی تھی وہ جسے اپنے من مندر کا دیوتا بنائے بیٹھی تھی وہ تو ایک گھاگ شکاری تھا، جو معصوم لڑکیوں کو بہلا پھسلا کر محبت کا جھانسہ دیتا اور شادی کے خواب دکھا کر ان کی عزت و آبرو کا شکار کرتا اور یہی نہیں وہ ان لڑکیوں کی قیمت لگا کر قیمت وصول کرتا اور ایسی ہی ان لڑکیوں میں سے ایک حرا رؤف تھی اور بس...... اس کے نزدیک اس کی اتنی ہی وقعت تھی، اب یہ حرا کی خوش قسمتی تھی کہ اس کی درندگی کا نشانہ بننے کے بعد جانے ابھی اس پر اور کیا بیتتی کہ وہ اس کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی اور مزید رسوائیوں کی دلدل میں دھنسنے سے بچ گئی۔

"حرا! اٹھو میری بیٹی، کچھ کھا پی لو، جینے کے لئے تھوڑا بہت تو کھانا پڑتا ہے نا میری جان۔" انہوں نے کھانے کی ٹرے اس کے پاس رکھی اور روٹی کا نوالہ بنا کر اسے کھلانے کی کوشش کرنے لگیں۔

"اور اگر کسی کو جینے کی امنگ ہی نہ ہو تو۔" وہ کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہیں جمائے بولی۔

کتنا ٹوٹا ہوا لہجہ تھا اس کا اور کتنی ویرانی تھی

اس کی آنکھوں میں، اتنی سی عمر میں ہی اس کی آنکھوں میں دکھ پڑاؤ ڈال کر مستقل ان کے مکین بن چکے تھے۔

"ایسے نہیں کہتے بیٹا، اتنی مایوسی اچھی نہیں ہوتی۔" وہ نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔

"مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ خود کو مار دوں اور نہ ہی اتنا حوصلہ خود میں پا رہی ہوں کہ یہ ذلت بھری زندگی گزاروں، مجھے اپنے اس ناپاک وجود سے نفرت محسوس ہوتی ہے۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تو ان کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔

جب وہ آئی تھی تو انہیں اس پر بہت غصہ آیا تھا لیکن وہ ان کی اولاد تھی اس کی لٹی پٹی حالت دیکھ کر وہ پگھل گئی تھیں اور انہوں نے اسے معاف کر دیا تھا۔

صبح ہو گئی تھی لیکن نیند تو جیسے ان دونوں کی آنکھوں سے روٹھ گئی تھی۔

"پاپا مجھے معاف کر دیں گے نا، اگر انہوں نے مجھے گھر میں رکھنے سے انکار کر دیا تو؟" اس نے آنسو صاف کرتے ہوئے خود پر قابو پاتے ہوئے خدشہ ظاہر کیا۔

"کچھ نہیں ہو گا، تم پریشان مت ہو، چلو اب کچھ کھا لو، شاباش میں ذرا دیکھتی ہوں تمہارے پاپا اٹھ گئے ہونگے۔" انہوں نے اسے بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے دلاسہ دیا اور خود رؤف کو دیکھنے چل دیں، ابھی انہوں نے رؤف کو بھی تو حرا سے متعلق آگاہ کرنا تھا، رؤف جب رات کو واپس آئے تھے تو انہوں نے انہیں حرا کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا کہ وہ واپس آ گئی ہے، انہوں نے حرا کو خاموشی سے اپنے کمرے میں رہنے کو کہا تھا اور اب جب صبح سعدیہ نے انہیں حرا پر گزری قیامت اور اس کے واپس آ جانے کے متعلق بتایا تھا تو وہ اسے معاف کرنے کی بجائے سیخ پا ہو گئے تھے۔

"تم نے اسے اندر کیوں آنے دیا، کس حق سے آئی ہے، اسے کہو واپس اسی کے پاس جائے جس کے لئے اس نے ہمیں چھوڑا تھا، اسے کہو نکل جائے میرے گھر سے، میں اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔" رؤف سعدیہ پر برس رہے تھے اور حرا جس نے ابھی ناشتہ شروع ہی کیا تھا، گھبراہٹ میں اس کے ہاتھ سے نوالہ ہی چھوٹ گیا تھا۔

"خدا کے لئے، ایسا ظلم مت کریں، بیٹی ہے وہ ہماری کہاں جائے گی؟"

"تو...... تو...... کیا کروں میں ابھی تو یہ زخم مندمل نہ ہوا تھا کہ میری بیٹی گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے اور اس پر متراد یہ کہ منہ پر کالک مل کر واپس آ گئی ہے۔"

حرا اب کمرے میں بیٹھی مسلسل روئے جا رہی تھی، وہ بری طرح کانپ رہی تھی کہ جانے رؤف اس کے ساتھ کیا کریں۔

"نہیں، میں حرا کو کہیں جانے نہیں دوں گی۔" سعدیہ اٹل لہجے میں بولیں تو وہ چند ثانیے انہیں دیکھتے رہے۔

"ہاں، تم تو اس کا ساتھ دو گی ناں، تم خود جو اس کے جیسی ہو، تم سے شادی کر کے میں نے زندگی کی سب سے بڑی بھول کی تھی، میں یہ بھول گیا تھا کہ جیسی تم ہو گی ویسی ہی تمہاری بیٹی ہو گی، اس نے وہی کیا نا جو تم نے کیا تھا۔" ان کے سفاک انداز پر وہ تڑپ ہی تو گئیں۔

وہ سارا المیہ، سارا ان کے کندھوں پہ ڈال کر خود کو بری الذمہ قرار دے رہے تھے۔

"اگر آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے جرم کیا تھا تو پھر آپ بھی تو اس جرم میں برابر کے شریک

تھے۔" شدت رنج سے وہ پھٹ پڑیں، اتنے دنوں سے یہ الزام سہہ سہہ کر وہ تھک گئی تھیں، جواباً انہوں نے چبھتی ہوئی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"میں نے تم سے وعدہ کیا تو اس کو نبھایا بھی لیکن اپنی بیٹی کا انجام دیکھو کتنا برا ہوا ہے اس کے ساتھ ہر کوئی رؤف جمال تو نہیں ہوتا نا کہ گھر سے بھاگ کر جانے والی لڑکی کو بیوی کا درجہ دے اور عزت بھی دے۔" وہ غصے سے نہ جانے اور بھی کیا کچھ بولتے رہتے تھے، وہ اس وقت شدید دکھ اور صدمے کی کیفیت میں تھے اور یہ سارا غصہ جھنجھلاہٹ سعدیہ پر نکل رہے تھے، بہت کچھ بول لینے کے بعد بالآخر انہوں نے کہا تھا۔

"میں جانتا ہوں تمہاری ضد کو، تم اسے یہیں رکھو گی لیکن اپنی بیٹی کو سمجھا دو کہ اگر اس نے میرے گھر رہنا ہے تو میرے سامنے مت آئے میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔" وہ غصے سے پھنکارتے ہوئے اپنے اندر کا سارا بوجھ ان پر لاد کر گھر سے باہر چلے گئے تھے، شاید انہوں نے سمجھوتا کر ہی لیا تھا، وہ جانتے تھے کہ وہ پہلے ہی کتنا خسارے کا سودا کر چکی ہے اور اگر انہوں نے اسے نہ رکا تو جانے مزید کتنی رسوائیاں اس کا مقدر بنیں اور وہ یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے آخر وہ ان کی بیٹی تھی، ان کے جانے کے بعد حرا ایک بار پھر شدت سے رونے لگی تھی اور وہ تو وہی لاؤنج میں بچھے کارپٹ پر ڈھے سی گئی تھیں، سوچوں کا ایک انبار تھا جو انہیں جکڑے ہوئے تھا۔

"ہاں، آپ نے صحیح کہا رؤف، ضروری تو نہیں کہ لڑکی کو اس کے گھر سے بے گھر کرنے والا ہر مرد پھر اسے بیوی کا درجہ بھی دے، میں جب اپنے گھر سے نکلی تو ساری کشتیاں جلا کر نکلی تھی، اگر رؤف بھی میرے ساتھ ایسا ہی کرتے جیسا حرا کے ساتھ ڈیوڈ نے کیا تو...... حرا تو واپس آ گئی لیکن میرے پاس تو واپسی کا کوئی راستہ نہ تھا۔" اس سوچ سے ہی وہ کانپ گئیں۔

آج انہیں اپنی ماں کی یاد شدت سے آئی تھی اور اپنا خود غرضانہ رویہ بھی یاد آ رہا تھا۔

حلیمہ بیگم سے ہوئی آخری بات انہیں یاد آ رہی تھی، رؤف سے شادی کرنے کے پندرہ دن بعد انہوں نے گھر فون کیا تھا اور خوش قسمتی سے فون حلیمہ بیگم نے ہی اٹھایا تھا، وہ ماں کی آواز سن کر تڑپ ہی تو گئیں تھیں وہ گھر تو چھوڑ آئی تھیں لیکن اب ماں باپ کی یاد تڑپا رہی تھی۔

"اماں...... میں سعدیہ۔" ان سے فقط اتنا ہی بولا گیا تھا جب ان کے کانوں سے حلیمہ بیگم کی سرد آواز ٹکرائی تھی۔

"آج کے بعد یہاں فون مت کرنا اور نہ ہی گھر کی طرف کبھی رخ کرنے کا بھی سوچنا، تمہارا باپ تمہارے بھائی تمہیں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں، ان کی دسترس سے بہت دور چلی جاؤ، میں نے بالکل خاموشی اختیار کی ہوئی ہے اور انہیں رؤف کے متعلق کچھ نہیں بتایا انہیں اگر ذرا سی بھی خبر ہو گئی تو یا تم کہیں نظر آ گئی تو وہ تمہیں مار ڈالیں گے اور اب مجھ میں مزید صدمہ سہنے کا حوصلہ نہیں ہے، میں نہیں چاہتی کہ میرا شوہر اور میرے بیٹے تمہاری وجہ سے کسی مسئلے میں الجھیں اس لئے تمہارا اب ہم سے کوئی تعلق نہیں۔" اس کے ساتھ ہی انہوں نے فون بند کر دیا تھا، اسے ان کی سرد آواز میں بھی نمی گھلی ہوئی محسوس ہوئی تھی، ان کے فون بند کرنے کے بعد وہ تڑپ تڑپ کر رونے لگی تھیں اور پھر دوبارہ کبھی ان سے رابطہ کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی لیکن بعد میں رؤف کی محبت نے انہیں بہت کچھ بھلا دیا تھا،

کاغذی پھول

قرۃ العین رائے

ایک کسک سی تو تمام عمر رہی ہی تھی لیکن اس میں بھی کوئی شک نہ تھا، کہ انہوں نے رؤف کی رفاقت میں بہت اچھی زندگی گزاری تھی اور اسی لئے انہیں ہمیشہ اپنے فیصلے پر فخر محسوس ہوا تھا اور رفتہ رفتہ وہ سب کچھ بھول گئی تھیں کہ انہوں نے کبھی کوئی غلط قدم بھی اٹھایا تھا، شاید یہی وجہ تھی کہ ان کی بیٹی ان کی کامیاب زندگی کو دیکھتے ہوئے بنا ڈگمگائے اتنا بڑا قدم اٹھا گئی اور کتنا بڑا خسارہ اس کے حصے میں آ گیا۔

آج اتنے سالوں بعد انہیں احساس ہو رہا تھا کہ کتنا کچھ غلط ہو گیا، اب پچھتاوے ہی پچھتاوے تھے جو انہیں اپنے اردگرد نظر آ رہے تھے، ان کے کیے کی سزا میں ان کی بیٹی دکھ بھوگے گی یہ تو انہوں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

خوش قسمت تھی حرا کہ اس کے ساتھ زندگی میں جو کچھ بھی ہوا لیکن وہ کم از کم ماں باپ کے پاس تو آ گئی تھی، ماں نے معاف کر دیا تھا کبھی نہ کبھی باپ بھی معاف کر دیتا لیکن وہ کیسی بدقسمت تھیں کہ ان کے ماں باپ تو کب کا زندگی سے ناطہ توڑ چکے تھے اور وہ ان سے معافی بھی نہ مانگ سکی تھیں، ماں باپ ان کو معاف کیے بغیر اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے اور محبت کرنے والے شوہر نے کیسے لمحوں میں ان کی ذات کو بے توقیر کر دیا تھا اور اب اس بے چینی نے تمام عمر ان کا احاطہ کرنا تھا۔

اولاد کا دکھ اپنے دکھ سے زیادہ بڑا ہوتا ہے شاید اسی لئے زندگی نے ان سے ان کی بیٹی کی صورت خراج وصول کر لیا تھا۔

یہ بیٹیاں جنہیں ان کے باپ بھائی شہزادیوں کی طرح گھر میں رکھتے ہیں کسی قیمتی متاع کی طرح سمجھتے ہیں، محافظ بن کر زمانے کی سرد و گرم ہواؤں سے بچاتے ہیں، مائیں ہوش سنبھالتے ہی ردا ان کے اردگرد لپیٹ کر اس میں ان کے وجود کو چھپا کر میلی نظروں سے بچاتی ہیں تو پھر کیوں وہ ان رشتوں کی لڑی کو توڑ کر ایک اجنبی شخص کے رحم و کرم پر اپنے آپ کو چھوڑ کر خود ہی اپنے وجود کو ارزاں کر دیتی ہیں اور اپنے ہاتھوں سے اپنے انمول وجود کو بے مول کر دیتی ہیں اور اپنے وجود کی، اپنی ذات کی قدر کرنا جو خود ہی نہیں سیکھتے تو پھر وہ دوسروں سے بھلا کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔

☆☆☆

"سانحہ ارتحال"

ہر دلعزیز مصنفہ عمارہ حامد کے والد محترم گزشتہ دنوں قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ادارہ حنا ان کی ناگہانی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور ان کے اہل خانہ کو صبر و جمیل عطا فرمائے آمین۔

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اسے شدید پیاس لگی تھی، پیاس کی شدت سے اس کا حلق خشک ہوا جا رہا تھا کھردرے گلے میں سے سانس کے آنے جانے کا عمل بھی جیسے دشوار لگنے لگا تھا، لیکن احساس پیاس سے زیادہ احساس بے بسی نے نڈھال کر ڈالا تھا حلق میں ہی نہیں روح تک میں کانٹے اُگا دیے تھے۔

پھر کسی کے قدموں کی چاپ اس نیم بند کمرے کے باہر ابھری تھی وہ ہر چاپ سے آشنا تھا حتیٰ کہ اب یہ تک جان جاتا تھا کہ چلنے والے کس موڈ اور کس سوچ میں ہے سارا دن اپنے کمرے میں پڑے پڑے وہ ان قدموں کی چاپوں سے دل بہلائے رکھتا تھا وہی چاپیں ہی تو اب اس کی تنہائی کی ساتھی تھی جس فرد کی چاپ سنائی دیتی وہ تصور میں اس سے باتیں کرتا، مگر کرتا، ماضی میں اس کا تعلق، اس کی وابستگی اس کا خلوص بھی دہراتا، مسکراتا اور پھر موجودہ بے بسی پر رو پڑتا حالات نے اسے بے حد مجبور اور بے بس کر ڈالا تھا۔

"پانی۔"

"کوئی پانی پلا جائے۔" چاپ کے قریب آنے پر بدقت بلند آواز میں اپنا مطالبہ تیسری یا چوتھی بار دہرایا تھا۔

"پانی پلا جاؤ مجھے۔" چاپ کمرے کے سامنے تھمی۔

"نہ جانے پانی پلانے وہ اندر آئے گی کہ نہیں کاش وہ اندر آ جائے تو یہ آنکھیں بھی سیراب ہو سکے ترس گیا ہوں اس کی صورت کو، لیکن وہ آج بھی نہیں آئے گی نہیں وہ آئے گی۔" دل و دماغ کی یہ اذیت بھری کشمکش اب اس کا پسندیدہ کھیل تھی۔

"پانی پلا دو کو بہت پیاس لگی ہے۔" خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے ایک پل باہر اک جانے والی ہستی کو اندر آنے کے لئے اکسانا چاہا پیاس کی طلب اب ملاقات کی طلب میں ڈھل کر اسے مزید نیم جاں کرنے لگی تھی۔

"آپی تمہارا فون! جلدی آؤ۔" وہ جو شاید ایک قدم اس کے کمرے کی جانب اٹھانے لگی تو پیچھے سے پڑنے والی پکار پر جلدی سے پلٹ گئی۔

"فضلو! اکرم صاحب کو پانی پلانا۔" دور ہوتی چاپ اور مدھم ہوتی آواز اس کی سماعت سے یوں ٹکرائی تھی جیسے ویران گنبد میں بھٹکا ہوا کا جھونکا۔

نہ جانے کیوں دل و دماغ ابھی مکمل طور پر ان سب کے رویوں کا عادی نہ ہو سکے تھے، چٹ لیتی آنکھوں کے گوشے نمناک ہو کر اس کی پیاس کو کم کرنا چاہ رہے یا بڑھا رہے تھے وہ بس خاموش لیٹا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

"بیٹا آخر یہاں کس چیز کی کمی ہے؟" وہ اس کی ضد کے آگے زچ ہوئیں مگر لہجے کی حلاوت میں کمی نہ آنے دی۔

"کس کس چیز کی کمی کا رونا روؤں ہے کیا یہاں پھر کتنی بار تو سب کچھ بتا چکا ہوں اور آپ ہے کہ فالتو کی ضد کیے جا رہی ہیں فضول کی بحث میں نہ پڑے، اماں ایسے اچھا اور سنہری موقع زندگی میں مجھے دوبارہ نہیں ملے گا اللہ نے یہ موقع دیا ہے تو میں اسے ہرگز گنواؤں گا نہیں بس کچھ عرصے بعد تک کی بات ہے زندگی سنور جائے گی ہماری یہاں پر تو کاریگر کے ہنر کی قدر کی جاتی ہے نہ اسے عزت دی جاتی ہے، ساری عمر ایک معمولی الیکٹریشن کے طور پر ہی اسے معاشرے میں سسکتی ہوئی زندگی گزار دوں گا، باہر کے ملک جا کر کم از کم میں چند ہی سالوں میں اتنا پیسہ کما لاؤں گا کہ نا صرف اس معاشرے میں میرا ایک

اچھا رتبہ بن جائے گا بلکہ پیسے کی وجہ سے سب جھک کر سلام کریں گے آپ دیکھیے گا اماں اپنے بیٹے کی آن اور شان۔"

"پر میرے بچے تو یہ بھی تو سوچ چند سالوں میں زیادہ پیسہ کمانے کے چکر میں تو کتنی خوشیوں سے محروم رہ جائے گا، تیرے بچے تیری صورت اور شفقت کو ترس جائیں گے پھر باپ قریب موجود ہو تو اس کا ڈر غلط راہ پر قدم نہیں ڈالنے دیتا اولاد کو پردیس میں کمایا پیسہ تیری اولاد کو بگاڑ گیا تو کیا فائدہ ایسی دولت کا، تیرا چچازاد جس نے تجھے یہ پٹی پڑھائی ہے اور تیری مدد کر رہا ہے دس سال بعد پہلی بار واپس آیا تھا تو میرے سامنے ہی بلک بلک کر رو رہا تھا، بال مٹھیوں میں جکڑ کر روتا تھا کہ ساری اولاد نا خلف اور نکمی نکلی، جن کے لئے ہر سکھ، ہر خوشی کو بھلائے بس دن رات جسم کو مشین کی طرح چلاتا رہا، کہتا تھا یہ بھی کوئی زندگی ہے خود ہی کماؤ، خود ہی کھاؤ نہ اپنوں کی قربت کا احساس ہے نہ غمی خوشی میں کوئی ساتھی ہے، بیوی بچوں سے بس اس حد تک تعلق واسطہ ہے کہ مہینے کے مہینے منہ بھر کے انہیں پیسے بھجواتے رہو چاہے اس کے لئے خود بھوکے مر جاؤ ان کی جائز و ناجائز خواہش پوری کرو، کام ختم ہونے پر گھر کی جانب اٹھنے والے قدم بوجھل اور اداس ہو جاتے ہیں چھوٹے سے کمرے میں جا کر ابھی کھانا پکانا ہے، برتن دھونے ہیں، کپڑے دھونے سارا دن محنت مزدوری کی بھٹی میں جسم کو جھونکنے کے بعد ایک اور مشقت کے لئے تیار ہو جاؤ، یہ بھی کوئی زندگی ہے اس سے تو بہتر تھا اپنے ملک میں روکھی سوکھی کما کر جی لیتا اور اب وہ پورے پانچ سال بعد آیا ہے اور تو خواہ مخواہ اس کے ساتھ......"

"اوہو اماں جی مجھے سب معلوم ہے بچہ نہیں رہا اب میں سب باتیں سوچ سمجھ کر ہی میں نے فیصلہ کیا ہے مجھے کون سا ساری عمر وہیں گزارنی ہے بس کچھ سالوں کی بات ہے پھر یہیں پر آ کر کاروبار کروں گا آپ بس ان کاغذات پر اپنا انگوٹھا لگائیں اور بات ختم کریں۔" اس نے اپنی ماں کی بات کاٹتے ہوئے جلد باز لہجہ اختیار کیا اور کچھ کاغذات اماں کے پاس چارپائی پر غصے سے پٹخے۔

"پر اکرم پتر میں تو تیرے بھلے کی بات کر رہی تھی۔" بوڑھی ماں کی آنکھوں میں اکلوتے بیٹے کے رویے پر دکھ سے آنسو آنکھوں میں تیرنے لگے وہ اپنے جوان بیٹے کی جدائی عمر کے اس حصے میں بالکل سہنا نہیں چاہتی، چار سال قبل شوہر کی وفات کے بعد وہ یوں بھی تنہا سی ہو گئی تھیں اوپر سے اکلوتا بیٹا بھی جدائی کا منصوبہ لئے کھڑا تھا وہ حتی الامکان نرم رویے سے اسے اس کے منصوبے سے باز رکھنا چاہ رہی تھیں گھر میں اس سلسلے میں ماں بیٹے کے درمیان کافی دنوں سے بحث چھڑی ہوئی تھی مگر آج وہ بے بس ہو گئی تھیں اولاد جوان ہو جائے، کمانے لگے تو خودسری سے بھی اپنے فیصلے منوانے کا فن جان لیتی ہے، وہ ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئی تھیں اور نہایت دکھے دل کے ساتھ کانپتے ہاتھ کے ساتھ کاغذات پر انگوٹھے لگا دیے تھے، انگوٹھے لگاتے ہوئے بے سائبان ہو جانے کا احساس جاگا تھا مگر ان کے احساسات کی کس کو پرواہ۔

اکرم ایک معمولی الیکٹریشن تھا کبھی کام مل جاتا اور کبھی بیکار دن گزارنا پڑتا جس کی بناء پر ذرائع آمدنی کم تھی جیسے تیسے ہی گزارا ہو پا رہا تھا مہنگائی کے اس دور میں اوپر سے بیوی تین بچے اور ماں سمیت پورے گھر کی ضروریات پوری کرنا کبھی کبھار مشکل ہو جاتا تھا زندگی نے اسے باہر جانے کا ایک سنہری موقع اسلم بھائی کی صورت

میں فراہم کیا تھا جو اسے دوبئی آنے کی آفر کر گیا تھا اور وہاں پر سیٹل ہونے میں اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا، بس وہاں جانے کے لئے کم از کم پانچ لاکھ کی ضرورت تھی اور تو اس کے پاس کچھ ایسا نہ تھا سوائے ابا کے بنائے اس چار مرلے کے مکان کے علاوہ سو اس نے اسے فروخت کرنے کا بندوبست کر لیا تھا، مکان اماں کے نام تھا وہ کاغذات پر انگوٹھا لگا دیتی تو اسے بیچ کر اپنی مطلوبہ رقم حاصل کی جا سکتی تھی اور باہر جانے کے خواب کو حقیقت کا روپ دیا جا سکتا تھا وہ لوگ کچھ دن کسی کرائے کے گھر پر رہ سکتے تھے کچھ رقم گزارے کے لئے وہ انہیں دے جاتا پھر چند روز ہی میں اسلم بھائی کی طرح ان کے دن پھر ہی جانے تھے وہ اپنا ذاتی شاندار گھر بنائے کوٹھی، گاڑی اور کاروبار ہو گا سلمٰی اور اکرم نے ایسے ہی منصوبے تیار کیے تھے بلکہ سلمٰی نے ہی اسے مکان بیچنے کی تجویز دی تھی اور وہ بیوی کی ہر بات سے سو فیصد متفق تھا۔

☆☆☆

تقریباً دس سال کا عرصہ بیت گیا، مصروف، تیز رفتار اور ہر احساس کے عاری وقت نے اسے پیچھے اپنوں کے پاس پلٹنے نہ دیا وہ کولہو کے بیل کی طرح آدھی دنیا کا سفر بند آنکھوں سے محض اپنے خیال میں طے کر سکا تھا ورنہ محنت و مشقت کی گردش پر وہ آج بھی ایک ہی جگہ ایک ہی محور پر گھوما جا رہا تھا جس کا انجام بس تھکاوٹ اور احساس زیاں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

دس سال بعد وہ واپس وطن لوٹا، اماں کو فالج کا شدید اٹیک ہوا تھا پورا جسم مفلوج ہو گیا تھا، بظاہر سرسری لہجے میں بیوی کی بتائی اطلاع نے اسے اس قدر بے چین کر دیا تھا کہ وہ پلٹ آیا تھا مگر صرف ایک ہفتے کے لئے اس کا خیال تھا کہ بس ایک دو سال میں سب کچھ سمیٹ کر وہ یہیں آ جائے گا کافی رقم وہ سلمٰی کے اکاؤنٹ بھجوا چکا تھا جس سے اس کا ارادہ کوئی بجلی کے سامان کے متعلق کاروبار کرنے کا تھا ماں کو بے بس اور لاچار بستر پر پڑے دیکھ کر اس کا دل بھر آیا تھا اکرم کی تسلی کے لئے ماں کے لئے ایک نرس کا انتظام کیا جا چکا تھا مگر جہاں اپنا خون ماں باپ کی ایسی حالت خدمت نہ کر سکے ایک معمولی تنخواہ پر رکھی نرس کیا کرے گی اس کی خواہش تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت ماں کے پاس گزارے جس کی آنکھوں میں اسے دیکھنے کی تڑپ مچلتی تھی مگر عزیز رشتے داروں کا ملنا ملانا اور دعوتوں کا سلسلہ ہی ختم نہ ہو پا رہا تھا پھر اگلے روز سلمٰی نے ایک بڑا انکشاف کیا یہ جان کر کہ اب اکرم کا واپس آنے کا ارادہ ہے کہ اس کی بھجوائی جمع شدہ رقم سے اس نے اپنے بھائی کی مدد سے مارکیٹ میں دو مہنگی دوکانیں خریدی تھیں مگر چند ہی دنوں میں سلمٰی کے بھائی نے دوکانیں اپنے نام کروا لیں خرید و فروخت کا سارا انتظام اس کے پاس اور سلمٰی کا اندھا اعتماد بھی اور انہیں اچھی قیمت پر فروخت کر کے کسی اور شہر میں بیوی بچوں سمیت چلا گیا لالچ اور دولت کی ہوس اپنوں کی شکل و صورت بھلانے کی صلاحیت رکھتی ہے لہٰذا سلمٰی کا بھائی بھی لالچ میں آ گیا اب اس کا کوئی اتہ پتہ نہ تھا ساری جمع پونجی ضائع ہو گئی بس یہی پانچ مرلے کا ڈبل سٹوری کا ذاتی گھر تھا ان کے پاس مگر خالہ کے بیٹے سے منسوب بیٹی کی شادی کے لئے اور جہیز کے لئے پیسے کی ضرورت تھی اب کون اس بات پر یقین کرتا کہ دوبئی پلٹ اکرم کے پاس اتنی رقم بھی نہیں کہ وہ بیٹی کو شاندار جہیز دے سکے پھر ردا سے چھوٹے کاشف کی اور ریحان کی مہنگی تعلیم کے لئے بھی رقم کی ضرورت

تھی اور بھی بہت سے ایسے ہی مسئلے مسائل کی پٹاری اس کی بیوی نے رات کو روتے ہوئے کھولی ہوئی تھی وہ بیوی کی کوتاہی بیٹی اور شاہ خرچی پر کیا روتا اور اس کی کم عقلی پر کیا کڑھتا البتہ ان لمحات میں اسے اماں کی بات یاد آ گئی جو انہوں نے پردیس میں جانے سے روکتے ہوئے کہی تھی۔

"اکرم یہ جو تیرے اپنے ہیں تجھ سے دور ہونے پر بس تجھے پیسہ کمانے والی مشین کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھیں گے تجھ سے دوری ان کے جذبات اور احساسات کو کمزور کر ڈالے گی اور تیرا بھجوایا پیسہ بس تجھ سے تعلق کی وجہ رہ جائے گا۔"

اور اس طرح ایک ہفتے کی چھٹی منا کر وہ واپس دوبئی پلٹ گیا تھا جہاں صرف چند روز بعد اسے اماں کی فوتگی کی اطلاع فون پر دے دی گئی تھی اس لمحے اسے لگا تھا کہ وہ ایک سرد خانے میں زندگی بتا رہا ہے، اس وقت کوئی اپنا اس کے قریب نہ تھا جو اس کا غم بانٹ سکتا کوئی کندھا نہ تھا جس کے ساتھ لگ کر وہ آنسو بہا سکتا۔

☆☆☆

لیکن اس قید بامشقت سے دو سال میں ہی اس کی بدقسمتی نے اسے نجات دلا دی تھی وہ وطن بھجوا دیا گیا تھا، وہ واپس اپنوں میں لوٹ آیا تھا مگر اس طرح کا بے بس تھا، مجبور تھا اور اب ان کے فائدے کا نہ تھا، سارا دن بس سود و زیاں کا حساب کتاب کرتے ہی بیت جاتا اور وقت پھر بھی نہ گزرتا، روز خود کو ملامت کرتا، ماں سے معافی مانگتا اس نے اس کی ممتا کو تڑپایا تھا فالج زدہ ماں کو یونہی بے بس اور لاچار چھوڑ دیا تھا، جب بوڑھی ماں کو اس کے سہارے کی ضرورت تھی وہ اوروں کا آسرا بنا رہا اور آج خود بے آسرا، بے سہارا پڑا ہوا تھا۔

جس فیکٹری میں وہ کام کرتا تھا الیکٹریشن کا کام کرتے ہوئے بجلی کا ننگے تار نے اسے اس طرح سے چھوا تھا کہ ایک ہی جھٹکے میں پورا جسم مفلوج کر ڈالا تھا بس دماغ ہی بچ پایا تھا اپنوں کے بدصورت اور اصل چہرے دیکھنے کے لئے اس کی شریک حیات اب اس کی مفلوج حیات میں شریک ہونے سے تو رہی اس کی جوان اولاد

جنھوں نے بہت ہی بچپن میں دھندے ہیولے کی صورت میں باپ کی نقش ذہن میں محفوظ کر رکھا تھا اب کیونکر ایک بیکار پڑے شخص سے انسیت کا اظہار کر پاتے جن رشتے داروں کا وہ وقتاً فوقتاً وہ کام آتا رہا تھا ان کی ضروریات پر بھی مدد کی صورت اور کبھی قرض کی صورت میں رقم بھجواتا رہا تھا احسان مندی کے طور پر بس، چند ایک لمحے ہی عیادت کے اسے بخش سکے تھے بس چند روز ہی اس کے گھر والوں نے اس کے ساتھ اس کی بے بسی کا غم منایا تھا اور پھر سب اپنی معروف اور رنگ بھری زندگی میں مگن ہوتے چلے گئے اس کے لئے اماں کی طرح ہی ایک نوکر کا بندوبست کر دیا گیا تھا سلمٰی نے ڈبل اسٹوری والے گھر کے اوپر والے پورشن کو کرائے پر چڑھا دیا تھا کچھ جمع شدہ رقم اور کچھ زیور بیچ کر ایک دکان خرید کر کرائے پر چڑھا دی تھی، یوں بے حساب پیسوں میں کھیلنے والے احتیاط سے ہی سہی مگر اچھی زندگی بتانے لگے تھے مگر ان سب باتوں میں اکرم کی بات کیا تھی وہ تو عضو معطل تھا سلمٰی جو بقول دنیا والوں کے مفلوج ہوئے شوہر اور جوان (بگڑی ہوئی) اولاد کے ساتھ بڑے حوصلے کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی کسی کو بھی اس کی بارہ سالہ محنت و مشقت یاد نہ تھی اس بن باس کا شاید نہ تھا کسی کو بھی اب وہ یاد نہ تھا۔

☆☆☆

''اماں! اماں مجھے اپنے پاس بلالے، بلالے ناں اماں مجھے اپنے پاس، تو...... تو میری بات سن لے، کاش میں نے بھی تیری بات سنی ہوتی، تو نے مجھے قناعت کا سبق پڑھانا چاہا اور میں پیسوں کا ڈھیر لگانا چاہا، تو نے مجھے اپنوں میں رہ کر اپنے ہونے کا احساس دلانا چاہا اور میں نے خود کو ان سے اتنا دور کر لیا کہ اب ان میں رہ کر بھی ان میں نہیں ہوں، کاش اپنے وطن کی روکھی سوکھی چھوڑ کر میں نے ڈھیر سارا پیسہ پردیس میں جا کر کمانے کی خواہش نہ کی ہوتی، پردیس کی صدا کی اجنبی فضاؤں میں رہنے والے یہ جان سکے کہ وہ پیچھے اپنوں کو پیسہ بھجوانے والی مشین کے علاوہ اور کوئی اہمیت نہیں رکھتے، مشین کسی وجہ سے بیکار ہوئی ان کی زندگیوں میں ہر معنی کھو گئی، کاش میں نے تیری فالج ایک اچھے بیٹے کی طرح خدمت کی ہوتی تو آج یوں بے بس، لاوارث پڑا پانی کے ایک گلاس کو نہ ترس رہا ہوتا تو بھی یونہی جوان بیٹے کے ہوتے ہوئے بھی پانی کے گلاس کو ترس جایا کرتی ہو گی اور کوئی تیرے پاس نہ پھٹکتا ہو گا جان گیا ہوں تیرے دکھ اور بڑھاپے میں تیرے کرب کو، کاش میں اسی وقت سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر تیرے پاس آن بستا آخری لمحات میں تو یوں دکھی تو نہ جاتی، اماں مجھے معاف کر دے مجھے اپنے پاس بلالے، مجھے اس اذیت ناک زندگی سے نجات دلوا دے تو ماں ہے تیری فریاد تو اب بھی سنی جائے گی میرے لئے موت کی فریاد کر دے کہ میرے مرنے کی مجھ سے اب اور یہ تکلیف دہ زندگی کا بوجھ نہیں اٹھایا جاتا جو میرے اپنوں کے رویوں نے اور بڑھا دیا ہے، اماں سن لے ناں میری بات تو...... تو سن لے۔'' اس کی چت لیٹی آنکھوں سے آج بھی خاموش آنسو جاری تھے جو نہ جانے کتنے عرصے تک یونہی جاری رہنے تھے نہ جانے کب اس کی سزا ختم ہونے کی گھڑی آئی وہ بے تاب، مفلوج پڑا بس اسی ساعت کا منتظر تھا جس کے آنے کی اسے بالکل خبر نہ تھی لیکن اسے امید تھی کہ اللہ جلد اس پر رحم کرے گا۔

☆☆☆

وہ تکلیف اور جلن سے تڑپ رہ تھی، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ تن کے کپڑے بھی اتار پھینکے، اتنی شدید حدت تھی کہ جو اس کی برداشت سے باہر تھی، وہ اپنی ہتھیلیوں اور پیروں کے تلوؤں کو بری طرح ٹھنڈی زمین سے رگڑ رہی تھی، بار بار ہاتھوں اور پیروں کو ٹھنڈے پانی میں ڈبوتی اس کی بے چینی اور تکلیف اپنے عروج پر تھی، اتنی سردی میں بھی اس نے باریک سا سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا اور وہ بھی اس سے برداشت نہیں ہو رہا تھا، وہ تکلیف سے کراہی۔

"اماں جلن بہت ہے بدن کے اندر کانوں کے اندر نتھنوں کے پردوں میں ہر جگہ جسے کوئی گرم سلاخوں سے جلا رہا ہے نہیں ہو رہا برداشت مجھ سے، میرے ہاتھوں پیروں میں جلن خارش اور آگ ہے۔" اس کی ساس جو اس کے سر پر کھڑی بے حسی سے اس کا تماشا دیکھ رہی تھی اس کی بات سن کر بولی۔

"ہاہائے پھر پڑ گیا نمانی کو دورہ، حق ہا ہمارے نصیب میں تو کوئی خوشی لکھی ہی نہیں، پیر بھاری ہوتا ہے تب ہی اس کے دورے بڑھ جاتے ہیں ہائے ہائے ستیاناس ان شریکوں کا، جانے کیسا آسیب پیچھے لگایا ہے گھر میں خوشی کو ترس گئے ہیں۔" وہ تکلیف سے کراہی۔

"اماں تمہیں کتنی بار بتایا ہے کچھ نہیں مجھے یہ کوئی آسیب ہوائی چیز نہیں بس الرجی ہو جاتی ہے مجھے، لے پکڑ یہ پرچی مجھے (Avil) کا ٹیکا لگوا دے، اماں یہ شادی سے پہلے بھی ہو جاتی تھی مجھے کبھی کبھار اس حالت میں بڑھ جاتی ہے اور کچھ نہیں۔" مگر اس کی ساس اور بھی بلند آواز میں سینہ کوبی کرتے بولی۔

"نہ کہے کچھ نہیں، ہائے ہائے ماے تُنے یہ روگی لڑکی ہمارے پلے ڈال دی، ارے دورہ ہی ہے جو پڑتا ہے مگر ایسا میسنا، ماما اس کا مجال ہے جو منہ سے بھاپ نکالی ہو کہ اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے، یہ الرجیاں بتاتی پھرتی ہے ارے الرجیاں کیا بچے نگل جاتی ہیں، ہائے ہائے ہمارے تو نصیب سڑ گئے تھے جو اپنے اکلوتے بیٹے کے لئے اس نصیبوں جلی کو بیاہ لائی، چار سال ہو گئے ایک بلی کا بچہ تک نہیں نصیب میں ہوا، دو دفعہ دو بیٹیاں پیدا کیں وہ بھی مردہ جانے کیا روگ لگا کر لائی ہے۔"

یہ مکالمہ جانے کتنی بار دہرایا جا چکا تھا نہ اماں ہی باز آئی تھی اور نہ وہ رکتی تھی اس کی تصحیح کرنے سے، مگر اس وقت جلن سے بے حال تھی ہاتھ جوڑتے ہوئے بولی۔

"اماں تو مجھ سے بعد میں لڑ لینا جو طعنے دینے ہوں دے لینا جو ہوا ہو منوا لینا، مگر تیری مہربانی اس وقت مجھے ٹیکا لگوا دے میں مر رہی ہوں تکلیف سے۔" مگر اماں ہنوز بے حسی کی ردا اوڑھے بولی۔

"اے دفعہ دور جا مر پرے جا کر مگر اس دفعہ اگر بچے کو کچھ ہوا تو میں تجھے بتا رہی ہوں میں آصف کی دوسری شادی کروا دوں گی ارے مجھے اپنی نسل چلانی ہے اپنے بیٹے کو ہرا بھرا دیکھنا ہے۔" وہ اندر ہی اندر لرز اٹھی اماں کے فیصلہ کن انداز کو دیکھ کر مگر اس وقت تکلیف کچھ سوچنے کا موقع نہیں دے رہی تھی، وہ شکست خوردہ انداز میں گویا ہوئی۔

"اچھا اماں جو تیرا دل کرے جو تو کہے میں مان لیتی ہوں مگر اس وقت مجھے ٹیکا لگوا دے۔"

اماں کچھ دیر آنکھوں میں چمک لئے اسے دیکھتی رہی پھر پختہ انداز میں بولی۔

"میں ٹیکا تجھے اس شرط پر منگوا کر دوں گی جو تو میرے ساتھ پیر سائیں کے پاس جانے پر

راضی ہو جائے۔" اور یہ موقع تھا جب روبینہ ہار گئی تو تڑپتے ہوئے بولی۔

"اچھا اماں جو تو کہے مگر اس وقت مجھ پر رحم کر۔"

اور پھر کچھ دیر بعد جب قادر اس کو آ کر ٹیکا لگا گیا اور کچھ دیر بعد اسے جیسے سکون سا ہو گیا تو اس نے ان سب باتوں کو دل ہی دل میں دہرایا جو اس کی ساس اسے کہتی رہی تھی، اک ملال اور دکھ کی گہری چادر تھی جس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا کہ یہ کیسی ظالم عورت ہے جسے میرے دکھ درد سے کوئی سروکار نہیں اور اس تکلیف کے عالم بھی یہ اپنے مطالبات منوانے کے چکر میں پڑی تھی اور پھر اس نے اس کے مطالبات کو دہرایا اس کی دھمکی کو۔

"آصف کی دوسری شادی یا پھر پیر سائیں کے پاس حاضری۔"

اس کے دل پر جیسے گھونسا سا پڑا، گو کہ آصف نے کون سا اسے تخت پر بٹھا رکھا تھا اسے یہاں ماں کے پلے ڈال کر خود باہر جا بیٹھا تھا مگر جو بھی تھا اس کے سر کا سائیں تھا دنیا میں واحد آسرا، حالانکہ جب سے اوپر تلے اس کی دو بیٹیاں ہو کر فوت ہو گئیں تو وہ اس سے جیسے مزید بیگانہ اور بے زار ہو گیا تھا سال چھ مہینے بعد وہ چکر لگاتا مہینے کی چھٹی مہمانوں کی طرح گزارتا اور ان چار سالوں میں تیسری دفعہ اس کا پاؤں بھاری تھا۔

نہ تو کبھی اس نے یہاں آ کر اسے ڈاکٹر کے پاس لے کر جانے کی زحمت کی نہ ہی وہ اسے اتنے پیسے دے کر جاتا کہ وہ خود سے کوئی قدم اٹھا لے اور پیسے اگر ہوتے بھی تو اس کی ساس ان ناز نخروں سے سخت خلاف تھی، اس کی دونوں بیٹیاں قریبی سنٹر میں جو کوالیفائیڈ نرس نے کھول رکھا تھا وہیں ہوئی تھیں اچھی خاصی نارمل صحت مند بچیاں

اور پیدا ہونے کے کچھ عرصے بعد ہی نیلی پڑ کر مر گئیں۔

اسے اپنی بچیاں یاد آئیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ تیسری دفعہ، وہ سوچ کر لرز اٹھی وہ جانتی تھی کہ اس کی حالت اس مرتبہ پہلے سے زیادہ خراب ہے نرس نے اس کی ساس کو کہا بھی تھا کہ خالہ جی اپنی بہو کو کسی اچھی لیڈی ڈاکٹر کو دکھائیں یہ بہت زیادہ کمزور ہے وہ اس کے سارے ٹیسٹ کروا کر اسے اچھی دوائی دے گی مگر اس کی ساس نے نخوت سے سر ہلا دیا تھا، یہ سب سوچ کر اس کے آنسوؤں میں شدت آ گئی اس نے بے بسی سے سوچا کہ وہ کیا کرے اور آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہ لیتے تھے، اس کی ساس نے اسے روتے دیکھ کر لتاڑا۔

"ارے کس کا سوگ منا رہی ہے تو، کیوں نحوست پھیلا رکھی ہے؟" پھر اس کی خاموشی دیکھ کر اپنے لہجے کو نرم کرتے ہوئے بولی۔

"کل چلنا میرے ساتھ پیر سائیں کے دربار پر، اللہ کے پہنچے ولی ہیں مزار پر چادر چڑھائیں گے ان کی دعا سے رب سائیں تیری گود بھر دے گا اور تجھ پر جو بھی اثر ہے ہوائی چیز کا وہ اسے بھگا دیں گے قابو کر لیں گے، سنا تو نے تیار رہیو اب کوئی بحث نہ سنوں میں ورنہ میں نے تجھے بتا دیا ہے کہ میں آصف کی دوسری شادی کر دوں گی پھر ہاتھ ملتی رہنا۔" اس نے ملال بھری نظروں سے اماں کو دیکھا اور خاموشی و افسردگی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

روبینہ خود ایف اے پاس تھی ابھی فرسٹ ائیر میں تھی کہ امی ابا دونوں بس حادثے میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور اس کی اور اس سے چھوٹے بھائی کو ماموں کے پاس آنا پڑا، ایک بہن جو اس

سے بڑی تھی شادی شدہ تھی اپنے گھر میں خوشحال تھی بہت امیر نہ سہی مگر اچھی سفید پوشی کا بھرم ڈھکا تھا مگر اس کا میاں بہت کرخت مزاج تھا روبینہ کبھی اس سے بے تکلف نہ ہو سکی، ماموں مامی نے اس کا بوجھ فٹافٹ ڈھونے کی کی، آصف کا رشتہ آیا میٹرک فیل آصف دوبئی میں الیکٹریشن تھا مناسب شکل وصورت دونوں بہنیں شادی شدہ ماموں نے جھٹ پٹ رشتہ قبول کر لیا اور وہ بیاہ کر اس قصبے نما چھوٹے سے شہر میں آ گئی جہاں زندگی کی تقریباً ہر سہولت میسر تھی مگر سہولتیں لوگوں کے ذہن وسوچ کو تو تبدیل نہیں کرتی اور روبینہ بھی جن لوگوں میں بیاہ کر آئی تھی ان کی سوچ کو بدل نہیں سکی تھی، ماموں مامی بھی کبھار رسم دنیا کو خبر گیری کر لیتے اور یہی حالات اس کے شوہر اور ساس کو مزید دلیر کرتے تھے۔

اس نے اپنے آنسو پونچھے مگر اب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا اسے ہر صورت اپنی گھر گرہستی کو بچانا تھا اپنے بچے کو بچانا تھا اس نے دل سے کسی معجزے کی دعا کی مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ کوئی معجزہ نہیں رونما ہو گا اسے خود سے ہمت کرنی ہو گی، ماموں مامی کے بارے میں سوچ کر اس نے خود ہی سرنفی سے ہلا دیا، وہ جو اس کی بچیوں کی فوتگی پر گھڑی دو گھڑی کو آئے اور مامی جو اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کر رہی تھیں گویا اسے کوئی چھوت کا مرض لگا ہو جو کوئی اس کے پاس جائے گا وہ بھی لپیٹ میں آ جائے گا۔

سوچ کے تمام تر دھارے صرف ثمینہ اس کی بڑی بہن پر کھلتے تھے، بھائی اس قدر چھوٹا تھا کہ کسی بوجھ کو اٹھانے کے قابل نہ تھا، خود ماموں کے رحم وکرم پر تھا، آخر اس نے سوچ لیا کہ اسے اس معاملے میں ثمینہ کی مدد لینی ہی پڑے گی اس نے ارادہ باندھا کہ اگر اسے اپنی سخت گیر بہنوئی کے پیروں میں گر کر بھی مدد مانگنی پڑی تو وہ مانگ لے گی کل کلاں کو اگر اس کی ساس نے واقعی آصف کی دوسری شادی کرا دی تو پھر بھی تو اسے ثمینہ کے در کی خاک چھاننی پڑے گی ماموں ممانی تو اسے کبھی برداشت نہیں کریں گے، یہی سب کچھ سوچتے ہوئے اس نے دھڑکتے دل سے ثمینہ کو فون کر دیا، وہ اس کی آواز سنتے ہی بولی۔

"ارے بہنا آج تجھے کیسے میری یاد آ گئی؟ سچ میں تو ترس جاتی ہوں تم لوگوں کو ملنے کو دیکھنے کو۔" وہ بھرائی آواز سے بولی۔

"بس آ گئی مگر جیسا تم کہہ رہی ہو یہی سچ ہے تو کبھی آ کر دیکھ ہی جایا کرو کہ تمہاری چھوٹی بہن جیتی بھی ہے یا پھر ظالم کی چکی میں پستے پستے مر گئی کہنے دیکھنے کو میرا میکہ تم ہی تو ہو پھر میں اتنی بے آسرا کیوں ہوں تمہارے پاس تو اپنی گاڑی ہے شوہر کا ساتھ ہے اور میں......" آگے اس سے بولا ہی نہ گیا وہ پھپھک پھپھک کر رو پڑی، ثمینہ اس کے گلے شکوے اور اس کی تکلیف وحالت کو محسوس کر کے تڑپ کر بولی۔

"بول بہنا تجھے میری قسم بول کیا ہوا ہے؟ دیکھ مجھے مزید پریشان نہ کر، دکھ تو بتانے سے ہی پتہ چلتے ہیں۔" وہ چیختے ہوئے بولی۔

"تمہیں اپنوں کو دور سے بھی نظر آتے ہیں، تمہیں کیوں نہیں نظر آئے میرے درد۔" ثمینہ کے ہاتھ پاؤں بھول گئے اس کی حالت پر وہ اسے پچکارتے ہوئے بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے غلطی ہو گئی، معاف کر دو مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے۔" اور روبینہ نے روتے ہوئے اسے تمام بات بتا دی اور روتے ہوئے بولی۔

"اب بتاؤ بھلا میں کیا کروں، نہ دوا دارو نہ علاج اور تیسرا بچہ، اس پر ساس کے ظلم وستم اور میاں کی دوری وبے رخی اور اب یہ پیروں فقیروں کا مسئلہ اس حال میں یہ مجھے کہاں خوار کرائے گی۔" ثمینہ تشویش سے بولی۔

"تو تم نے آصف کو بتایا وہ کیا کہتا ہے۔" وہ تلخی سے بولی۔

"اس نے کیا کہنا ہے، اگر وہ چاہے تو مجھے اچھی سے اچھی ڈاکٹر کو دکھا سکتا ہے مگر وہ کہتا ہے جو اماں کہتی ہے وہ کرو، نرا جاہل ہے بالکل ضعیف العقیدہ، مجھے تو لیکن ان پیروں پر بالکل بھروسہ نہیں لیکن اب تو مجھے بھی وہم ہونے لگا ہے کہ واقعی مجھ پر کچھ آسیب ہے۔" ہو لحظہ بھر کو رکی۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ اس کا جی مجھ سے بھر گیا ہے یا پھر اس کو کوئی اور باہر پسند آ گئی ہے وہ مجھے فون نہیں کرتا کرے بھی تو بڑی بے رخی اور بیگانگی ہوتی ہے اس کے لہجے میں وہ کہتا ہے کہ میں نے اسے کوئی خوشی نہیں دی کوئی سکھ نہیں دیا اور یہ کہ......" وہ پھر بات کرتے کرتے رو پڑی۔

"اور یہ کہ مجھ میں کوئی روگ ہے کوئی سایہ اور آسیب ہے میں کبھی زندہ بچہ پیدا نہیں کر سکتی کیا واقعی میرا یہ بچہ بھی نہیں بچے گا کیا واقعی کسی آسیب کی وجہ سے میری یہ حالت ہے؟" ثمینہ اسے دلاسا دیتے ہوئے بولی۔

"اتنا سب کچھ تم نے کبھی مجھے نہیں بتایا ہمیشہ اک فاصلہ ہی رکھا اور پھر میرے میاں اور سسرال کا مزاج ایسا تھا کہ...... تم فکر نہ کرو آصف کا نمبر دو میں اسلم سے بات کرواتی ہوں اسکی اور کچھ دنوں میں آ کر تمہیں لے جاؤں گی اپنے پاس کچھ روز کے لئے، یہاں تمہارا اچھی طرح چیک اپ کرواؤں گی۔" وہ ہراساں ہو کر بولی۔

"کبھی نہیں وہ کبھی اجازت نہیں دے گا وہ دے بھی دے تو اماں کبھی نہیں جانے دے گی تم نہیں جانتی ثمینہ اس کو مجھ سے بے دام غلام کہاں سے ملے گی وہ تو اگر آصف کی دوسری شادی بھی کروا دے تو مجھے اپنے پاس ہی رکھے گی اپنی خدمت کے لئے۔" وہ مایوسی کی انتہا پر تھی مگر ثمینہ نے اسے حوصلہ دیا۔

"یہ تم مجھ پہ چھوڑ دو کہ میں یہ کیسے کرتی ہوں مگر تم اپنی ہمت اور حوصلہ جمع رکھو۔"

"بس مجھے تمہاری اتنی ہی مدد کی ضرورت ہے کہ اپنا حوصلہ مضبوط رکھو باقی میں سب سنبھال لوں گی۔" روبینہ کو سچ مچ خود میں اک نئی قوت کا احساس ہوا وہ کچھ دیر چپ رہنے کے بعد بولی۔

"اور جو صبح اماں نے پیر کے پاس لے جانے کی ضد لگا لی تو وہ...... اس کا کیا کروں۔" ثمینہ نے بڑے رسان سے اسے سمجھایا۔

"چند دن کی بات ہے وہ جو کہتی ہیں مان لو ضد مت لگاؤ۔" وہ کچھ دیر کو خاموش ہو گئی پھر آہستگی سے بولی۔

"میرا مان رکھ لینے کا میرے دکھ بانٹنے کا شکریہ۔" وہ ہنس کر بولی۔

"پگلی کہیں کی۔"

☆☆☆

اگلے دن اماں نے فارغ ہوتے ہی اسے تیار رہنے کا حکم دیا وہ بظاہر خاموشی سے اٹھ گئی مگر اندر ہی اندر لرزہ براندام تھی، اس نے ان جھوٹے جعلی پیروں فقیروں کے اتنے قصے سن رکھے تھے کہ وہ بہت بری طرح خوف زدہ تھی پھر کہیں کہیں وہ اندر سے ڈول جاتی اور ہول کر سوچتی۔

"ہو سکتا ہے واقعی یہ کوئی جادو آسیب اور سائے کا چکر ہو، آخر میری بظاہر بالکل صحت مند بچیاں کیسے دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو گئیں اور یہ میری تکلیف جسے اماں دورہ کہتی ہیں کتنی بڑھ گئی

ہے آخر اس کا کوئی سبب تو ہوگا نہ۔"
روبینہ نے خود کو چادر میں اچھی طرح لپیٹا اور اماں کے ساتھ چل پڑی، چادر میں اچھی طرح لپٹی دھان پان سی نازک سی روبینہ کہیں سے لگتی نہ تھی کہ وہ تیسری بار ماں بننے جا رہی تھی اور اس کا پانچواں مہینہ چل رہا تھا۔

وہ مختلف وسوسوں میں گھری خاموشی سے چلتی جانے کب پیر سائیں کے دربار پہنچ گئی، وہی تمام لوازمات جو اس طرح کے درباروں کے ہوتے ہیں دو کمرے ملاقاتیوں سے بھرے تھے زیادہ تر عورتیں ہی تھیں اور جو مرد تھے وہ کمروں سے باہر احاطے میں تھے ایک چھوٹا سا حجرہ تھا جہاں پیر سائیں بیٹھتے تھے اور ملاقاتی ایک ایک کر کے اپنی باری پر حاضری دیتے لوگوں کو آپس میں جھگڑنے سے بچانے کے لئے دربار کے ملازمین دھیان رکھتے کہ لوگوں کو باری کے حساب سے بٹھائیں، ان کمروں سے باہر کھلا کچا احاطہ تھا جو مزار سے منسلک بھی تھا اور دربار کو کچھ مزار اور مسجد سے علیحدہ بھی کرتا تھا، مزار کے باہر ملنگ بیٹھے تھے لوگ آ جا رہے تھے نذرانے چڑھاوے چڑھاتے منتیں مانگتے چادریں چڑھاتے۔

روبینہ نے بے بسی سے سوچا، "جانے ان میں سے کون کون میری طرح مجبور ہو کر آئے ہوں گے۔"

باری آنے پر وہ اپنی ساس کے ساتھ پیر سائیں کے حجرے میں داخل ہوئی باریش سفید داڑھی والے سفید اجلے کپڑے پہنے اپنے سفید بالوں اور داڑھی کی نسبت کافی صحت مند اور نسبتاً جوان دکھنے والے پیر سائیں سرخ و سفید پر جلال چہرہ سرمگیں آنکھیں لال ڈورے لئے ہوئے آنے والی اکثر عورتیں تو ان کی نورانی شخصیت سے آدھی صحت یاب و بافیض ہو جاتیں۔

پیر سائیں نے نگاہ اوپر کی چمکتی پر اسرار آنکھیں کھوجتی ہوئی روبینہ کو لگا کہ اندر پار ایکسرے کر گئیں اور سب حال دل معلوم کر لیا، پیر سائیں نے لمحہ بھر کو نگاہ کر کے نظر جھکا لی اور بلند آواز میں بولے۔

"بی بی تیرا مرض پڑھ لیا میں نے جان لیا میرے موکل بتا گئے، سب مجھ کو تیرے بچے اس وقت تک نہیں بچیں گے جب تک یہ سایہ تیرا پیچھا نہیں چھوڑے گا، کہاں سے اس غلیظ موذی کو پیچھے لگا لیا تھا۔" اماں تو بس پیر سائیں کے قدموں میں گر گئی روتی بلکتی۔

"آپ کرامت والے ہو کچھ کرو بن بتائے سب جان گئے غیبی علم ہے آپ کے پاس مدد کرو۔" پیر سائیں نے آنکھیں موند کر کہا۔

"کریں گے ضرور کریں گے اللہ کے حکم سے مدد کرنے ہی بیٹھے ہیں، تو ایسا کر تھوڑی دیر کے لئے بچی کو ادھر چھوڑ دے، تو باہر بیٹھ اور سن کسی آواز پر اندر مت آنا ورنہ نقصان کی اس کوکھ میں پلنے والے بچے کی جان کا ذمہ تجھ پر ہوگا۔"

جہاں دیدہ اماں اس انوکھی فرمائش پر دم بخود تھی، اس نے سنا تھا کہ کچھ پیچیدہ اور خاص خاص عورتوں کو یہی پیر سائیں اس طرح روکتے تھے ان کے بارے میں کوئی ایسی ویسی بات نہیں سن رکھی تھی، اماں نے لحظہ بھر کو ٹھٹک کر پیر سائیں کو دیکھا ان کی سفید نورانی داڑھی کو پھر اپنی نڈھال بدحال سی بہو کو جو اس حال میں تھی، اسے لگا کہ اس میں کوئی حرج تو نہیں اور یہ نہ ہو کہ پیر سائیں جلال میں آ کر کچھ اور مصیبت پیچھے لگا دیں، وہ خاموشی سے اٹھی اور حجرے سے باہر چلی گئی اور روبینہ کا رنگ اڑ گیا۔

ابھی اماں کو باہر بیٹھے دس منٹ بھی نہ ہوئے تھے کہ پیر سائیں نے تیز آواز میں اماں کو بلایا۔

اماں جب اندر داخل ہوئی تو ان کا منظر دیکھ کر حق دق رہ گئی، پیر سائیں کا ہاتھ بری طرح لہولہان تھا اور روبینہ اپنی چادر کو سختی سے لپیٹے پھٹی پھٹی آنکھوں سے آنسوؤں کے ساتھ چہرے پر ہلدی جمائے پیر سائیں کو دیکھ رہی تھی، پیر سائیں نڈھال اور تکلیف سے کراہ رہے تھے۔

"جا اماں لے جا اپنی بہو کو، قابو کر لیا ہے میں نے اس سرکش کو پیچھا چھوٹ گیا ہمیشہ کے لئے تیرا اور تیری بہو کا، اب اللہ کے فضل سے بچہ صحت یاب ہو گا آئندہ اس کو لانے کی بھی ضرورت نہیں بس ہر ماہ آ کر پانی اور چینی پر دم کروا لیا کر، ہاں جاتے ہوئے مزار پر چادر چڑھانا نہ بھولنا، جاؤ اللہ کرم کرے گا۔" اماں مزید عقیدت اور مودب ہو کر بولی قدرے ہکلاتے ہوئے بولی۔

"مگر سائیں...... یہ آپ کا ہاتھ...... یہ کیسے زخمی ہوا؟" پیر سائیں بولے زور دار گرج کر دبنگ آواز میں ڈانٹتے ہوئے مخاطب ہوئے۔

"جاہل عورت یہ آسیب اس قدر موذی تھا، جانے کب سے اس کے پیچھے تھا، جاتے وقت مشتعل ہو کر مجھے زخمی کر گیا اب جا چلی جا یہاں سے وہ ابھی یہیں آس پاس ہے۔"

اماں الٹے پیروں وہاں سے روبینہ کو لے کر دوڑی، اس نے روبینہ سے بہتیرا پوچھا کہ کیا ہوا تھا وہاں؟ مگر اس کے پاس اس کے سوا کچھ جواب نہ تھا کہ مجھے کچھ نہیں پتہ۔

اور اگلے دن ثمینہ نے اپنا کہا پورا کر دکھایا وہ اپنے میاں اور ساس کے ساتھ آ کر اسے لے گئی اس کی ساس نے اماں سے کچھ اس طرح بات کی کہ اماں غصے میں ہونے کے باوجود کچھ بھی نہ کر سکی کیونکہ آصف کا فون بھی آیا تھا اور خلاف توقع اس نے بڑے پیار اور اچھے موڈ کے ساتھ نہ صرف بات کی بلکہ جانے کی اجازت بھی دے دی۔

اماں نے بادل نخواستہ اسے بھیج تو دیا مگر اس تاکید کے ساتھ کہ وہ یاد سے دم کیے پانی اور چینی کا استعمال جاری رکھے اور اس نے اثبات میں سر ہلا دیا، اماں جتلاتے ہوئے بولی۔

"بڑی مشکل سے پیر سائیں نے اس کے اوپر جو اثرات تھے جو سایہ تھا ان کو قابو کیا بلکہ ان کا ہاتھ بھی زخمی ہو گیا تم لوگوں نے تو ہمیں نہیں بتایا روگی لڑکی ہمارے پلے ڈال دی اور یہ الرجیاں بتا کر پردے ڈالتی ہے، اب لے کر جا رہی ہو تو دھیان رکھنا ہماری آنے والی آل اولاد کا۔"

ثمینہ کا رنگ اس سخت بیان پر متغیر ہوا خاص طور پر ساس اور میاں کے سامنے اس غلط بیانی پر اسے شدید غصہ آیا مگر بہن کی خاطر وہ برداشت کر گئی۔

لاہور لا کر ثمینہ نے اسے بڑی اچھی لیڈی ڈاکٹر کو دکھایا اسے تمام تر صورتحال سے آگاہ کیا کہ کیسے اس کی پہلی دو بچیاں پیدا ہونے کے تھوڑی دیر بعد مر گئیں اور دلگرفتگی سے کہا۔

"اور اس کے سسرال والوں کا خیال ہے کہ اس پر آسیب ہے سایہ ہے کوئی، اس کو دورے پڑتے ہیں۔" ڈاکٹر جو روبینہ کا تفصیلی معائنہ کر رہی تھی چونک کر بولی۔

"دورے کیسے دورے، یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں کہ اس کو دورے پڑتے ہیں؟" روبینہ دلگرفتگی سے بولی۔

"کوئی دورے نہیں پڑتے ڈاکٹر صاحبہ، الرجی ہو جاتی ہے شادی سے پہلے بھی کبھی کبھار ہو جاتی تھی اب اس حالت میں بڑھ جاتی ہے اور

کچھ نہیں۔" ڈاکٹر نے کریدتے ہوئے پوچھا۔
"کیسی الرجی کیا محسوس ہوتا ہے؟" روبینہ سرسری لہجے میں بولی۔
"نہیں ڈاکٹر صاحبہ کچھ بھی نہیں، جسم صاف رہتا ہے مگر تمام بدن میں حرارت کا تناسب بڑھ جاتا ہے جسم کے تمام اندرونی حصے شدید حدت اور خارش زدہ محسوس ہوتے ہیں اور بظاہر کچھ نہیں فطرتاً اسی لئے تو میری ساس کہتی ہے کہ اسے دورہ پڑتا ہے جب ہوائی چیزیں آتی ہیں تو جسم کسی طرح تپتا ہے اور بخار بھی نہیں ہوتا۔" ڈاکٹر یہ سن کر مسکرائی۔

"اور یہ سب بتا کر مجھے لگتا ہے کہ روبینہ میں نے تمہارے آسیب کو پکڑ لیا ہے تم جسے معمولی الرجی سمجھ رہی ہو یہ تمہارے بدن میں خاص وٹامنز و کلیات اور کچھ ہارمونل نظام میں گڑبڑ کی نشاندہی ہے اور اس حالت میں بدن کا یہ نظام کچھ گڑبڑ ہوتا ہے اسی لئے یہ تکلیف بڑھ جاتی ہے۔" پھر وہ ثمینہ سے مخاطب ہوئی۔

"آپ یہ اس کے کچھ ضروری ٹیسٹ کروائیں میں کچھ وٹامنز اور انجکشنز دے رہی ہوں کمزوری زیادہ ہے باقی سب خیریت ہے غذا کا خاص خیال رکھیں باقی ٹیسٹ کی رپورٹ آنے پر۔"

پھر روبینہ پندرہ بیس دن ثمینہ کے پاس رہی ثمینہ کا میاں سخت گیر اور خاموش طبع ضرور تھا مگر روبینہ کے ساتھ رویہ کافی بہتر تھا روبینہ نے دل میں سوچا۔

"ہم دور رہ کر خود سے اندازے قائم کر کے تلخیاں اور رنجشیں کیوں بڑھا تے ہیں، رشتوں کو وقت اور مقام کیوں نہیں دیتے۔"

ان پندرہ بیس دنوں میں اس کے مزاج اور صحت پر کافی اچھا اثر پڑا بچے بھی خالہ خالہ کرتے آگے پیچھے پھرتے حتیٰ کہ آصف کا بھی دو تین مرتبہ فون آیا جو ایک حیران کن امر تھا ورنہ تو وہ پوچھتا ہی نہیں تھا اور اب وہ کہہ رہا تھا۔

"اچھی بات ہے یہاں تیری صحت پر اچھا اثر پڑا ہے تو اپنا اور بچے کا خیال رکھ مگر ابھی کافی ٹائم پڑا ہے طبیعت کچھ سنبھلے تو کچھ عرصہ کے لئے اماں کے پاس چلی جانا پھر واپس آجانا میں اسلم بھائی کو کہہ دوں گا خود بھی کوشش کروں گا وقت سے پہلے آنے کی۔" وہ حیرت زدہ اور مسرور سی ہوگئی اور سوچنے لگی شوہر کی محبت بھی عورت کے لئے کسی ٹانک کسی طاقتور دوا سے کم تو نہیں۔

اور پھر واقعی وہ طبیعت سنبھلنے پر واپس اپنی ساس کے پاس آگئی، اس کا رویہ ہنوز وہی تھا مگر اسے ثمینہ اور ڈاکٹر نے بہت سمجھایا تھا اور اس نے بھی اس کی باتوں اور ڈانٹ پر غور کرنا چھوڑ دیا تھا۔

اور جب اس کے کریدنے پر اس نے اسے ڈاکٹر کے بارے میں بتایا اور یہ بھی بتایا کہ اسے پہلے سے واقعی آرام ہے اور جلدی جلدی الرجی بھی نہیں ہوتی تو وہ ہاتھ لہراتے ہوئے بولی۔

"یہ تو پیر سائیں کی کرامت ہے دیکھا نہیں تھا کیسے انہوں نے تیرا آسیب بھگایا تھا، تو پانی اور چینی استعمال کرتی ہے نہ۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں اماں بے شک ثمینہ سے پوچھ لینا۔"
تو اماں بڑی عقیدت سے بولی۔

"ہاں سویرے کو جاؤں گی تیرے لئے دم کی چینی اور پانی لے کر آؤں گی اور مزار پر منت کی چادر بھی چڑھاؤں گی۔"

اور پھر کچھ وقت اسی طرح گزرا کہ روبینہ چیک اپ کے لئے جاتی اور کچھ دن ثمینہ کے پاس رہ آتی وہاں سے آرام سکون اور محبت بھی ملتی جو اسے درکار تھی اور پھر کچھ عرصے کے لئے وہ ساس کے پاس آجاتی۔

وہ جب ادھر ساس کے پاس ہوتی تو ہر ماہ وہ باقاعدگی سے اس کے لئے دم کی چینی اور پانی لے کر آتی اور آخری دو ماہ جب ثمینہ نے اسے جانے سے منع کر دیا اور ڈاکٹر نے بھی کہا کہ وہ احتیاط کرے آرام کرے ہلکی پھلکی چہل قدمی ضرور رہے مگر سفر نہ کرے تو اماں خود احتیاط سے باقاعدہ ہر ماہ اسے دم کی ہوئی چینی اور پانی دے کر جاتی رہی بڑی عقیدت سے وہ کہتی۔

"بڑی کرامت والے ہیں پیر سائیں ایک ہی دفعہ مرض پکڑ لیا اس کے حال پر ترس کھا کر دوبارہ آنے سے منع کر دیا۔"

اور وہ دونوں ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر رہ جاتیں اور آخر وہ دن آ ہی گیا جب اسے اسپتال جانا تھا ڈاکٹر نے اس کی گزشتہ پیچیدگیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے وقت سے پہلے ہی بلا لیا، وہ اپنا چھوٹا سا بیگ تیار کر رہی تھی کہ اچانک ثمینہ وہاں آگئی۔

"ارے یہ کیا رکھ رہی ہو اس میں۔" وہ ٹال گئی اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی تو ثمینہ کندھے اچکا کر چلی گئی۔

ایک تکلیف دہ اور کربناک مرحلے سے گزر کر اس نے گل گوتھنے سے سفید گلابی رنگ کی آمیزش لئے ایک پیارے سے بیٹے کو جنم دیا ڈاکٹر نے اچھی طرح تسلی کرنے کے بعد ابتدائی چار گھنٹے اس کو ان کو بیٹر میں رکھنے کے بعد ان کے حوالے کر دیا تھا۔

آصف بھی آ گیا تھا اور اس کے چہرے پر بیٹے کے باپ ہونے کی خوشی و فخر پھیلا تھا، وہ بڑی محبت بھری نظروں سے اپنے بچے کو اور روبینہ کو دیکھتا تھا اور وہ محجوب سی ہو کر نگاہ جھکا لیتی تھی۔

اگلے دن اماں بھی آگئی ابھی وہ اسپتال ہی میں تھی اس کی حالت کے پیش نظر ڈاکٹر نے احتیاط ایک دن روک لیا تھا، اماں بچے کو گود میں اٹھاتے ہی بولی۔

"ربا تیرا شکر ہے جیتے جی میرا پوتا لگ گیا رونق میلا لگ گیا میں نے اپنے بیٹے کی خوشی دیکھ لی، دیکھ بہنا میرے پیر سائیں کتنی کرامت والے

ہیں اب تجھے اور اپنے پوتے کو سلام کروانے لے کر جاؤں گی۔"

روبینہ نے ثمینہ کو آواز دے کر کہا کہ وہ گٹھڑی جو اس کے بیگ میں رکھی ہے لے آئے، ثمینہ سمیت سب نے حیرت سے پوچھا۔

"کیا ہے اس میں؟" روبینہ نے وہ گٹھڑی اماں کو تھماتے ہوئے کہا۔

"اماں یہ پکڑ تیری امانت ہے یہ۔"

اماں نے اسے کھولا تو حیران رہ گئی اس میں وہ تمام چھوٹی چھوٹی بوتلیں اور دم کی ہوئی چینی موجود تھی اور ساتھ ہی ایک خون آلود خنجر بھی، اماں نے حیرت و دکھ کے ساتھ اسے دیکھا اور قدرے تاسف اور ہکلاتے ہوئے بولی۔

"مطلب ...... تو ...... تو نے ...... یہ سب استعمال نہیں کیا۔" تو اس نے سر نفی میں ہلا دیا، اماں واویلا کرتے ہوئے بولی۔

"بہت برا کیا تو نے، بہت برا، نافرمانی کی پیر سائیں اس حرکت کا پتہ چل گیا ہوگا وہ بہت ناراض ہوں گے ارے کلموہی تجھے دو بچے کھا کر بھی عقل سمجھ نہ آئی۔" آصف بھی بہت ناراض نظر آ رہا تھا، روبینہ ٹھہرے لہجے میں بولی۔

"اماں تو نے مجھ سے اس چاقو کے بارے میں نہیں پوچھا جس پر خون لگا ہے پتہ ہے یہ کیا ہے اماں؟ آصف یہ اس بابا کے خون ہے جن عورتوں کے مرد باہر چلے جاتے ہیں نہ ان کو بڑا محتاط اور دلیر ہو کر جینا پڑتا ہے جب اماں مجھے لے کر گئی تو میں اپنی چادر میں یہ چھپا کر لے گئی تھی میں نے پیر سائیں کے بارے میں جیسا سوچا تھا وہ ویسا ہی نکلا، اماں کے باہر نکلتے ہی اس نے اپنا چولا بدل لیا مگر اس سے پہلے کہ وہ میرے ساتھ کچھ برا کرتا میں نے اس کا ہاتھ بری طرح زخمی کر دیا اور اس کو دھمکی بھی دی کہ اگر تم نے کچھ غلط کرنے کی کوشش کی تو بری طرح شور مچاؤں گی اور مجبور کیا کہ وہ اماں کو کہہ دے کہ مجھے نہ لایا کریں ساتھ کیونکہ مجھے پتہ تھا کہ اماں کبھی مجھ پر بھروسہ نہیں کرے گی۔" یہ سب کہہ کر وہ تھک سی گئی پھر وہ دوبارہ بولی۔

"میرا اللہ پر ایمان کتنا پکا اور سچا ہے پتہ نہیں مجھے، اللہ اور اس کے نیک بندوں کا کیا معاملہ ہے مجھے یہ بھی نہیں پتہ مگر مجھے اتنا ضرور پتہ ہے کہ ہر نیکی بدی اس کے ہاتھ میں ہے اور پیر سائیں جیسے فراڈ کسی کو کچھ نہیں دے سکتے۔" ماحول جو بڑا بوجھل بوجھل لگ رہا تھا، روبینہ یہ سب بول رہی تھی کہ ڈاکٹر آ گئی اس نے روبینہ کی آخری بات سن لی تھی وہ آصف کی طرف رخ موڑ کر بولی۔

"آپ کی مسز کا آسیب میں نے پکڑ لیا ہے، یہ دوائیں اور جو ٹانک میں نے دیے ہیں جاری رکھے انشاءاللہ تعالیٰ بالکل صحیح ہو جائے گی میرے بھائی یہ مرض ہے اور جسم میں خاص چیزوں کی کمی بیشی سے پیدا ہوتا ہے اور بے شک زندگی اور موت اس کے ہاتھ میں ہے آپ کی مسز بہت سمجھدار اور حوصلے والی ہیں جو اس جعلی پیر کے ہتھے نہیں چڑھی۔"

آصف شرمندہ سا ہو کر آگے بڑھا اور مٹھائی کا ڈبہ کھول کر بولا۔

"لیں ڈاکٹر صاحبہ منہ میٹھا کریں واقعی اللہ نے مجھ پر بڑا کرم کیا۔"

سب ماحول کا تناؤ کم ہونے پر مسکرانے اور باتیں کرنے لگے مٹھائی کا ڈبہ سب ہاتھوں میں گردش کرنے لگا مگر روبینہ کی یہ بات بالکل سچ تھی اماں کو واقعی ابھی تک یقین نہیں آیا تھا اور وہ ابھی تک کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ کر رہی تھیں۔

☆☆☆

ہم کہ قیدی ہوئے

کنول ریاض

جناح باغ کے سبزہ زار پہ دور دور تک فرشی دریاں بچھائی گئی تھیں چاند کی مدھم روشنی میں ان دریوں پہ بچھی سفید چاندنیاں بڑی بھلی معلوم ہو رہی تھیں ہوا میں ہلکی ہلکی خنکی موجود تھی جو اپنے ساتھ پھولوں کی خوشبو اِدھر اُدھر بکھرائے ماحول کو مزید سحر انگیز بنا رہی تھی، مشاعرہ کا ابھی باقاعدہ آغاز نہیں ہوا تھا لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی کچھ لوگ اہل خانہ کے ساتھ تھے اور اپنا الگ گروپ بنائے بیٹھے تھے جبکہ اکثریت دوست احباب کے ساتھ موجود تھی حیدر بھی حسن کی وجہ سے یہاں موجود تھا، حسن، حیدر کا بچپن کا دوست اور ایک ابھرتا ہوا شاعر تھا اور اس مشاعرے کی میزبانی کے فرائض حسن کو ہی سر انجام دینا تھے ملک کے مختلف شہروں سے آئے شعراء اکرام کی اسٹیج پہ آمد نے مدھم سرگوشیوں کا گلا گھونٹ دیا اور لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے مشاعرے کا آغاز ہو چکا تھا حیدر الگ تھلگ بیٹھا لطف اٹھا رہا تھا کہ ایک نسوانی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"میں یہاں بیٹھ جاؤں؟" ہاتھوں میں پکڑی فائل اور کندھے سے لٹکتے پرس کو حیدر کے قریب ہی رکھ کر بیٹھتے ہوئے پوچھنے کی گویا رسم نبھائی گئی تھی مجبوراً حیدر کو اثبات میں سر ہلانا پڑا۔

"آپ یہاں اکیلے کیوں بیٹھے ہیں؟" پرس میں جھانکتے ہوئے ایک اور سوال کیا گیا تھا مگر حیدر مشاعرہ کی وجہ سے سن نہیں پایا تھا، اسٹیج پر اس کا پسندیدہ شاعر موجود تھا اور اپنی غزل پیش کرنے لگا تھا۔

"ٹھا.............." ہلکے پٹاخے کی آواز حیدر کی محویت کو توڑنے کا سبب بنی تھی، تلے ہوئے چپس کا بڑا پیکٹ ہاتھ میں لئے وہ محترمہ اِدھر اُدھر بکھرے آلوؤں کے قتلے اٹھا اٹھا کر اور ایک ہاتھ سے جھاڑ کر دوبارہ پیکٹ میں بھر رہی تھیں۔

"وہ...... مجھ سے دوسری طرح سے پیکٹ نہیں کھلتا اس لئے۔" ہاتھوں کو اوپر نیچے لا کر زور دار طریقے سے مارنے کا اشارہ کر کے یقیناً اس پٹاخے کی وضاحت کی گئی تھی۔

"آپ بھی لیجئے ناں۔" پیکٹ حیدر کے منہ کے سامنے کیا گیا۔

"نہیں نہیں...... شکریہ۔" حیدر نے ہاتھ کے اشارے سے انکار کیا۔

"ارے آپ تو تکلف برت رہے ہیں، لے لیجئے مجھے اکیلے کھانے کی عادت نہیں ہے۔"

پر زور اصرار پر بالآخر حیدر کو دو سلائس اٹھانے ہی پڑے، اسٹیج سے اس کی توجہ ہٹ چکی تھی، سفید شلوار، لیمن کلر قمیض دوپٹہ پہنے بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹے پہلی نظر میں سنجیدگی کا تاثر دیتی یہ لڑکی ایسی بچگانہ حرکتیں بھی کر سکتی، حیدر کو اس کا اندازہ نہ تھا، آلوؤں کے بعد اب جوس کی باری تھی حیدر کو جوس پکڑانے کے بعد اب وہ اپنا جوس کا ڈبہ بال پین سے کھولنے کی کوشش میں تھی اور اس کوشش میں کامیابی کے بعد منہ اونچا کیے غٹا غٹ پینے میں مشغول ہو گئی کیونکہ اس کے جوس کا اسٹرا نہیں تھا، حیدر جوس ختم کرنے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا۔

"اوکے مس تھینکس فار دا ریفریشمیٹ Ok miss thanks for the erfreshment)۔" اس کا شکریہ ادا کرتے وہ باہر کی طرف چل پڑا اس لڑکی نے اپنے بچگانہ انداز سے حیدر کو کچھ اس طرح متوجہ کیا تھا کہ وہ اپنے پسندیدہ شعراء کو بھی ٹھیک سے نہیں سن پایا تھا اور اب وہاں بیٹھنے کا کوئی خاص فائدہ نہ تھا تبھی وہ گھر چلا آیا، اگلے دن دفتر جانا تھا اور وہ وقت پہ

پہنچنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

حیدر کو اپنے لئے چند شرٹس خریدنا تھیں جبھی وہ حسن کے سر ہو گیا حسن کی عمدہ چوائس کی بدولت حیدر اکثر و بیشتر اپنی شاپنگ اسی کے ساتھ کرتا تھا اور آج بھی حسن کو مصروفیت کے باوجود حیدر کے ساتھ آنا پڑا۔

"نیلے رنگ کا کیا اچار ڈالنا ہے تم نے پہلے ہی دو شرٹس موجود ہیں تمہارے پاس۔" حیدر کے ہاتھ میں پکڑی باریک لائننگ والی شرٹ حسن نے پکڑ کر واپس لٹکائی نیلا رنگ حیدر کا پسندیدہ رنگ تھا جبھی حسن کی اس حرکت پر دل مسوس کر رہ گیا۔

"میں یہ دلہن والا رنگ بھی نہیں لوں گا۔" حسن کے ہاتھ میں سرخ رنگ کی شرٹ دیکھ کر حیدر بدکا تھا۔

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا کہاں لکھا ہے کہ سرخ رنگ صرف دلہنوں کے لئے ہے تمہاری کھلتی ہوئی رنگت پہ سوٹ کرے گا۔" ہاتھ میں پکڑی شرٹ لیے وہ کاؤنٹر کی طرف بڑھا تو مجبوراً حیدر کو بھی اس کی پیروی کرنا پڑی۔

"اس کا بل بنا دیں پلیز۔" اپنی مطلوبہ اشیاء کاؤنٹر پہ رکھ کر حسن نے کہا تو کسی خاتون نے بات کرتا سیلز مین ان کی جانب مڑا۔

"سر آپ کو دو منٹ انتظار کرنا ہو گا۔" انہیں انتظار کا کہہ کر وہ پھر سے سامنے موجود خاتون کی طرف مڑا۔

"دیکھئے میڈم اب اگر آپ کے پیسے نہیں مل رہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ آپ براہ مہربانی پوری رقم ادا کریں یا پھر اشیاء کی مقدار کم لیں۔" سیلز مین کو بحث میں مصروف دیکھ کر حیدر سامنے لگی پرفیومز چیک کرنے لگا۔

"دیکھئے مسٹر میں آپ کو پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میں مزید پیسے ادا نہیں کروں گی آپ کے سامنے ہی پانچ سو کا نوٹ اڑ کر ٹیبل کے نیچے گرا تھا، اب اگر وہ وہاں سے نہیں ملا تو اس میں میری کیا غلطی ہے آخر کو ہے تو وہ آپ کی دکان کے اندر ہی ناں۔"

حیدر ابھی چند پرفیومز ہی چیک کر پایا تھا کہ اس شناسا سا آواز پہ پلٹا وہ پل بھر میں پہچان گیا تھا کہ وہ لڑکی اس دن مشاعرے کے روز ملنے والی ہی تھی۔

"آپ کی بات ٹھیک ہے لیکن یہ بھی تو دیکھیں ناں کہ وہ پیسے آپ کے ہاتھ سے نیچے گرے ہیں اگر مجھ سے یہ غلطی سرزد ہوتی تو یقین جانیے میں کبھی آپ سے پیسے نہ مانگتا۔" سیلز مین ٹالنے والے لہجے میں بولا تھا لیکن سامنے موجود ہستی کو کوئی پرواہ نہ تھی۔

"مجھے اس بات سے کوئی سروکار نہیں کان دائیں سے پکڑیں یا بائیں سے سر درمیان میں ہی رہتا ہے پیسے آپ کی دوکان میں گرے ہیں سو یہیں موجود ہوں گے لہٰذا میں مزید رقم ادا نہیں کروں گی سمجھے آپ۔" اپنی بات ختم کر کے اس نے جھٹکے سے سامنے موجود شاپر اٹھایا اور ٹک ٹک کرتی آگے بڑھ گئی۔

"تم بل ادا کر کے باہر آؤ میں وہیں تمہیں ملوں گا۔" اپنا والٹ حسن کو پکڑاتے حیدر تیزی سے باہر کی طرف لپکا۔

"السلام علیکم!" تیز قدموں سے چلتے حیدر نے اسے جا لیا اپنے پیچھے سلام کی آواز سن کر وہ پلٹی تھی۔

"وعلیکم السلام!" جواب دیتے ہوئے اس کے لہجے میں حیرت در آئی تھی، یقیناً اس نے حیدر کو نہیں پہچانا تھا اس کے انداز پہ حیدر گڑبڑا گیا۔

"میں حیدر ہوں، اس دن مشاعرے میں آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔" لڑکی کو اپنی طرف متوجہ پا کر وہ اپنا تعارف کروانے پہ مجبور ہو گیا۔

"کس دن؟"

"وہ جو مرزا صاحب کے ہاں منعقد ہوا تھا؟" اس کے جواب پہ حیدر کو سو فیصد یقین ہو گیا تھا وہ اس سرسری ملاقات کو بھلا بیٹھی ہے۔

"ارے نہیں وہ جو جناح باغ میں ہوا تھا پچھلے سنیچر کو۔" حیدر نے اسے یاد کروانا چاہا۔

"اوہ اچھا تو آپ اس دن کی بات کر رہے ہیں۔" یاد آ جانے پر لڑکی کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ ابھری اور اپنے ہاتھ میں پکڑا شاپر دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتے وہ اپنے موڈ میں آ گئی۔

"آپ تو اس دن ایسے غائب ہوئے میں نے مشاعرے کے بعد آپ کو بہت ڈھونڈا لیکن آپ کہیں ملے ہی نہیں۔" اپنے ڈھونڈنے جانے کی بات پہ حیدر نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"جی...... لیکن میں تو آپ کے سامنے ہی اٹھا تھا۔"

"ہاں لیکن میں سمجھی کہ آپ وہیں موجود ہوں گے اور ویسے بھی مجھے اس دن کے مشاعرے کی روداد لکھنا تھی، دھیان ادھر تھا آپ کے چلے جانے کے بعد خیال آیا کہ میں نے تو آپ کا شکریہ ادا ہی نہیں کیا۔" اس کی حیرت دور کرتی وہ پھر سے اسے الجھا گئی۔

"میرا شکریہ، مگر کس بات پہ......؟" اپنے سوال کو حیدر کو پھر سے زبان دینا پڑی۔

"ارے بھئی اس لئے کہ اس دن آپ نے میرا ساتھ دیا تھا کھانے میں اور آپ کی کمپنی میں بوریت محسوس نہیں ہوئی تھی۔" اپنے ماتھے پہ بکھرے بالوں کو کان کے پیچھے اڑستے اس نے بتایا، اس آدھے ادھورے بیان پہ حیدر کیا بولتا جبھی خاموش رہا اور اب کی بار شاید لڑکی بھی بھانپ گئی تھی۔

"اوہو، ایم سوری میں نے اپنا تعارف تو کروایا ہی نہیں، میرا نام اجیہ ہے اور میں مقامی اخبار میں ہفتہ وار میگزین کے ادبی ایڈیشن کی انچارج ہوں اس دن اپنی ساتھی کولیگ کے نہ آنے پر زبردستی آپ کی کمپنی حاصل کرنا پڑی۔"

"اچھا اچھا تو آپ صحافی ہیں، اچھی بات ہے وہی بات شکریہ ادا کرنے کی تو آج آپ میرے ساتھ ایک کپ چائے پی کر حساب برابر کر دیں۔" حیدر کی بات پہ اس نے ایک پل کو اپنی گھڑی پہ نظر دوڑائی اور پھر حیدر کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اگر یہ بات ہے تو چلیں پھر آپ کا ادھار چکا ہی دوں۔" گاڑی کا دروازہ کھول کر اس نے ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگز اندر رکھے اور دروازہ لاک کرتی حیدر کی طرف مڑی۔

"حیدر......!" حسن آوازیں دیتا اس کے قریب پہنچا۔

"کہاں بھاگتے پھر رہے ہو تم، ایسی کیا افتادہ آن پڑی تھی کہ بل پے کرنے کا بھی وقت نہیں تھا؟" حسن نے جھنجھلاتے ہوئے مزید کچھ کہنا چاہا تھا کہ حیدر کے ساتھ کھڑی لڑکی دیکھ کر چپ ہو رہا۔

"حسن یہ اجیہ ہیں، اس دن مشاعرے میں جن سے ملاقات ہوئی تھی، تمہیں بتایا تھا ناں اور اجیہ یہ حسن ہے میرا دوست۔" حیدر اس سرپھری لڑکی کے متعلق حسن کو بتا چکا تھا جبھی اس کا سن کر حیدر نے بغور اسے دیکھا اور خیر مقدمی مسکراہٹ ہونٹوں پہ سجا سلام کیا۔

"السلام علیکم! کیسی ہیں آپ؟"

"وعلیکم السلام! حیدر اس دن آپ کی وجہ سے ہی وہاں تھے ناں، آپ نے ہی تو میزبانی کی تھی مشاعرے کی بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" سر ہلا کر سلام کا جواب دیتے وہ اپنے مخصوص لاابالی انداز میں شروع ہو چکی تھی۔

"بہت شکریہ۔" حسن نے ذرا سر سرخم کرتے کہا۔

"حسن ہم لوگ کیفے ٹیریا چل رہے ہیں تم چلو گے؟" ان کی گفتگو کے درمیان وقفے کے دوران حیدر نے جلدی سے اپنی بات کی مبادا ٹائم باتوں میں ہی ختم ہو جائے اور اجیہ بی بی یہ جا وہ جا۔

"نہیں مجھے کچھ کام ہے میں چلتا ہوں پھر کبھی سہی او کے مس اجیہ آپ سے مل کر خوشی ہوئی انشاء اللہ پھر ملاقات ہو گی اللہ حافظ۔" شاپنگ بیگ حیدر کو پکڑاتے حسن اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا اور وہ دونوں کیفے ٹیریا چل پڑے۔

☆☆☆

"کہاں ہوتے ہیں آج کل؟ غائب ہی ہو گئے گویا آپ تو۔" رحمان پلازہ سے نکلتے ہوئے حیدر کی مڈبھیڑ اجیہ سے ہو گئی تو اجیہ نے اسے دھر لیا۔

"ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں دراصل میں پچھلے پندرہ دن سے گاؤں گیا ہوا تھا اماں کی طبیعت خراب تھی اس لئے۔" حیدر نے اپنی غیر حاضری کی وجہ بتائی۔

"اوہ...... اب کیسی طبیعت ہے ان کی؟" اجیہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

"اب تو بہت بہتر ہے اور میں اب انہیں مستقل شہر ہی لے آیا ہوں وہ تو آنے کو تیار نہیں تھیں لیکن بلا آخر منا ہی لیا میں نے انہیں۔" حیدر نے تفصیلاً اسے آگاہ کیا تھا۔

"بہت اچھا کیا، فارغ ہیں تو آ جائیں ایک کپ کافی ہو جائے۔"

"ہاں ضرور۔" اجیہ کی آخر قبول کرتے حیدر اس کے ہم قدم ہو لیا۔

"اپنی اماں کو لایئے گا ناں ہماری طرف بلکہ میں خود بھی آؤں گی ان کی عیادت کے لئے۔" کافی کا گھونٹ بھرتے اجیہ نے کہا تو حیدر دھیرے سے مسکرا دیا۔

"ضرور ضرور، اماں بھی آپ سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔"

"آپ کی اماں جانتی ہیں مجھے؟" حیدر کے لہجے سے نتیجہ اخذ کرتے اجیہ نے سوال کیا۔

"ہوں جانتی ہیں، اب تو ہر وقت ایک ہی تکرار کرتی ہیں کہ شادی کر لو میں ٹھیک ہو جاؤں گی۔" حیدر کے بتانے پہ اجیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ہاں تو صحیح کہتی ہیں ناں، خود میری اماں بھی یہی تقاضا کرتی ہیں اب سوچ رہی ہوں کہ سنجیدگی سے اس مسئلے کو حل کرا ہی لوں یہی تو عمر ہے گھر بسانے کی۔" اجیہ کے کہنے پہ حیدر نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"شکر خدا کا آپ راضی ہیں ورنہ میں تو سوچ رہا تھا کہ شاید آپ نہ مانیں۔" اجیہ کے اقرار پہ حیدر نے گہری سانس بھرتے جواب دیا۔

"ارے نہیں میں تو کب سے راضی تھی بس وہ کچھ ایسے مسائل تھے کہ حل ہونے میں نہیں آ رہے تھے لیکن خیر اب ایسا کوئی مسئلہ نہیں رہا او کے پھر میں چلتی ہوں آپ اپنی اماں کو ضرور ہمارے گھر لایئے گا مجھے انتظار رہے گا۔" پرس کندھے پر لٹکاتے اجیہ نے ایک بار پھر سے اصرار کیا اور حیدر کے سر ہلانے پہ عجلت سے ہاتھ ہلاتی باہر نکل گئی اس کے پیچھے حیدر بھی بل ادا کرتا باہر نکل آیا۔

☆☆☆

فارمیسی سے اماں کی دوائیاں لے کر حیدر باہر نکلا تو اچانک اجیہ سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئی۔

"ارے حیدر بہت اچھا ہوا آپ سے ملاقات ہوگئی میں کب سے آپ کے گھر آنے کا سوچ رہی تھی آپ کی اماں کی عیادت کو بھی نہیں آ سکی، اب کیسی ہیں وہ؟" مسلسل بولتے بولتے اجیہ نے پرس میں سے ایک کارڈ نکال کر حیدر کی طرف بڑھایا، حیدر نے تعجب سے کارڈ تھاما۔

"اب تو ماشاءاللہ ٹھیک ہیں اور یہ کارڈ؟" اماں کی طبیعت کا بتاتے اس نے کارڈ کے متعلق استفسار کیا۔

"یہ میری رخصتی کا کارڈ ہے اور آپ نے ضرور آنا ہے۔" اجیہ نے بصد اصرار کیا۔

"آپ کی شادی کا کارڈ؟" ایک پل کو حیدر کے ہاتھ میں پکڑا کارڈ کپکپا گیا۔

"جی میری شادی کا کارڈ میں نے آپ کو کہا تھا ناں کہ کچھ مسائل ہیں جن کو اب حل کر رہی ہوں تو بہتر ہے، دراصل میرے نکاح کو چار سال ہو گئے ہیں فواد میرا کزن تھا اور اب شوہر بھی وہ پچھلے تین سال سے امریکہ میں مقیم تھا اور مجھے بھی ساتھ لے جانا چاہتا تھا لیکن میں اپنی نوکری کے سبب جانے کو تیار نہ تھی لیکن اب وہاں کے ایک اردو اخبار میں میرا تین سال کا معاہدہ فواد کی کوششوں سے طے پا گیا ہے اس لئے اب سوچا کہ رخصتی کروا کر شوہر کو بھی راضی کرلوں اور نوکری بھی قائم و دائم، کیوں ٹھیک کیا ناں۔" بات کے اختتام پہ حیدر کی صلاح لی گئی تھی جبکہ حیدر کچھ کہنے کی پوزیشن میں کب تھا اور کچھ اجیہ کو بھی جواب کی حاجت نہ تھی جبھی پھر سے بول پڑی۔

"اچھا آپ نے ضرور آنا اور اپنی اماں کو بھی لے کر آیئے گا انہیں کہیے گا کہ میری شادی میں ایک بہو تو ضرور مل ہی جائے گی انہیں آخر کو آدھا شہر میرا دوست ہے، اوکے پھر اللہ حافظ ابھی اور لوگوں کو بھی کارڈ تقسیم کرنے ہیں۔" دھیرے سے ہاتھ ہلاتی وہ آگے کی طرف بڑھ گئی جبکہ حیدر اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا تھا۔

ہم گرفتار رنگ
ہم اسیر صبا
تتلیوں کی طرح
ہم بھی زنجیر خوشبو سے باندھ گئے
ہم کہ قیدی ہوئے
ان کہی بات کے

حیدر نے بے تاثر انداز میں اجیہ کی پشت پر نظریں گاڑ دیں، غلطی کہاں ہوئی تھی حیدر کو اجیہ کو سمجھنے میں؟ یا اجیہ کے آزادانہ رویے اور میل ملاقات نے حیدر کو اس غلط فہمی میں مبتلا کیا کہ وہ راہ محبت میں اکیلا نہیں بلکہ اجیہ بھی اس کے ہم قدم ہے، بنیاد جو بھی تھی لیکن یہ حقیقت تھی کہ اجیہ نے کبھی اپنے منہ سے اظہار پسندیدگی نہیں کیا تھا اور نہ ہی کبھی حیدر اس سے اپنی محبت کا اظہار کر پایا، اس میں محض اجیہ کو دوش دینا بھی درست نہ تھا، لیکن وہ اپنے اس دل کا کیا کرتا جو ان کہی محبت میں گرفتار خوابوں تتلیوں کے سنگ خوشبوؤں کے دیس میں اڑتا اڑتا دور بہت دور نکل گیا تھا جہاں صرف وصل کی خواہش مچل رہی تھی لیکن اگر محض خواہش کرنے سے مراد ملنا مقدر ہوتا ہزاروں حیدر یوں آبلہ پا تپتی دھوپ میں نامراد نہ ٹھہرتے، واپسی کا سفر بہت کٹھن تھا اندھیر نگری میں جہاں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دے رہا تھا وہاں سے پلٹ آنا شاید ناممکن تھا لیکن زندگی کی آخری سانس تک حیدر کو ہر ممکن کوشش تو بہر حال کرنا ہی تھی۔

☆☆☆

تحریم محمود

فرمان الٰہی

O "اگر ہم تم پر کاغذوں پر لکھی کتاب نازل کرتے اور یہ اسے اپنے ہاتھوں سے بھی ٹٹول لیتے تو جو کافر ہیں، وہ یہی کہہ دیتے کہ یہ جادو ہے۔" (سورہ انعام)

O "وہی تو ہے، جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر (مرنے کا) ایک وقت مقرر کر دیا اور ایک مدت اس کے ہاں مقرر ہے پھر بھی تم اے کافرو (خدا کے بارے میں) شک کرتے ہو۔" (سورہ انعام)

O "اے محمدؐ! تم سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں، سو جو لوگ ان میں سے تمسخر کرتے تھے ان کو تمسخر کی سزا نے آ گھیرا۔" (سورہ انعام)

O "اور دنیا کی زندگی تو کھیل ہے اور تماشا ہے اور سب سے اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے، یعنی ان کے لئے جو (خدا سے) ڈرتے ہیں، کیا تم سمجھتے نہیں۔" (سورہ انعام)

O اور کاش تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے کافروں کی جانیں نکالتے ہیں، ان کے کندھوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور ہتھوڑے) مارتے ہیں، (اور کہتے ہیں کہ اب عذاب آتش کا مزا چکھو۔

سعدیہ جبار، ملتان

کلمہ طیبہ کی برکتیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"جنت میں ایک درخت ہے، اس درخت کی اونچائی پر ایک چڑیا ہے، جس کا نام "الصلواۃ" ہے، اس درخت کے نیچے ایک چشمہ ہے جس کا نام طیبہ ہے، جب کوئی شخص پہلا کلمہ پڑھتا ہے تو وہ چڑیا پر پھڑ پھڑانے لگتی ہے، اس کے ہزار پر ہیں اور ہر پر میں ہزار سر ہیں، ہر سر میں ہزار چہرے ہیں ہر چہرے میں ہزار منہ اور ہر منہ میں ہزار زبانیں ہیں، ہر زبان سے وہ ہزار قسم کی بولیوں میں اللہ پاک کی تسبیح بیان کرتی ہے اور اس کے دو بازو ہیں، ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں، ہر ایک بازو یاقوت و موتی سے جڑا ہوا ہے اور اس کا سر موتی کا ہے پھر وہ چڑیا اس درخت سے اڑتی ہے اور اس چشمے میں غوطہ لگاتی ہے، پھر نکل کر اس درخت پر جا بیٹھتی ہے اور بازوؤں کو پھڑ پھڑاتی ہے جس سے کثرت کے ساتھ قطرے ٹپکتے ہیں، پس اللہ پاک ہر قطرے سے ایک ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے اور وہ تمام فرشتے قیامت تک اللہ کی تقدیس و تسبیح میں مصروف رہتے ہیں۔"

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

چھوٹی سی بات

☆ دیوار میں چنی ہوئی ہر اینٹ دیوار ہے اگر صرف ایک اینٹ نکل جائے تو دیوار دیوار نہیں کہلائے گی کھنڈر کہلائے گی۔

☆ جل کر کباب ہو جانے سے بہتر ہے کہ انسان کھل کر گلاب ہو جائے۔

☆ مچھلی کا مزہ ہی کانٹوں سے ہے کانٹے نہ ہوتے تو مچھلی اور شکر قندی میں کیا فرق

ہوتا۔

☆ رشتے خلوص کے ہوں یا محبت کے بالآخر ٹوٹ جاتے ہیں، خواہ کتنے مضبوط ہوں ہمیشہ ذرا سے شک یا معمولی بدگمانی انہیں نفرت میں بدل دیتی ہے پھر اعتماد فخر اور مان کیسا؟

فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

انمول موتی

حضور اکرمؐ کی بات پر کسی اور کو فوقیت دینا ایسے ہی ہے جیسے شرک کرنا۔

O بہترین کلام وہ ہے جس میں الفاظ کم اور معنی زیادہ ہوں۔

O بچہ بیمار ہو تو ماں کو دعا مانگنے کا سلیقہ خود بخود آ جاتا ہے۔

O جہاں عورت نہ ہو وہاں نیکی کے فرشتے نہیں آتے۔ (حضرت موسیٰ)

O ہر آنکھ دیکھتی ضرور ہے مگر محسوس کرنے والی آنکھیں بہت کم ہوتی ہیں۔

O محبت جب وفا میں ڈھلتی ہے تو امر ہو جاتی ہے۔

O دکھوں کو دل میں چھپا کر مسکرانا کمال درجے کی ہمت ہے۔

نازیہ کمال، حیدر آباد

اقوال زریں

O بدصورت چہرہ بدصورت دماغ سے بہت بہتر ہے۔

O جھوٹ بولنے کا اثر گہرا زخم کا سا ہے جس کے بھر جانے کے بعد بھی نشان باقی رہتا ہے۔

O خلوص سب سے بڑا ہتھیار ہے جس سے کئی کام لئے جا سکتے ہیں۔

O ایسی باتیں نہیں کہو جس سے کسی کا دل زخمی ہو جائے۔

O کسی سے ملو تو اس طرح ملو کہ وہ آئندہ بھی ملنے کی تمنا کرے۔

مریم رباب، خانیوال

☆ آپ کی ذاتی کائنات میں آپ نے جتنا حصہ اللہ تعالیٰ کا رکھا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی کائنات میں آپ کا حصہ ہے۔

☆ تعلق، جذبے، محبت سب اتنی ہی شدت سے جواب چاہتے ہیں جتنی شدت سے وہ کسی کے لئے پیدا ہوتے ہیں، اگر انہیں ان کی طلب کے مطابق جواب نہ دیا جائے تو سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔

☆ نقصان وہ نہیں جو آپ کو ذاتی دکھ سے ہمکنار کرے نقصان وہ ہے جو آپ کو کسی کی نظر میں گرا دے۔

☆ پتا نہیں کیوں انسان اپنا غم سہ لیتا ہے خود پر گزری برداشت کر لیتا ہے مگر جب کسی عزیز ہستی کو اس دکھ کی بھٹی میں جلتا پاتا ہے تو ضبط نہیں کر سکتا۔

☆ بعض لوگوں کی زندگی میں اگر غم بڑھ جائیں تو قہقہوں میں شدت آ جاتی ہے، کبھی شعوری طور پر اور کبھی لاشعوری طور پر۔

☆ ڈھونڈنے میں ملنے کی شرط نہیں ہوتی بلکہ امید ہوتی ہے اور امید سے جھگڑا نہیں کرتے۔

☆ بے وفائی کو مجبوری کا نام دے کر دنیا والوں کو بے وقوف بنایا جا سکتا ہے مگر ضمیر کو نہیں۔

ام خدیجہ، شاہدرہ لاہور

سماج

یہ جہاں جن رشتوں کو آنکھوں کا سکون کہتا ہے ان رشتوں کو ہم نے آنکھوں کی دھرتی پر انگاروں کی طرح سلگتے دیکھا ہے ہم نے یہاں چاہت کو دولت کی دیواروں تلے مرتے دیکھا ہے، خلوص بکتا ہے اس سماج میں یہاں ہم سب کا احساس اندھا ہے ضمیر گونگا ہے ہم اس سماج کو بدل نہیں سکتے کیوں اس سماج نے ہمیں اپنا چلتا پھرتا پرزہ بنا لیا ہے۔

فرح عامر، جہلم

فلاح آخرت کی کنجی

علم ایک نعمت ہے اور عمل کے ذریعے روشنی پیدا کی جا سکتی ہے، اگر آپ کے صالح اعمال کی روشنی دوسروں تک پہنچ جائے تو معاشرہ سنور سکتا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "اے علی! اگر تیرے کردار و عمل کے ذریعے دو افراد خیر کے راستے پر چلیں تو تیری نجات کی ضمانت فراہم کی جا سکتی ہے۔"

اللہ رب العزت کے نزدیک فلاح کے راستے پر چلنے والے لوگ وہ ہیں جو نیکی کرتے ہیں اور برائی سے بچتے ہیں اور پھر لوگوں کو نیکی کی بات کرتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔

فائزہ قاسم، سکھر

نکاح

حضرت ابو طلحہؓ نے اسلام لانے سے پہلے ام سلیمؓ کو نکاح کا پیغام دیا، ام سلیمؓ نے کہلوا دیا۔

"میں مسلمان ہو چکی ہوں اور تم کافر، میرا تمہارا نکاح ممکن نہیں، ہاں اگر تم اسلام لے آؤ تو ٹھیک ہے۔"

حضرت ابو طلحہؓ اسلام لے آئے، جب مہر مقرر ہونے لگا تو ام سلیمؓ نے فرمایا۔

"ابو طلحہؓ کا قبول اسلام ہی میرا مہر ہے۔"

آنحضرتؐ نے فرمایا۔

"آج تک کوئی عورت ام سلیمؓ سے بہتر مہر مقرر نہیں کرا سکی۔"

نعیم امین، کراچی

اللہ کی راہ میں

ایک قوی اور توانا شخص جس کا ڈیل ڈول بڑا خوبصورت تھا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے پاس سے گزرا، صحابہ کرامؓ نے اس کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

"اگر یہ شخص اپنی طاقت کو اللہ کی راہ میں کام میں لائے تو کیا ہی اچھا ہو۔"

یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اگر یہ شخص اپنے والدین کو زندگی کی ضروریات فراہم کرنے کے لئے محنت کرتا ہے تو اس کی یہ محنت اللہ کی راہ میں ہے، اگر وہ اپنی بیٹیوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے کوشش کرتا ہے تو اس کی یہ کوشش بھی اللہ کی راہ میں ہے اور اگر یہ اپنی روزی حاصل کرنے کے لئے خود کام کرے اور دوسروں کا محتاج نہ ہو تو یہ بھی اللہ کی راہ میں ہے۔"

ہما رائے، کراچی

یاد رکھنے کی باتیں

☆ جب بڑھاپا آ جائے، تنہائی مقدر بن جائے امید کی شمع مدھم ہو جائے، مسکرانے کی عادت چھوٹ جائے، طاقت باقی نہ رہے اور زندگی غموں، دکھوں اور محرومیوں کا میلہ بن جائے تو دنیا کہتی ہے "جا" اور قبر کہتی ہے "آ"۔ (گیٹر مین)

☆ تشکر وہ فرض ہے جس کا ادا کرنا ہم سب کے لئے ضروری ہے لیکن ہمیں دوسروں سے اس کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ (روسو)

☆ لوگ اور کوئی چیز اتنی فیاضی سے نہیں دیتے جتنا مشورہ، مشورے تو سب لیتے ہیں لیکن عقلمند ہی سے فائدہ اٹھا پاتے ہیں۔ (فو کالٹ)

☆☆☆

تسنیم طاہر

ثناحیدر ---- سرگودھا

عمل کی آج جزائیں تو مانگ بیٹھی ہوں
میں عمر چند کی سزائیں مانگ بیٹھی ہوں
میرے خدا میرے کچے مکان کو بچا لینا
میں بارشوں کی دعائیں تو مانگ بیٹھی ہوں

....

پھول بکھرے ہیں راہوں میں انہیں چن کر رکھ لو
آنسو گرے جتنے اس زمیں پہ چن کر رکھ لو
وہ جو پھولوں کی بہاروں میں دل نے کیں باتیں
انہیں دل سے سن کر دل میں رکھ لو

....

پوچھے جو کوئی حیا کے معانی
چپکے سے میں آنکھ لکھ دوں
دل شکستہ نہ ہونے پائے اے چاند
ہر شام تمہیں دیکھا کرتی ہوں

درثمن ---- میاں چنوں

لکھی ہو جن پہ وقت کی تحریر دوستو
فرصت ہے تو ایسے بھی چہرے پڑھا کرو
زندہ حقیقتوں سے شناسائی سیکھ لو
آنکھوں کو بند کر نہ سپنے پڑھا کرو

....

جب چلی ٹھنڈی ہوا بچہ ٹھٹھر کر رہ گیا
ماں نے اپنے لعل کی تختی جلا دی رات کو

....

ہاتھوں کی لکیروں پہ نہ جا اے غالب
نصیب ان کے بھی ہوتے ہیں جن کے ہاتھ نہیں ہوتے

آسیہ وحید ---- لاہور

ابھرتے ڈوبتے سورج سے توڑ لوں رشتہ
میں شام اوڑھ کے سو جاؤں اور سحر نہ کروں
یہ میرے درد کی دولت میری متاع فراق
ان آنسوؤں کی وضاحت میں عمر بھر نہ کروں

....

کسی سے ہاتھ کسی سے نظر ملاتے ہوئے
میں بجھ رہی ہوں روا داریاں نبھاتے ہوئے
کسی کو میرے دکھوں کی خبر بھی کیسے ہو
کہ میں سب سے ملتی ہوں مسکراتے ہوئے

....

بچھڑنا ہے تو مت الفاظ ڈھونڈ
ہمارے واسطے لہجہ ہی بہت ہے

جویریہ ناصر ---- گلبرگ لاہور

اشعار میرے زمانے کے لیے
کچھ شعر فقط ان کو سنانے کے لیے
یہ علم سودے یہ رسالے کتابیں
فقط ایک شخص کو بھلانے کے لیے

....

وفا کو مات بھی ہو گی خیال میں بھی نہ تھا
کچھ ایسی بات بھی ہو گی خیال میں بھی نہ تھا
کہ جس کے بعد ترس جائے گی نظر ان کو
کچھ ایسی رات بھی ہو گی خیال میں بھی نہ تھا

....

اور کچھ نہیں ہوتا تو بھری بارش میں
تجھ سے بچھڑے ہوئے رستوں پہ سفر کرتا ہوں

ام ایمن ---- گوجرانوالہ

اک حرف تسلی کا اک لفظ محبت کا
خود اپنے لیے اس نے لکھا تو بہت رویا
پہلے بھی شکستوں پر کھائی تھی شکست اس نے
لیکن وہ تیرے ہاتھوں ہارا تو بہت رویا

....

اس کو نہ دیکھا نہ اس سے بات ہوئی
ربط جتنا تھا غائبانہ تھا

....

کتنی منتوں مرادوں سے اسے پایا تھا
آج کھو کر جسے ہم شکر بجا لائے ہیں
پھر کئی سجدے پھوٹیں گے اس پیشانی سے
زرد موسم جو ہری یادیں اٹھا لایا ہے

عابدہ سعید ---- گجرات

ہم نے تو کڑی دھوپ میں جاری رکھا سفر
دیکھی ذرا جو چھاؤں وہ رستہ بدل گئے

....

اک ذرا ہاتھ بڑھا میری طرف
خود کو تو میرا ہمسفر کر دے
تم میری زندگی کا حاصل ہو
اتنا کہہ اور معتبر کر دے

....

پھر اچانک بچایا ہے کسی نادیدہ ہستی نے
مگر کیسے ہوا یہ معجزہ معلوم کرنا ہے
تجھے کچھ یاد ہے کل کب تجھے میں یاد آیا تھا
مجھے اے ماں تیرا وقت دعا معلوم کرنا ہے

رمشہ ظفر ---- بہاولپور

ہم بے پر کے پرندے وقت و حالات میں قید
نہ زمیں پر ہی گزارہ نہ اڑانوں میں رہیں

....

دشمنی تو خیر ہر صورت میں ہوتی ہے گناہ
اک معین حد سے آگے دوستی کا جرم ہے

ہم وفائیں کر کے رکھتے ہیں وفاؤں کی امید
دوستی میں اس قدر سوداگری بھی جرم ہے

....

الجھ کے رہ گئے پاؤں میں فاصلے کتنے
ابھی تو سامنے بکھرے ہیں راستے کتنے
نہ دیکھ قہر سے اقبال نہ ستاروں کو
اندھیر شب کو یہ دیتے ہیں آسرے کتنے

عاصمہ سرور ---- وہاڑی

اپنی سانسیں میری سانسوں میں ملا کے رونا
جب بھی رونا مجھے سینے سے لگا کے رونا
ہم نے اس طرح بھی کاٹی ہیں بہت سی راتیں
دل کے خوش رکھنے کو افسانے سنا کے رونا

....

ایسے اجڑے دل کے نگر تیرے بعد
ہم نے چاہا بھی مگر ہم سے بسائے نہ گئے

....

دیکھ لینا میری تنہائی پر ہنسنے والے
شہر کی بھیڑ میں تو بھی تنہا ہو گا

رابعہ ارشد ---- فیصل آباد

ابھی تو ضد ہے اسے راستوں بدلنے کی
وہ روئے گا بھی بہت میری چاہتوں کے لیے

....

عکس سارے آئینوں میں بٹ گئے
خواب میرے کرچیوں میں بٹ گئے
زر کے پیچھے بھاگنے سے کیا ہوا
چین کھویا آفتوں میں بٹ گئے

....

احساس کے انداز بدل جاتے ہیں ورنہ
آنچل بھی اسی تار سے بنتا ہے کفن بھی

مسرت مصباح ---- لاڑکانہ

وفا سیکھنی ہو تو پھولوں سے سیکھو
جو کانٹوں سے جدا ہوتے ہی مرجھا جاتے ہیں

جان سے مار دے مجھے لیکن
چھوڑ جانے کا مجھ پہ ظلم نہ کر وصی

....

تیرے بعد بچا ہی کیا ہے جیون میں
میں ہوں بھیگی شام ہے اور تنہائی ہے
سعید جبار ---- ملتان

روٹھ جاتے ہو تو وہ کچھ اور حسین لگتے ہیں
ہم نے یہ سوچ کے ہی تم کو خفا رکھا ہے

....

کچھ جذبات میں تلاطم سا ہے
کچھ احساسات میں احساس ہوتے ہیں
کچھ لوگوں نے برسائے پتھر اتنے
محسوس خود بھی سنگ زار ہوئے ہیں

....

آنسو میرے تھم جائیں تو پھر شوق سے جانا
ایسے میں کہاں جاؤ گے برسات بہت ہے
آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان

مزہ برسات کا چاہو تو میری آنکھوں میں آ بیٹھو
وہ برسوں میں کبھی برسے یہ برسوں سے برستی ہیں

....

کبھی کبھی تو چھلک پڑتی ہیں یونہی آنکھیں
اداس ہونے کا کوئی سبب نہیں ہوتا

....

تمہارے غم سے گھبرا کر میں اب لوگوں سے کہتا ہوں
کہ میں نے ترک کر دی ہے محبت ایک مدت سے
کسی دن آ کے مل جاؤ کہ اپنالی ہے آنکھوں نے
تمہاری یاد میں رونے کی عادت ایک مدت سے
فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

بندہ پرور خیرات نہیں
ہم وفاؤں کا صلہ مانگتے ہیں
اس دنیا میں اپنا نہیں کوئی ساگر
ساری دنیا کا بھلا مانگتے ہیں

....

میری مفلسی نہ دیکھو میری حسرتوں کو دیکھو
جو تڑپ تڑپ کے تیری راہ دیکھتی ہیں
میں خلوص کا ہوں دریا ہر موج میں وفا
مجھے چھو کے یہ فضائیں تیری راہ دیکھتی ہوں

....

یہ عنایتیں غضب کی یہ بلا کی مہربانی
میری خیریت بھی پوچھی تو کسی اور کے بہانے
میری بے گناہ آنکھوں سے گرے چند قطرے
جو سمجھ سکے تو آنسو نہ سمجھ سکے تو پانی
نازیہ کمال ---- حیدرآباد

ہم سے محبتوں کی نمائش نہ ہو سکی
ہاں اتنا جانتے ہیں تمہیں چاہتے ہیں ہم

....

دوستی وفا اور ایثار کا نام ہے
دوستی محبت بھرا ایک جام ہے
جو بھی پی گیا خلوص دل سے اسے
اس کا جنت میں اعلیٰ مقام ہے

....

اے دوست کبھی نہ بھول سکی میں میلہ تیری بستی کا
میں تجھ سے دور رہوں کیسے تو حصہ میری ہستی کا
مریم رباب ---- خانیوال

ہمیں حصار گماں سے کیسے نکال پاؤ گے ہم تو جاناں
دیار طلب میں چاہت غزال بن کر رما کریں گے

....

اب تو یہ اشک میں ہونٹوں سے چرا لیتا ہوں
ہاتھ سے خود انہیں پونچھو گے تو یاد آؤں گا
اس میں شامل ہے مرے بخت کی تاریکی بھی
تم سیاہ رنگ جو پہنو گے تو یاد آؤں گا

☆☆☆

بلقیس بھٹی

نیند

ایک صاحب کو نیند میں چلنے کی بیماری تھی ایک رات وہ نیند میں بستر سے اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھے تو ان کی بیوی بولی۔

"ڈارلنگ! میں تمہیں بتانا بھول گئی...... ملازمہ آج شام ملازمت چھوڑ کر چلی گئی ہے۔"

نبیہ آصف، قصور

پولیس

جب گیدڑ نے چوہوں کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو ایک چوہے کو روک کر پوچھا۔

"تم بھاگ کیوں رہے ہو؟"

چوہے نے جواب دیا۔

"جنگل میں بلی مر گئی ہے اور پولیس نے الزام لگایا ہے کہ ہم نے اسے مارا ہے۔"

ثمینہ رفیق، کورنگی کراچی۔

رفتار

پارٹی میں جانے کے لئے بہت کم وقت رہ گیا تھا مگر ماریہ کی سہیلی ابھی تک نہیں پہنچی تھی، خدا خدا کر کے ماریہ کی سہیلی آئی تو ماریہ نے ناراضگی سے پوچھا۔

"روبینہ تم نے بہت دیر کر دی کیا وجہ تھی؟"

"وہ بات دراصل یہ ہوئی کہ ایک لڑکا میرا پیچھا کر رہا تھا میں کیا کرتی اس کی رفتار ہی کم تھی۔" روبینہ نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

ثنا حیدر، سرگودھا

انگوٹھی کی گرمی

منگنی کے چند روز بعد اس نے اپنی چند سہیلیوں کی دعوت کی مگر دعوت کے دوران اتفاق سے کسی نے بھی اس کی منگنی کی انگوٹھی کی طرف توجہ نہ دی وہ کچھ دیر سوچتی رہی اور پھر زور سے بولی۔

"اُفوہ آج کتنی گرمی ہے میرا خیال ہے انگوٹھی اتار کر رکھ دوں۔"

ہری مرچیں

☆ خوبصورت لڑکی اپنے ہمسائے سے نہیں ڈرتی مگر اپنے سائے سے ڈرتی ہے۔

☆ جس سے محبت کرو اس سے شادی نہ کرو وہ تمہاری کمزوری سے بخوبی واقف ہے۔

☆ شادی کا پہلا مہینہ فخر، دوسرا صبر، اور تیسرا مہینہ جبر کا ہوتا ہے۔

☆ دعائیں مانگو مگر کبھی محبت میں کامیابی کی دعا نہ کرو ورنہ محبت سے نفرت ہو جائے گی۔

رباب حیدر، میاں چنوں

زیست ان دنوں

میں جب بھی گھر سے نکلتا ہوں
تمہارے سنگ بیتا ہوا ہر راستہ
تمہارا پوچھتا ہے
سرد ہوا کے جھونکے
بال اڑا دیتے ہیں
اور سنوارنے والی انگلیاں کھوجتے ہیں
پیڑوں پر بیٹھے طائر بھی
بس تم کو پوچھتے ہیں
اور ہم کو تو جیسے کوئی جانتا نہیں
پہچانتا نہیں

تمہارے بن ہمارا دل بھی ہمیں اب تو مانتا نہیں

آسیہ وحید، لاہور

ضد

جیل میں ایک مجرم نے دوسرے مجرم سے پوچھا۔

"تمہیں کس جرم کی سزا ملی ہے؟"

"حکومت سے میری ضد چل رہی تھی۔"

"کیا مطلب، کیا تم لیڈر ہو؟" پہلے قیدی نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں حکومت کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ میں بھی اس کی طرح کرنسی نوٹ چھاپوں۔"

جویریہ ناصر، گلبرگ لاہور

انکساری

ڈاکٹر:۔"اس وقت یہ اندازہ لگانا کہ تمہیں کون سی بیماری ہے ذرا مشکل ہے میرے خیال میں یہ نشے کی وجہ سے ہے۔"

مریض:۔"بہت اچھا جناب میں اب اس وقت آؤں گا جب آپ نشے میں نہیں ہوں گے۔"

اُم ایمن، گوجرانوالہ

بے روزگاری کا حل

"بے روزگاری کا حل میرے پاس ہے۔" ایک شخص نے کہنا شروع کیا۔

"تمام مردوں کو ایک جزیرے میں اور تمام عورتوں کو دوسرے جزیرے میں بھیج دیں، آپ دیکھیں گے کہ تمام مرد اور عورتیں کام میں لگ جائیں گے۔"

"وہ کیا کام کریں گے؟" کسی نے پوچھا۔

"سب کشتیاں بنانا شروع کر دیں گے۔" جواب ملا۔

عابدہ سعید، گجرات

ایک پنتھ دو کاج

ایک آرٹسٹ کسی خوبصورت کاٹیج کی پینٹنگ بنا رہا تھا۔

"تم میرے کاٹیج کی تصویر بنانے کے بعد کیا کرو گے؟" کاٹیج کے مالک نے پوچھا۔

"اس کو ایک نمائش میں بھیجوں گا۔" آرٹسٹ نے جواب دیا۔

"وہاں تو اسے بہت سارے لوگ دیکھیں گے۔"

آرٹسٹ بولا۔

"یہ بات تو سچ ہے۔"

مالک مکان۔

"تو پھر کیا کرو کہ تصویر میں ایک جملہ بھی لکھ دو، یہ مکان کرائے کے لئے خالی ہے۔"

رمشہ ظفر، بہاول پور

درندہ

ایک جنگل سے گزرتے ہوئے شوہر پر ایک ریچھ نے حملہ کر دیا، مگر اس کی بیوی ہاتھ میں بندوق ہونے کے باوجود اسے دیکھتی رہی، ایک آدمی نے اس سے پوچھا۔

"آپ اس درندے کو گولی مار کر ہلاک کیوں نہیں کر دیتیں؟"

عورت نے جواب دیا۔

"ضرور ہلاک کروں گی لیکن پہلے میں یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ میرے بدلے ریچھ ہی یہ کام کر گزرتا ہے یا نہیں۔"

عاصمہ سرور، وہاڑی

قوموں کے فنون

O مصریوں کے فن میں پراسراریت ہے۔
O یونانیوں کے فن میں تناسب وترتیب ہے۔
O چینیوں کا فن آداب معاشرت ہے۔
O ہندوؤں کا فن نیکی اور بدی کو تولنا ہے۔
O یہودیوں کا فن تقدیر شناس ہے۔

O ایرانیوں کا فن نازک مزاجی ہے۔
O فرانسیسیوں کا فن نزاکت ونفاست ہے۔
O ہسپانیہ کے باشندوں کا فن خوبصورت ہے۔
O جرمنوں کا فن خواہش ہے۔

رابعہ ارشد، فیصل آباد

پچھتاوا

بچپن میں شیخ سعدی شیرازیؒ اپنے والد کی انگلی پکڑے ہوئے کسی میلے میں جا رہے تھے، راستے میں کسی جگہ بندر، بندریا کا کھیل دیکھنے میں ایسے لگے کہ والد کی انگلی چھوٹ گئی، والد تو اپنے دوستوں کے ساتھ آگے نکل گئے اور سعدی تماشا دیکھتے رہے، کھیل ختم ہوا تو والد کو سامنے نہ پا کر بے اختیار رونے لگے، آخر خدا خدا کر کے والد بھی انہیں ڈھونڈتے ہوئے آ نکلے، سعدی کو روتا دیکھ کر ان کے سر پر ہلکا سا چپت مارا اور کہا۔

"نادان بچے! وہ بے وقوف جو بزرگوں کا دامن چھوڑ دیتے ہیں اسی طرح روتے ہیں۔"

سعدی کہتے ہیں کہ میں نے سوچا تو دنیا کو ایسا ہی پایا، ایک میلے کی طرح...... آدمی اس میلے میں مجھ جیسے نادان بچوں کی طرح ان بزرگوں کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے، جو اچھے اخلاق سکھاتے اور دین کی باتیں بتاتے ہیں، تب اچانک اسے دھیان آتا ہے کہ زندگی غفلت میں گزر گئی، پھر روتا ہے اور پچھتاتا ہے۔

مسرت مصباح، لاڑکانہ

اللہ کا فضل

ایک سخی عورت ام جعفر جس راستے سے گزرتی تھی، اس پر بیٹھے ہوئے دو اندھے فقیر صدا لگایا کرتے تھے، ایک کی صدا تھی "الٰہی مجھے اپنے فضل وکرم سے روزی عنایت کر۔"

دوسرا کہتا "الٰہی ام جعفر کا بچا ہوا مجھے بھی ملے۔"

ام جعفر اللہ کا فضل طلب کرنے والے کو دو درہم اور اپنا نام لینے والے کو ایک بھنی ہوئی مرغی میں دس دینار رکھ کر دے دیا کرتی تھی، پہلا اندھا اپنی مرغی دو درہم میں دوسرے اندھے کے ہاتھ بیچ دیا کرتا تھا۔

دس روز تک ایسا ہی ہوتا رہا، گیارہویں دن ام جعفر نے اپنا نام لینے والے اندھے سے کہا۔

"کیا تجھ کو ہمارا فضل یعنی سو دینا نہیں ملے؟"

اندھے نے کہا۔

"مجھے تو ایک مرغی ملا کرتی تھی جسے میں اپنے اندھے دوست کے ہاتھ دو درہم میں بیچ دیا کرتا تھا۔"

ام جعفر نے کہا۔

"اللہ کا فضل طلب کرنے والا کامیاب ہے اور آدمیوں کے فضل کا طلب گار محروم ہے۔"

سعدیہ جبار، ملتان

بیوی کہیں جسے

گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی، جنگ کے دوران جرمنی کے جہاز، بمباری کے لئے لندن پر پرواز کرنے لگے تو ایک میاں بیوی کمرے سے پناہ گاہ کی طرف بھاگے اچانک بیوی راستے میں سے ہی مڑی اور کہنے لگی۔

"میں اپنے دانت تو اندر ہی بھول آئی۔"

میاں نے غصے سے جواب دیا۔

"ہاں ہاں جلدی سے اٹھا لاؤ جرمن جہاز ابھی ڈبل روٹیاں پھینکیں گے۔"

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

☆☆☆

کتاب نگر

بے مثال افسانے
مصنف: کرشن چندر

تبصرہ: یمین کرن

کرشن چندر کا نام افسانہ نویسی میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے اردو افسانہ نگاری میں کرشن چندر سعادت حسن منٹو کے بعد اک بڑا اور معتبر نام ہیں، اپنے اس تخلیقی سفر میں لگ بھگ 26 مجموعے جن میں اڑھائی سو سے زائد افسانے انہوں نے تخلیق کیے، اس مجموعے میں کرشن چندر کے تخلیقی سفر کو جن چھ ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے ان تمام مراحل کے منتخب نمائندہ افسانے شامل ہیں۔

کرشن چندر کے رومانوی افسانے بھی حقیقت پسندی کے امتزاج میں رنگے نظر آتے ہیں یوں حقیقت پسندی اور رومان ہاتھ ملاتے دور تک کرشن چندر کے افسانوں میں آپ کو نظر آئیں گے۔

ان کی زندگی کا ابتدائی حصہ کشمیر میں گزرا اور اپنے ابتدائی افسانوں میں کشمیر کی وادی کا عکس آپ کو بہت کثرت سے ملے گا۔

کرشن چندر اک ترقی پسند افسانہ نگار تھے مگر انہوں نے ان مقاصد و اصولوں پر اپنی فنی نزاکت اور لطافت و خالص پن کو قربان نہیں کیا جس سے افسانے کی شگفتگی اور تازگی برقرار رہتی ہے، جو سوالات اپنے افسانے میں وہ قاری کے ذہن میں ابھارنے میں کامیاب رہتے ہیں وہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ افسانے دیر پا، تازہ دم شگفتہ اور فنی نزاکت و لطافت سے مذین ہیں اسی لئے زندہ و جاوید ہیں۔

کرشن چندر کا پہلا افسانہ "یرقان تھا" جو کہ اس مجموعے میں شامل۔

کشمیر میں اپنے قیام کے دوران جو افسانے انہوں نے تحریر کیے اور جس طرح مناظر کی اور لفظوں میں اپنے سفر کی روداد کو اپنے افسانے کا حصہ بنایا اور اپنی جگہ خود اک تاریخ رقم کرنے کا عمل ہے، ان افسانوں کو پڑھ کر آپ 1940ء کے لگ بھگ کے کشمیر کو دیکھ سکیں گے، کرشن چندر کے ساتھ ان جھیلوں و دریاؤں میں کشتیوں کا سفر کر سکیں گے اور لاریوں میں جو مسافروں سے کچھا کھچ بھری ہوئی ہیں، آپ کو انجانے دیسوں میں اپنے ساتھ لے جائیں گی۔

پہلا افسانہ "جہلم میں ناؤ پر" آپ کو یہی منظر نگاری ملے گی۔

اسی طرح وہ افسانے جو انہوں نے فسادات کے زمانے میں لکھے وہاں آپ کو ان کے نظریات کی عالمگیر وسعت اور احساس کی بے پناہ شدت ملے گی وہ کسی ایک قوم، ایک نسل یا ایک فرقے کے ادیب نہیں انسانیت کے ادیب تھے، تحریک آزادی کے دوران ان کا موقف تھا۔

"وطن کی آزادی میرے سامنے صرف ایک ملک کی آزادی نہیں، دنیا کے کروڑوں انسانوں کی استحصال سے نجات ہے۔"

"پھانسی کے سائے میں" اک ایسا ہی افسانہ ہے جہاں آپ کو انسان دوستی و محبت اس کی عظمت اس کی حیات، اس کا دکھ کرب جس طرح سے کرشن نے اپنے اس افسانے میں سمویا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

"اس تڑپ، اس اضطراب، اس کرب کا جواب دنیا میں کہیں نہیں ہے جب روح اور جسم اس طرح زبردستی ایک دوسرے سے جدا کیے جاتے ہیں، وہ اضطراب، وہ حرکت، وہ تڑپ بجلی کی ٹیڑھی لکیر کی طرح میری روح کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔

اور اسی افسانے کے آخر میں اس سوال کی شدت کو بھی دیکھیے۔

"نیکی اور بدی کا پتلا، ازلی، ابدی انسان، تم نے مجھے اک ریشمی ڈوری سے اندھے کنوئیں میں لٹکا رکھا ہے، کیا مجھے کبھی رہائی نصیب نہ ہو گی۔"

کرشن نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اس کو خوب نبھایا اس کتاب میں اک اک افسانہ توجہ طلب ہے، "کچرا بابا" اسی طرح کے شاہکار افسانوں میں سے ایک ہے۔

"جب جذبے بلاتے ہیں اور آنکھوں میں چاند اتر آتا ہے، جب انگلیوں سے شعلوں کا سا لمس محسوس ہوتا ہے اور سینے میں میٹھا میٹھا سا درد ہوتا ہے، جب بوسے بھنوروں کی طرح لبوں کی پنکھڑیوں پر گرتے ہیں اور گردن کے صراحی دار خم کسی کو گرم گرم سانس کی مدہم مدہم آنچ کو ترستے ہیں ایسے میں کوئی کب تک فینائل کی بو سونگھے، تھوک پیپ اور لہو کے رنگ دیکھے اور موت کے دروازے تک جاتی ہوں اور لوٹ کر آتی ہوئی سسکیاں سنے۔"

یہ افسانہ دراصل فنا کی طرف سفر ہے، اک انسان کا کچرا بابا بننے کا عمل کس مقتل گاہ سے گزر کر وقوع پذیر ہوتا ہے، اک گہرا طنز ہے ہمارے اس انسانی معاشرے پر۔

"یکا یک اسے یہ احساس بھی ہوا اور وہ اس بات پر چونکا بھی کہ کس طرح بھوک نے اس کی مخفی قوتوں کو بیدار کر دیا تھا۔"

جملوں کی کاٹ اور گہرائی ملاحظہ فرمائیے، بھوک کوئی بھی ہو سکتی ہے مگر درست کہ مخفی قوتوں کو بیدار کرتی ہے۔

اسی افسانے کی کچھ اور لائنیں۔

"سب لوگ اسے کچرا بابا کہتے تھے، کیونکہ یہ سب کو معلوم تھا کہ وہ صرف کچرے کے ٹب میں سے اپنی خوراک نکال کے کھاتا ہے اور جس دن اسے وہاں سے کچھ نہ ملتا وہ بھوکا ہی سو جاتا، یہ لوگ جو مجھے حقیر، فقیر یا ذلیل سمجھتے ہیں، ذرا اپنی روح کے پچھواڑے میں تو جھانک کر دیکھیں، وہاں اتنی غلاضت بھری ہے جسے صرف موت کا فرشتہ ہی اٹھا کر لے جائے گا۔"

"پرتیو" بھی کرشن کے لاجواب افسانوں میں سے اک رومانوی بھید ابھرا افسانہ ہے جو عورت جیسی پہیلی کے گرد گھومتا ہے۔

"عورت کبھی نہیں بھولتی، وہ لوگ عورت کو نہیں جانتے جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک ڈولی میں سوار کرا کے، ایک پلنگ پر لٹا کر چار بچے پیدا کرا کے اس کے دل کا سپنا اس سے چھین سکتے ہیں۔"

اسی طرح "دو فرلانگ لمبی سڑک" یوں لگتا ہے کہ یہ سڑک زندگی کا استعارہ ہے زندگی کو سڑک سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اسی طرح "مہا لکشمی کا پل" یہ کرشن کے ترقی پسند اور دور کی عکاسی بھی کرتے ہیں اور حقیقت نگاری و حقیقت پسندی کا فن بھی عروج پر نظر آتا ہے۔

اس افسانے میں کرشن کا مضمون وہ طبقہ وہ لوگ وہ جگہیں ہیں جو متوسط طبقے سے بھی بہت نیچے غربت کی لکیر کو چھو رہے ہیں، مہا لکشمی پل بھی گویا اک استعارہ ہے کرشن کی وسعت نظر ہے کہ وہ مقامات کو کس نظر سے دیکھتا ہے؟

حتی کہ اس افسانے میں ساڑھیوں کی داغ بھی دراصل دل کے زخموں کے نمائندہ ہیں جو داغ کی صورت رہ گئے۔

یہ ایک انتہائی خوبصورت رومانوی افسانہ ہے اک خاموش عاشق کا قصہ ہے، بینگن کے پودے میں انگور کے خوشہ لگنے کا قصہ ہے۔

اور قاری ضرور سوچتا ہے اس افسانے کو پڑھ کر کہ کیا رالی کا معاشقہ بھی ریشم کے کیڑوں کی طرح ست روزہ نہ تھا؟ کیا عشق آتش کی معراج یہی ہے؟

اسی طرح ”درد گردہ“ بھی المیہ رومانوی ادب میں اک لازوال وشاہکار افسانہ ہے اک ایسا افسانہ جس کو پڑھ کر حساس آنکھیں بلاشبہ اشکوں سے دھل جائیں، مریم ماں سا مقدس عشق۔

”سفید جھوٹ“ ترقی پسندانہ دور کی نمائندگی کرتا اک ایسا حسین افسانہ ہے کہ انسانی نفسیات کی اک مرد کی نفسیات کی اس باریک بینی سے مطالعہ اور ضبط تحریر میں لانا شاید اس سے بہتر ممکن ہی نہیں، اک ایسا سوال ایک ایسا طمانچہ اک ایسا خواب جو ہر غریب کے دل میں پلتا ہے اور ہر وہ ہاتھ جو قادر ہے سوائے اس کے کہ اس ”ضمیر“ کے ٹکڑے کر دے اور کیا کرنے پر قدرت رکھتا ہے بلکہ اگر قوت رکھے تو اس کو ”سفید جھوٹ“ قرار دینے کی بجائے اس پر ہر ممکن سیاہی پھیر دے۔

”مامتا“ افسانہ ماں کے دل کی اک لاجواب عکاسی ہے، ہاں یہ مائیں ایسی ہی دیوانی ہوتی ہیں۔

”ماں کے جذبہ محبت میں اک ایسی دیوانگی و وارفتگی ہے جو اس کی انانیت کو فنا کر دیتی ہے اور اس کی ذات کو بچوں میں منتقل کر دیتی ہے۔“

کرشن چندر کے افسانوں کی کوئی ایک جہت یا سمت یا رنگ متعین کرنا ممکن نہیں، ہر جہت وسمت ورنگ کے افسانے ملیں گے۔

”تائی ایسری“ اس کتاب کا آخری افسانہ ہے خاکے کے انداز میں لکھا افسانہ آپ کو تائی ایسری کی شکل میں کسی فرشتے سے ملاقات محسوس ہوگی اور دل بے اختیار سوچنے پر مجبور کہ کیا ایسے لوگ بھی اس نے تخلیق کیے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی تائی ایسری آپ کے گرد بھی بستی ہو مگر دیدہ بینا کو وقت و حالات کی گرد نے دھندلا کر کے موقع ہی نہ دیا ہو کھوجنے و دیکھنے کا۔

فسادات کے زمانے میں کرشن نے اس وقت کے ادیبوں کی طرح بہت سے افسانے تخلیق کیے، مگر کیا انسان دوستی کا سبق اس سے عمدہ الفاظ میں دیا جاسکتا ہے روح کو جھنجھوڑتی ہیں یہ لائنیں۔

”اندر سکول میں استاد پڑھا رہا تھا، اسکول ماسٹر، پڑھو بچو سب انسان بھائی بھائی ہیں“ باہر سے آوازیں، مارو، مارو، سب کو مارو............

گاؤں ہیں ناشپاتی کے درخت ہیں اور بھائی بہن مدرسے جا رہے ہیں اور سورج نکل رہا ہے اور کسان کھیتوں میں ہل چلا رہا ہے اس میں بچے ماں باپ کا ادب کرتے ہیں اور سلیم موہن کا دوست ہے اور رضیہ نرملا کی سہیلی ہے، گاؤں والو یہ تمہارے بچوں کا قاعدہ ہے، اسے قتل نہ کرو، نئی زندگی کو ابھرنے دو“

کاش ایسا ہی کوئی قاعدہ ان رنگین خوابوں سے بھرا قاعدہ ہم اپنے بچوں کو تھما سکیں، اردو ادب میں کرشن چندر کا نام ہمیشہ یونہی جگمگاتا رہے گا۔

☆☆☆

صائمہ محمود

فریال امین: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم

”کہیں گم ہوا تیری کھوج میں“

میں گرہ میں باندھ کے حادثات
نکل پڑا تیری کھوج میں
کہیں تارکول کی تھی سڑک
جہاں آگ بانٹتی دھوپ تھی
کبھی کچی راہ کی دھول میں
جہاں سانس لینا محال تھا
سرِ زرم جاں کبھی دل کے درد سے ہار کر
میں تو خانقاہوں پہ منگتا پھرا اقتیں
کبھی رات رات بسر دعاؤں میں ہوگئی
کبھی قافلے میری آس کے کسی دشت شناس میں کھو گئے
میرا پیراہن تھا پھٹا ہوا کہیں گرد گرداتا ہوا
میں ادھورے پن کے سراب میں
تجھے ڈھونڈتا پھرا در بدر
کسی اجنبی کے دیار میں
کوئی دکھ ملا کسی موڑ پہ کوئی غم ملا کسی چوک میں
کسی راہگور کے سکوت میں کوئی درد آ کے ڈرا گیا
کبھی چل پڑا کبھی رک گیا کسی کشمکش کے غبار میں
مجھے کیا ملا تیرے پیار میں
میں گرہ میں باندھ کر حادثات
کہیں گم ہوا تیری کھوج میں

تازیہ کمال: کی ڈائری سے ایک غزل

دشت خیالِ یار میں کھویا کریں گے ہم
کس کو خبر تھی ٹوٹ کے رویا کریں گے ہم
آنکھوں کے بھی نصاب میں شامل نہ تھی یہ بات
اشکوں کے داغ اشکوں سے دھویا کریں گے ہم
غم بھی تو میری جان سمندر سے کم نہیں
جو چاہیں اپنے میں ڈبویا کریں گے ہم
لمحوں میں جیسے نیند کا موسم گزر گیا
اور ہم یہ سوچتے تھے کہ سویا کریں گے ہم
کچھ اتنا پسند ہیں بچھڑے تو اپنا دل
زخموں کی بارش میں بھگویا کریں گے ہم

مریم رباب: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

”فنا کا سفر“

یہی کائنات کی ہے اصل
یہی زندگی کا اصول ہے
کہ کبھی یہاں کئی دائروں میں بٹے ہوئے
ہیں رواں دواں
کبھی ایک ہیں، کبھی ہیں جدا
کبھی ایک جاں، اور خفا خفا
ہیں تو ایک راہ پہ گامزن
نئی منزلوں کے سفر پہ ہیں
کبھی چاہتوں میں رنگے ہوئے
کبھی نفرتوں سے مٹے ہوئے
کبھی سدا کے کھلے ہوئے
کبھی زخمی ہونٹ سلے ہوئے
کبھی جیت کر کیے سربلند
کبھی ہار کر نہ خاک پر
کوئی ہم سفر کی تلاش میں
مگن اپنی اپنی بیاض میں
کبھی خواہشوں کے جنوں میں ہیں
گھرے چاہتوں کے فسوں میں ہیں

ہر اک ہاتھ میں ہے دیا مگر
کئی آبلوں کی دھن میں ہیں
مگر کتنی عجیب یہ بات ہے
کہ ہم اپنی پہلی سی سانس سے
جو چلے فنا کے سفر میں ہیں
ہے ازل تا ابد یہی سلسلہ

زرعہ احسن: کی ڈائری سے ایک غزل

چہرے پہ میرے زلف کو بکھراؤ کسی دن
کیا روز گرجتے ہو برس جاؤ کسی دن
خوشبو کی طرح گزرو میرے دل کی اگلی سے
پھولوں کی طرح مجھ پہ بکھر جاؤ کسی دن
گزریں جو میرے گھر سے تو رک جائیں ستارے
اس طرح میری رات کو چمکاؤ کسی دن
میں اپنی ہر اک سانس اسی رات کو دے دوں
سر رکھ کے میرے سینے پہ سو جاؤ کسی دن

خدیجہ شاہ: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

"پاگل"

ہاں آج بھی میں نے
وہی لباس پہنا ہے
جسم میں دیکھ کر تم مجھے
پاگل سے ہو جاتے تھے
لیکن آؤ دیکھ کہ
میں آج بھی
تیری پسند کی دنیا میں
سانس لے رہی ہوں
لیکن
آج پاگل ہونے وال کوئی نہیں
سراہنے والا کوئی نہیں
اور اسی غم میں، میں
سچ مچ پاگل ہو چکی ہوں

اُم خدیجہ: کی ڈائری سے ایک نظم

"کھلتی کونپل"

وہ میرے خواب
جو کونپل کی مانند تھے
جنہیں محبت سے میں نے سینچا تھا
جذبات کی چھاؤں میں چھپایا تھا
اب وہ کونپل کھل کر
پھول بننے کو تیار ہے

راحیلہ: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

سایہ دیوار اپنوں سے نہ مانگا کیجیے
مل جائیں جو غم ہنس کر گوارا کیجیے
بات خلوص کی اس دور میں رہنے دو
کتابی باتیں نہ درمیاں میں لایا کیجیے
دل تو شیشہ ہے فگار ہوتا ہے لمحہ لمحہ
وقت ظالم کو مسکرا کر سنوارا کیجیے
اشتہار بن جاتے ہیں غم زندگی سے لوگ
خامشی سے اس زخم کو سہا کیجیے
دل تو ناداں ہے کسی طور بہل جائے گا
بات پر دل کی ہمدم نہ جایا کیجیے
یاد محبوب کی اب اتنی بھی کیا نرگس
اتنا بھی کسی کو نہ چاہا کیجیے

رافعہ غزل: کی ڈائری سے ایک غزل

جب بھی تنہائی تیری یاد کے جگنو مانگے
دل بے نور میری آنکھ کے آنسو مانگے
کھوئی نظروں سے افق پار کو تکنے والو
ہم نے یہ تیر تو سینے میں ترازو مانگے
ایسا مشروط ہوا لبوں میں تیری ہستی سے
میری ہر سانس تیرے قرب کی خوشبو مانگے
یہ اشک میرا قیمتی سرمایہ ہیں
یہ فراز بھی لوٹا دوں گا اگر تو مانگے
تیرے ہنے کی تسلی بھی ہمیں کافی تھی
تجھ سے کب ہم نے سہارے کو یہ بازو مانگے

فرح عامر: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

اک پشیماں سی حسرت سے مجھے سوچتا ہے

اب وہی شہر محبت سے مجھے سوچتا ہے
میں تو محدود سے لمحوں میں ملی تھی اس سے
پھر بھی وہ کتنی وضاحت سے مجھے سوچتا ہے
جس نے سوچا ہی نہ تھا ہجر کا ممکن ہونا
دکھ میں ڈوبی ہوئی حیرت سے سوچتا ہے مجھے
میں تو مر جاؤں اگر سوچنے لگ جاؤں اسے
وہ کتنی سہولت سے سوچتا ہے مجھے
گرچہ اب ترک مراسم کو بہت دیر ہوئی
اب بھی وہ میری اجازت سے سوچتا ہے مجھے
کتنا خوش فہم ہے وہ شخص کہ ہر موسم میں اک نئے
رخ نئی صورت سے سوچتا ہے مجھے

فائزہ قاسم: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

ابھی کچھ روز دیکھو تم
ابھی کچھ اور جانو تم
ابھی موسم بدلنا ہے
ابھی سورج نکلنا ہے
ابھی برف کے تودوں کو
پہاڑوں سے پگھلنا ہے
پگھلنا ہے ابھی چاندنی کو پانی میں
اترنا ہے ابھی تو تا کرنوں میں روانی میں
ابھی تو اس جھیل کے اوپر کنول کے پھول مہکنا ہیں
ابھی اس کے کناروں پر
کسی اجنبی دیس کے پنچھیوں کو بھی اترنا ہے
ابھی کچھ پھول کھلنے ہیں
ابھی کچھ زخم ملنے ہیں
ابھی تو منتظر ہیں ہم کسی اچھی نشانی کے
بہت کمزور باقی ہیں ابھی کہانی کے
میری جاں میری مانو تم
کہ جانے کی نہ ٹھانو تم
ابھی کچھ اور جانو تم
ابھی کچھ اور ٹھہرو تم

ہمارائے: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

کو بکو پھیل گئی بات شناسائی کی
اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی
کیسے کہہ دوں مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی
وہ کہیں بھی گیا تو لوٹ کر میرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی مرے ہرجائی کی
اس نے جلتے ہوئے پیشانی پر جب ہاتھ رکھا
روح تک آ گئی تاثیر مسیحائی کی

نبیہ آصف: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

اکثر دیکھا ہے میں نے
کچھ ایسے لوگوں کو
جو بھٹکتے پھرتے ہیں راتوں کو
جگنوؤں کی تلاش میں
آخر اک رات
مٹھی کی قید میں لیے جگنو پا کر خوش ہوتے ہیں
نہ جانے کیوں
منفرد طبیعت ہے میری ان لوگوں سے ذرا
کہ ہر رات
جستجوئے جگنو میں
خوش ہوتی ہوں بہت
انہی کو دیکھ کر
کہ جگنو تو آزاد ہی بھلے لگتے ہیں
رات کی تاریکی میں

ثمینہ رفیق: کی ڈائری سے ایک نظم

یہ جو زندگی کی کتاب ہے
یہ کتاب بھی کیا کتاب ہے
کہیں ایک حسین خواب ہے
کہیں جان لیو عذاب ہے
کہیں چھاؤں ہے کہیں دھوپ ہے
کہیں اور ہی کوئی روپ ہے
کہیں کھو دیا کہیں پا لیا۔

☆☆☆

حنا کی محفل

عین غین

سعدیہ جبار ---- ملتان

س: دال میں کالا زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے یا دل میں؟
ج: منہ کالا سب سے خطرناک ہوتا ہے، جو آپ بھول رہی ہیں۔
س: ان تلوں میں تیل نہیں، یہ کن مواقع پہ کہا جاتا ہے؟
ج: یہ بات کس پر صادق آتی ہے۔
س: میں نے ایسا کیا کہ دیا کہ منہ پھول گیا؟
ج: الٹی سیدھی فرمائش کر دی ہوگی۔
س: ڈال دیا ناں سوچوں میں؟
ج: بات ہی کچھ ایسی تھی۔
س: دن بہ دن آپ گنجے کیوں ہوتے جا رہے ہیں؟
ج: کون ہے وہ گنجا جو تمہارے حواس پر چھا گیا۔
س: کبھی تارے گنے ہیں اور کب گنے ہیں؟
ج: ابھی نوبت یہاں تک نہیں پہنچی۔

آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان

س: عین غین جی آپ کی محفل میں بغیر اجازت شرکت کر رہی ہوں مائنڈ تو نہیں کریں گے؟
ج: اجازت لینے میں بڑی قباحتیں ہوتی ہیں۔
س: میں نے سنا ہے کہ محبت جب زمین پر قدم رکھتی ہے تو اس کی آہٹ آسمان پر سنائی دیتی ہے اور جب نفرت رکھتی ہے تو؟
ج: دل کانپ اٹھتے ہیں۔
س: عینی جی تم جیب میں گرم پانی کیوں ڈال رہے ہو؟
ج: آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے بھلا اتنی دور سے بھی پانی ڈالا جا سکتا ہے۔
س: میاں بیوی کی آپس میں لڑائی دیکھ کر ہمسائی کیوں خوش ہوتی ہے؟
ج: کیونکہ وہ ہمسائے کے دکھ درد کی ساتھی ہوتی ہے۔
س: وہ کہتے ہیں کہ تمہاری اردو بہت خراب ہے آپ کیا کہتے ہیں؟
ج: میں نے تمہاری اردو دیکھی کہاں ہے۔
س: ارے کل آپ لنڈے بازار میں کیوں اور کس لئے بحث کر رہے تھے؟
ج: تمہارے لئے وہ تمہیں چوری کے الزام میں پکڑ جو رہے تھے۔

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: کل لوگوں کا ہجوم آپ کو گدھے پر بٹھا کر کیوں لے جا رہے تھے؟
ج: کل پکڑے جانے پر تم اتنی حواس باختہ ہوگئی تھیں کہ تمہیں گھوڑا بھی گدھا لگنے لگا تھا۔
س: عینی جی میری برتھ ڈے آ رہی ہے کیا گفٹ (مہنگا) دینا پسند کریں گے؟
ج: تو کیا وہ چوری تم نے اپنے برتھ ڈے کی شاپنگ کے لئے کی تھی۔
س: وہ جب بھی میرے گھر آتے ہیں مجھے دیکھ کر ہنسنے لگتے ہیں؟
ج: آئینہ دیکھ کر سوچو کہ وہ کیوں ہنستے ہیں۔
س: کبھی کبھی اسے دیکھ کر مجھے خیال آتا ہے کہ؟

ج: کہ وہ کیوں ہنستے ہیں۔
س: روٹھے ہو تو تم کو کیسے مناؤں عیار جی بولو نہ بولو نہ؟
ج: یہ بھی میں بتاؤں۔
س: بیوی اور ٹی وی میں کیا فرق ہوتا ہے؟
ج: ٹی وی تو بند کیا جا سکتا ہے مگر......؟

نازیہ کمال ---- حیدر آباد

س: چاند کو دیکھ کے کبھی آپ نے بھی سلام کیا ہے دھوکے میں؟
ج: میں نے دعائیں مانگیں ہیں البتہ آپ......؟
س: وہ ہر روز ایک نیا بہانہ بنا لیتی ہے بتایئے کیا کروں؟
ج: اس کے بہانے کا اعتبار۔
س: کوئی ایسی غلطی جو آپ بار بار کرنا چاہتے ہوں؟
ج: اس کے بہانے کے اعتبار۔
س: وہ میری طرف دیکھے بغیر گزر جاتی ہے کیا کروں؟
ج: منہ دوسری طرف کر لیا کرو۔
س: دل میرا ادھڑ کن...... خالی جگہ پر کریں؟
ج: پہلے یہ بتاؤ اس کے کتنے نمبر ہیں۔
س: وہ کہتے ہیں تم میری ہو کیا میں اس کی ہوں جواب دیں ع غ جی؟
ج: یہ تو تم ہی بتا سکتی ہو تم کیا سمجھتی ہو۔

مریم رباب ---- خانیوال

س: ع غ جی مریم رباب بھی پیا دیس سدھار گئیں۔
ج: مبارک ہو۔
س: بالکل بھیگی آنکھوں والی لڑکی لگ رہی تھی کیوں؟
ج: یہ تو مریم رباب ہی بہتر بتا سکتی ہیں۔
س: آنکھیں بھیگ جاتی ہیں؟
ج: خوشی سے۔
س: اگر دنیا میں موت نہ ہوتی تو؟
ج: زمین پر تل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی۔

ام خدیجہ ---- شاہدرہ لاہور

س: مہنگائی کے اس دور میں سب سے سستی چیز کون سی ہے؟
ج: انسانی زندگی جہاں رویوں کے عوض انسان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔
س: اگر کسی کو اس کا آئیڈیل نہ ملے تو وہ بیچارہ کیا کرے؟
ج: صبر شکر کر کے جہاں ماں باپ کہتے ہیں شادی کر لے۔
س: عورت کا انتخاب مشکل ہے یا مرد کا؟
ج: انتخاب بڑا مشکل ہوتا ہے۔
س: ایک ڈال پر طوطا بیٹھا، ایک ڈال پر مینا ع غ جی کیا کہنا؟
ج: دونوں کو صحیح جگہوں پر رہنا چاہیے۔
س: اگر خواب صرف خواب ہی رہیں تو؟
ج: خواب تو خواب ہی ہوتے ہیں۔

☆☆☆

''اعتذار''

کچھ ناگزیر وجوہات کی بناء پر فوزیہ غزل کا سلسلے وار ناول ''وہ ستارہ صبح امید کا'' اس ماہ شائع نہیں ہو سکا جس کے لئے ادارہ حنا معذرت خواں ہے

افراح طارق

پالک کا رائتا

اشیاء

پالک	بارہ پتے
دہی	آدھا کلو
لہسن	چھ جوے
نمک	حسب ذائقہ
مکھن	دو چائے کے چمچے
سفید مرچ	حسب ذائقہ
پیاز	ایک عدد
زیرہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچہ
کالی مرچ	حسب ضرورت

ترکیب

پالک کے پتوں کو گرم پانی میں ایک منٹ ابال کر ٹھنڈے پانی میں رکھ دیں، پھر انہیں باریک کاٹ لیں، پیاز کو چوکور چھوٹا چھوٹا کاٹ لیں، لہسن کے جوے کو بھی باریک کاٹ لیں، ایک فرائی پین میں مکھن ڈالیں، جب پگھل جائے تو پیاز کو چند سیکنڈ بھون لیں، اب پالک ڈال کر تیز آنچ پر پکائیں تاکہ پانی خشک ہو جائے، اب لہسن، نمک، کالی مرچ ڈال دیں چند سیکنڈ بھون کر چولہا بند کر دیں پھینٹے ہوئے دہی میں اسے شامل کریں اچھی طرح مکس کریں اور زیرہ ڈالیں ٹھنڈا یخ کر کے نوش فرمائیں۔

چاکلیٹ ڈونٹس

اشیاء

میدہ	آدھا کلو
بیکنگ پاؤڈر	چائے کے دو چمچے
مکھن	150 گرام
چینی	ڈیڑھ پیالی
کوکنگ چاکلیٹ	400 گرام
انڈے	چار عدد
نمک	حسب ضرورت
چاکلیٹ کے ٹکڑے	آدھی پیالی
پسا ہوا کھوپرا	ایک پیالی
تیل	تلنے کے لئے

ترکیب

انڈوں کو بیٹر کی مدد سے پھینٹ کر اس میں چینی اور مکھن شامل کر کے مزید پھینٹیں، میدے میں خمیر، بیکنگ پاؤڈر اور نمک شامل کر کے اس میں انڈے کا تیار کیا ہوا آمیزہ شامل کریں اور آٹے کی طرح سے گوندھ لیں، آٹے کو بیل کر بڑے اور چھوٹے سانچے کی مدد سے اس طرح کاٹیں کہ درمیان سے سوراخ بن جائے اور گرم تیل میں ڈال کر تل لیں، ایک برتن میں پانی گرم کریں کوکنگ چاکلیٹ کو ایک دوسرے برتن میں رکھ کر پانی کے برتن میں رکھیں، تاکہ چاکلیٹ پگھل جائے، مکمل چاکلیٹ پگھلنے پر ساس تیار ہے، اس میں ڈونٹ کو ایک طرف سے ڈبو کر حسب پسند پسا ہوا کھوپرا یا چاکلیٹ کے ٹکڑے لگا کر پیش کریں۔

دہی پھلکیاں

اشیاء

بیسن	ایک پاؤ
سرخ مرچ	حسب پسند
نمک	حسب پسند
زیرہ سفید	ایک تولہ

پودینہ	دو تولے
سیاہ مرچ	دو ماشے
انڈہ	ایک عدد
عمدہ دہی	ایک کلو

ترکیب

پیاز کو باریک تراش لیجیے اور تمام چیزوں کو باریک پیس کر بیسن ملا لیجیے اور پانی ڈال کر بیسن کو اس قدر پھینٹ لیجیے کہ سفید ہو جائے پھر پیاز بھی ڈال دیجیے اور گھی یا تیل میں پھلکیاں تل لیں، پانی میں تھوڑا سا نمک ڈال کر پہلے پاس رکھ لیجیے اور پھر پھلکیوں کو کڑھائی سے نکال کر پانی میں ڈالیے، جب سب پھلکیاں تل لیں تو پانی سے نکال کر انہیں نچوڑ کر دہی میں ڈال دیجیے، ضرورت ہو تو مزید نمک اور سرخ مرچیں پیس کر چھڑک لیجیے۔

آلو کی کچوریاں

اشیاء

آلو	آدھا کلو
پیاز	ایک عدد
ہرا دھنیا	ایک گٹھی
ہری مرچ	چار عدد
لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
لیموں	چار عدد
نمک	حسب ذائقہ
آٹا	آدھا کلو
گڑ	ایک چھوٹا ٹکڑا
اجوائن	چوتھائی چائے کا چمچہ
گھی یا تیل	حسب ضرورت

ترکیب

آٹے میں گڑ کا شیرا اجوائن، سوڈا اور نمک ملا کر نرم گوندھ لیں، مزید پانی ملا کر آٹے کو نرم کریں، جتنا نرم ہو گا کچوریاں اتنی ہی خستہ بنیں گی، آلو کے بھرتے میں سارے مسالے اور لیموں کا رس ملا دیں چولہے پر کڑاہی میں تیز آنچ پر تیل گرم کریں، جتنی دیر میں تیل گرم ہو، پوری کے پیڑے کے برابر آٹا لے کر پانی سے ہاتھ گیلا کر کے پیڑے کو ہاتھ پر پھیلائیں پھر اس میں مسالا ملے ہوئے تھوڑے سے آلو رکھ کر دوبارہ ہاتھ گیلا کر کے چاروں طرف سے اٹھا کر بند کر دیں، گیلے ہاتھ سے ذرا سا دبا کر دوبارہ پھیلا لیں، پھر ہلکی آنچ پر تلنا شروع کر دیں، جب اچھی طرح تل جائے تو نکال کر پلیٹ میں اخبار بچھا کر رکھ دیں تاکہ تیل اچھی طرح جذب ہو جائے۔

ٹماٹر کی سادہ سی چٹنی

اشیاء

ٹماٹر	آدھا کلو
پیاز	آدھا پاؤ
ادرک	ایک چھوٹا ٹکڑا
ہری مرچ	دس عدد
سرخ مرچ	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب

پیاز باریک کاٹ لیں بقیہ تمام چیزیں دھو لیں اب ایک دیگچی میں گھی ڈال کر پیاز ڈال لیں جب پیاز گلابی رنگت کے ہو جائیں تو ٹماٹر ہری مرچ کاٹ کر ڈال دیں ساتھ میں نمک مرچ بھی ڈال دیں، پانی ہرگز نہ ڈالیں بلکہ ٹماٹروں کے رس میں پکنے دیں

جب ٹماٹر کا آمیزہ گھی چھوڑ دے تب ہرا دھنیا باریک کاٹ کر ڈال دیں اور دیگچی اتار لیں۔

☆☆☆

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

دسمبر کے شمارے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

معروف زندگی کی ہما ہمی میں دوڑتے بھاگتے۔ خواہشوں کا پیچھا کرتے وقت کب اور کیسے ہاتھوں سے پھسل جاتا ہے کچھ پتا ہی نہیں چلتا، ابھی سال کا آغاز ہوا تھا کہ اختتام آ پہنچا، دن، ہفتے، ماہ سال زندگی کی بے ثباتی کا احساس دلاتے ماضی کا حصے بنتے جارہے ہیں، دکھ سکھ، غم خوشی طاقت، اقتدار، شہرت اس فانی زندگی میں کوئی بھی چیز مستقل نہیں، جو کل تھا وہ آج نہیں ہے اور جو آج ہے وہ کل نہیں ہوگا، کائنات میں تبدیلی کا قانون اٹل ہے، مختصر سی مہلت عمل ہے، جو انسان کو دی گئی ہے، حاصل زندگی وہی لمحات ہیں جو نیکی خیر اور دوسروں کی بھلائی میں صرف ہوئے، توازن، ایثار، خلوص، میل، محبت ہی زندگی کا حسن ہیں، دوسروں کے لئے سوچنے والے، انہیں عزت، وقت دینے والے زندگی میں کبھی ناکام نہیں ہوتے۔

رواں سال کی آخری ساعتوں میں اپنا احتساب کیجئے کہ اب تک کی زندگی میں ہم اپنی ذات سے ہٹ کر دوسروں کے لئے کیا کر پائے، کیا حساب وقت کے گوشوارے میں کچھ ایسا ہے کہ ہم اپنے رب کے حضور سرخرو ہو سکیں۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے گا جب بھی دعا کریں، پوری امت مسلمہ کے لئے دعا کریں خصوصاً پاکستان کے لئے، کہ اس وقت تاریخ کے جس موڑ پر ہم کھڑے ہیں وہاں ہمیں دعاؤں کی اشد ضرورت ہے۔

آپ کے خطوط کی طرف بڑھتے ہیں اس بات کہ ساتھ کہ درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد ہم نے اپنا روزمرہ کا معمول بنانا ہے، اسی میں ہماری کامیابی پنہاں ہے، اپنا بہت سا خیال رکھئے گا اور ان کا بھی جو آپ کا خیال رکھتے ہیں۔

آپ کے خطوط کی طرف کی محفل میں پہنچنے سے پہلے ایک وضاحت جو کہ بے حد ضروری ہے۔

ہم تمام قارئین کے شکر گزار ہیں کہ وہ نہ صرف حنا کی تحریروں کو غور سے پڑھتے ہیں بلکہ اپنی محبت بھری رائے کا اظہار بھی کرتے ہیں، تعریف و تنقید دونوں ساتھ چلتے ہیں، کوئی تحریر اگر ایک قاری کے معیار پر پورا نہیں اترتی تو وہیں کسی دوسرے کے دل میں اتر جاتی ہے اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے، کسی بھی مصنفہ کی تحریر پر رائے دینا آپ کا حق ہے اس سے کسی کو انکار نہیں، لیکن پلیز آپ سے گزارش ہے کہ آپ لوگ اگر تنقید کرتے ہیں تو برائے مہربانی اس بات کا خیال رکھیں کہ کہیں ہم بلاوجہ تنقید برائے تنقید تو نہیں کر رہے، کیا ہم کچھ ایسا تو نہیں لکھ رہے کہ جس سے دوسروں کی دل آزاری ہو، کسی تحریر میں اگر ایک سطر میں آپ کو کچھ پسند نہیں آیا تو یقیناً اگلا صفحہ دلچسپ اور آپ کے معیار پر پورا اترے گا، اس ایک سطر کو چھوڑ کر آپ اس پورے

صفحے کا کیوں نہیں سوچتے جو تمیں سطروں پر مشتمل ہوتا ہے، یاد رکھئے آپ کے لکھے اور منہ سے نکالے گئے الفاظ آپ کی شخصیت کی عکاسی کرتے ہیں، تو کیا ہم چاہیں گے کوئی ہمارے متعلق منفی انداز میں سوچے، نہیں نہ؟

حنا میں شائع ہونے والی تحریر ہمیں دل و جان سے عزیز ہے اس کو لکھنے والی مصنفین ہمارے لئے بے حد اہم اور قابل احترام ہے، ہر مصنفہ اور اس کی تحریر ادارے کا قیمتی اور اہم سرمایہ ہے اس بات کا ہمیشہ خیال رکھئے گا۔

اللہ تعالٰی آپ سب کو خوش رکھئے اور زندگی کے روشن پہلو کو دیکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

یہ پہلا خط ہمیں طیبہ نعمان کا حیدر آباد سے ملا ہے، وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

نومبر کا شمارہ خرم سلطان کے سرورق سے سجا ملا، اچھا تھا، لیکن آپی اپنے ملک کی ماڈلز زیادہ خوبصورت نہیں کیا؟ آپی میں ایک عرصے سے حنا کی خاموش قاری ہوں، اس مرتبہ جس چیز نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کیا ہے وہ ہے خطوط کی محفل، جہاں عشل خان اور مشعل وردگ کی رائے شائع ہوئی، آپی مجھے آپ کے توسط سے ان دونوں سے پوچھنا ہے کہ کیا ان کی اُم مریم سے کوئی ناراضگی ہے؟ پلیز اس کا جواب ضرور دیجئے گا۔

اب باقی شمارے کی بات ہو جائے، اسلامیات کا حصہ تو ہوتا ہی ایمان افروز ہے، انشاء جی کی شاعری کی کیا بات ہے موقع محل کے اعتبار سے ان کے ادبی خزانے میں ہر چیز موجود ہوتی ہے "سونا شہر" بھی بے حد پسند آیا، نیا سلسلہ "حنا کے نام" آپی یہ آئیڈیا آپ کے ذہن میں کیسے آیا بے حد زبردست سلسلہ ہے، اس مرتبہ یمی جی مل کر اچھا لگا، ناولٹ اس مرتبہ چار اور چاروں ہی بے حد اچھے، خصوصاً "تم بن صنم" شگفتہ شاہ کی تحریر بے حد پسند آئیں اس سے پہلے کبھی یہ نام دیکھنے کو نہیں ملا، "کاسہ دل" سندس جی یہ کیا، کیا آپ نے شاہ بخت کے ساتھ، پلیز پلیز اس کے ساتھ کچھ برا نہ کیجئے گا آپ کے اس کردار سے مجھے بے حد محبت ہے، تحریر پر آپ کی گرفت بڑی زبردست ہے، ہر کردار کو آپ بڑے دل سے لکھ رہی ہیں، اللہ تعالٰی آپ کو خوش رکھے، افسانوں میں روبینہ سعید کا افسانہ پسند آیا، اس کا موضوع تو ہمارے اکثریت گھرانوں کا ہے جبکہ فرحت عمران نے بھی اچھی کوشش کی، مکمل ناول میں "سلطنت" کا آخری حصہ پسند آیا، سلسلے وار ناول میں اُم مریم کی تحریر کی کیا تعریف کریں، ہر کردار اپنی جگہ نگینے کی طرح فٹ، اُم مریم ہماری نیک تمنائیں، آپ کے ساتھ آپ کے ناول کے ہر کردار کے لئے سوائے، تیمور کے، فوزیہ غزل جی آپ کی تحریر آپ کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے، مذاہب کے بارے میں آپ کی تحقیق قابل ستائش ہے، مستقل سلسلے اپنی اپنی جگہ سارے ہی بہترین تھے "دستر خوان" کی تراکیب پڑھ کر ہی لگتا ہے کہ بے حد مزے کی ہوں آخر میں ایک فرمائش "ایک دن حنا کے نام" میں، آپ اُم مریم، سندس جبیں کے ساتھ ساتھ آپ خود بھی جلد شامل ہوں مجھے آپ تینوں کے بارے میں جاننے کا شدت سے انتظار ہے۔

طیبہ نعمان خوش آمدید، آپ کا اس محفل میں آنا ہمیں بے حد اچھا لگا، وجہ چاہے کچھ بھی بنی، آپ نے جن دو خطوط کا ذکر کیا ہے تو آپ کی وساطت سے ہم بھی یہاں یہ ہی کہیں گے بلاوجہ کی، کی گئی تنقید آپ کی ذات کو تنقید کی زد پر لا

کھڑا کرتی ہے۔

شروع میں ہم اس بات کی وضاحت کر چکے ہیں، نومبر کا شمارہ آپ کے ذوق پر پورا اترا جس کے لئے ہم آپ کے شکر گزار ہیں، آپ کی فرمائش نوٹ کر لی ہے (ام مریم، سندس جبیں آپ دونوں نوٹ کر لو اور جلد اپنے شب و روز کے بارے میں لکھ کر بھیجیں) رہی میں تو میرے شب و روز تو بس "صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے" والا معاملہ ہے، آپ کی محبتوں اور رائے کے ہم آئندہ بھی منتظر رہیں گے شکریہ۔

سار یہ چوہدری: گجرات سے لکھتی ہیں۔

حنا سے ہمارا تعلق پرانا ہے آپ کے ادارے سے نکلنے والے باقی چاروں پرچوں میں تو ہم لکھتے رہتے ہیں، حنا میں کبھی نہیں لکھا سوچا پتہ نہیں شائع ہو بھی یا نہ اور دوسرا حنا ہمیں ملتا ہے تو بہت ہی لیٹ، حنا میں سب سے بیسٹ ناول اُم مریم کا ہے، معاذ جہان اور ژالے میرے فیورٹ ہیں، فوزیہ غزل کا ناول بھی بہت اچھا ہے اس میں سعیہ پہ بہت ترس آتا ہے اور وہاج پہ بہت غصہ، "کاسہ دل" بھی بہت اچھا ناول ہے، "کتاب نگر" سے یسمی کرن کے تبصرے بہت اعلیٰ ہوتے ہیں باقی سلسلے بھی بہت زبردست ہیں۔

آپی میں نے اک ناول بھیجا ہے کیا وہ قابل اشاعت ہے، اگر آپ نے ہمیں جگہ دی تو انشاء اللہ اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گے۔

سار یہ چوہدری خوش آمدید، دیکھ لیجیے اس محفل میں آپ کو کتنی ڈھیر ساری جگہ ملی آپ کو، آپ کی تحریر متعلقہ شعبہ کو پہنچا دی قابل اشاعت ہوئی تو انشاء اللہ جلد شائع ہو گی، آپ کی رائے کے آئندہ ماہ بھی منتظر رہیں گے شکریہ۔

حرا بلوچ: جہلم سے اپنی رائے کا اظہار کر رہی ہے۔

نومبر کا شمارہ گیارہ تاریخ کو ملا ٹائٹل دیکھا بہت اچھا لگا، سردار انکل محمود کی باتیں تو ہمیشہ ہی لاجواب ہوتی ہیں، آگے بڑھے اور حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں سے مستفید ہوتے ہوئے انشاء جی تک پہنچ گئے، انشاء جی کے بارے میں کہنا کیا ان کی تو ہر بات اپنے اوپر فٹ معلوم ہوتی ہے، مصنفہ سے ملاقات کچھ خاص پسند نہیں آئی، ان کی روٹین تھوڑی سی بورنگ ہے۔

فوزیہ غزل کی تحریر کیا زبردست تھی، واہ جی مزا آ گیا اب اگلی قسط کا انتظار شدت سے ہے، آپی اسی طرح لکھتی رہیں۔

اُم مریم آپ کی تحریر بھی اچھی ہے لیکن یہ کیا ہر بار معاذ اور پرنیاں ہی تھوڑا جہاں اور ژالے پر بھی دھیان دیں نا اور معاذ کو پہلے والا معاذ ہی بنا دیں اس طرح بالکل بھی اچھا نہیں لگتا۔

"کاسہ دل" بھی بہت اچھا جا رہا ہے اس کے علاوہ "سلطنت" طیبہ جی کیا خوب لکھا ہے آپ نے، خاص کر سلطنت کے بولنے کا اسٹائل جب وہ خود کو ہم کہہ کر پکارتی ہے تو مزہ آ جاتا ہے۔

فوزیہ آپی میں اپنی ایک تحریر، "مکافات عمل" کے عنوان سے بھیج رہی ہوں قابل اشاعت ہوئی یا نہیں؟ ضرور بتایئے گا شکریہ۔

حرا بلوچ آپ بھی اس محفل میں پہلی مرتبہ شرکت کر رہی ہیں، خوش آمدید حنا کے لئے آپ کی پسندیدگی کا شکریہ آپ کی تحریر قابل اشاعت ہوئی تو جلد شائع کی جائے گی، پسندیدگی کے لئے بے حد شکریہ۔

سمیرا غزل صدیقی: کراچی سے تشریف لائی ہیں وہ لکھتی ہیں۔

کچھ بھی کہنے لکھنے سے قبل تعارف کا مرحلہ

طے پانا نہایت ضروری ہے میرا نام سمیرا غزل صدیقی ہے تقریباً چار سال سے حنا کی خاموش قاری ہوں خط لکھنے کی جسارت کبھی ایسے نہیں کی کہ میں کچھ بن کے ہی حنا میں شرکت کرنا چاہتی تھی کیونکہ میرا جنون قلم ہے میں کافی اور جگہوں پہ بھی لکھتی ہوں، اب حنا کی مصنفین میں شامل ہونے کی بھی اسد خواہش ہے امید ہے آپ مایوس نہیں کریں گے ایک مختصر سا افسانہ ارسال کر رہی ہوں قدلیس اشاعت میں شامل کر کے شکریہ کا موقع عنایت کریں۔

سمیرا غزل صدیقی خوش آمدید، انشاء اللہ آپ کی تحریر قابل اشاعت ہوئی تو شائع ہو جائے گی شکریہ اور آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

ثمینہ بٹ: لاہور سے لکھتی ہیں۔

اس بار حنا کا ناولٹ نمبر آیا، جو زبردست رہا سرورق پر "میرا سلطان" کی ملکہ عالیہ بڑی شان سے براجمان اچھی لگ رہی تھیں، سردار سر کی باتیں، سیدھی دل میں اتر گئی اور دل کی گہرائیوں سے دعا نکلی کہ یا رب العالمین اب تو دم لبوں پہ آ گیا، مولیٰ پاک تیرا وعدہ ہے کہ تو انسان کی اوقات سے زیادہ اس پر بوجھ نہیں ڈالتا، اے رب رحیم، اب اس مجبور، بے بس اور لاچار قوم کی فریاد بھی سن لے اور ہمارے حکمرانوں کو غریب عوام کی بھلائی کے لئے کچھ کرنے کی توفیق عطا فرما، آمین۔

پھر پروفیسر عنایت علی خان کی نعت نے بھی دل کو منور کیا اور ایک میٹھا سا سکون بخشا روح کو، (جزاک اللہ)

پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں، میں سید اختر ناز نے ایک ہی واقعہ بیان کیا، سیاق و سباق کے ساتھ، بہت سبق آموز اور بہت خوبصورت جس میں کئی پیغام ہیں سیکھنے اور سمجھنے والوں کے لئے۔

"انشا نامہ" میں اس بار انشا جی "سونا شہر" کی سیر کروا رہے تھے، واہ کیا بات ہے لگتا ہے انشا جی آج بھی ہمارے ساتھ ہیں اور حنا کے ساتھ ایک دن میں اس بار یسمی کرن سے ملاقات ہوئی جو بہت اچھی رہی، ارے یسمی جی یہ آپ نے کیا کہہ دیا؟

"مصنفین وہ قبیلہ پاکستانی قوم کا جن کو بالعموم عوام بھی نکھے اور کھسکے ہوئے اور بالخصوص ان کے اہل خانہ ناکارہ اور ویلے گردانتے ہیں؟

جی بجا فرمایا آپ نے، مگر یہ ہی قبیلہ جو جمال کو رقم کرتا ہے بہت کمال کرتا ہے کیونکہ ایسا کمال وہ بھی تو کر کے دکھائیں ناں ذرا جو ہمیں "ویلا اور نکما" کہتے ہیں بالکل بھی بورنگ نہیں لگی، کیونکہ جس روٹین کو آپ خود انجوائے کرتی ہیں، خود اس میں سکون محسوس کرتی ہیں، وہ کسی کے لئے بھی بورنگ نہیں ہو سکتی۔

یسمی کرن سے ملنے کے بعد میں فوراً "امرتا پریتم" سے ملنے کتاب نگر پہنچ گئی، "رسیدی ٹکٹ" امرتا کی خودنوشت، اب کیا کہوں اس کے بارے میں "امرتا پریتم" ادب کی دنیا کا ایک بہت بڑا نام اور اس بڑی مصنفہ کی ہر تحریر ہی دل کو چھوتی ہے، یسمی نے ہر بار کی طرح، اس بار بھی "رسیدی ٹکٹ" کا تعارف بہت خوبصورت اور اثر انگیز انداز میں کروایا، اس تعارف کو پڑھ کر ہی کتاب پڑھنے کی لگن سے لگ گئی ہے۔

اور جناب چونکہ یہ ناولٹ نمبر تھا، لہٰذا اس میں زیادہ تعداد میں ناولٹ ہی تھے جو کہ سب سے اچھے تھے، سب سے پہلے "کاسہ دل" پڑھا، یہ قسط بھی اچھی تھی، شاہ بخت کے ساتھ برا ہوا، مگر اس شہزادے نے تو اس سے بھی سبق نہ سیکھا، دیکھیں اب آگے کیا ہوتا ہے، شاہینہ چندا، کا

...بہت کرنے کی شروعات، نادرہ اوران دونوں کے ملاپ سے جو دھما کہ خیز واقعات وقوع پذیر ہوئے، وہ تو ہونے ہی تھے مگر ایک بات کی تکلیف شدت سے محسوس ہوئی، نادر کا حد سے زیادہ غصیلا اور ہتھ چھٹ اور زبان دراز ہونا، ہاں شاہینہ نے جو این جی او کا حال بتایا، بالکل ٹھیک تھا، 95 فیصد ایسے ادارے دونمبر ہی ہوتے ہیں۔

واقعی محبت فاتح عالم ہے جو کام سب غصے، ڈانٹ یا دھونس سے نہ نکلوا سکے، محبت نے پل بھر میں کروالیا، "تم بن صنم" شگفتہ شاہ کی خوبصورت تحریر، اچھی لگی، ارم کا مسز انور کو چیلنج دینا اور پھر اسے جیت بھی جانا، اچھا تو لگا مگر اس سے مسز انور کا گھر اور اعتماد تو متاثر ہوا ناں۔

شگفتہ آپ نے بہت اچھا لکھا، "خالدہ نثار" کے ناولٹ "دن لگیں گے" کی جیا کے حوصلے ہمت اور سچائی نے بہت متاثر کیا، دوانتہا درجے کے سیاسی مخالفین کی سیاسی چالیں اور داؤ پیچ اسی طرح عام عوام کا جینا محال کرتے ہیں، جیسے کہ "مراد بی بی" کا ہوا اور جیسے جیا کا۔

خالدہ آپ نے ایک بہت حساس موضوع کو بہت اچھے اور خوبصورت انداز میں پیش کیا، اس بار افسانے بھی اچھے تھے، روبینہ سعید کا "گلشن کا خدا حافظ" بہت عمدہ تحریر تھی، واقعی بعض اوقات ہم دوسروں کو دھوکہ دے کر انہیں بے وقوف بنا کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے بڑا کارنامہ سر انجام دیا۔

کنول عمران نے "صبح کا بھولا" میں اچھا پیغام دیا، مگر سارہ کا سرپرائز پلان، ناجیہ اور سعد کے لئے بھاری ہی پڑ سکتا ہے، خاص طور سے ناجیہ کے لئے اور سب سے خوبصورت افسانہ "ابھی امید زندہ ہے" درنجف نے کوئٹہ پر ہونے والے بی ایل اے کے حملے کے تناظر میں لکھی گئی خوبصورت تحریر، بہت ہلکے پھلکے انداز میں لکھی گئی شگفتہ سی تحریر، لانگ مارچ، ہڑتال، دھرنا، ہر جملہ چٹ پٹا کے مابین ہر لڑائی مزے دار، مگر آخر میں قائداعظم ریذیڈنسی زیارت پر حملے کے نتیجے میں چھا جانے والا دکھ ہر حساس دل کا دکھ ہے یہ۔

اور اس ماہ کی سب سے خوبصورت طیبہ ہاشمی کی "سلطنت" دو قسطوں پہ محیط یہ ناول ہمیں ایسے دور میں لے گیا جہاں بھول بھلیاں ہیں، جہاں ہمارے مشرق کی خوبصورت روایات ہیں، نواب محل کا خوبصورت ماحول ہے۔

"محبت، محبت اور صرف محبت اور اس محبت کی چاہ میں کتنی محبتیں تھیں جو سلطنت کے ہاتھوں سے ریت کی طرح پھسلتی چلی گئیں، بہت خوبصورت ناول، بہت پر اثر تحریر اور بہت دلنشین انداز تحریر، فوزیہ جی! یہ تو ہو گیا اکتوبر کے شمارے پر میرا مختصر سا تبصرہ، بڑا دل سے لکھا ہے سب میں نے۔

ثمینہ بٹ اس مرتبہ بھی آپ کا تبصرہ بے حد شاندار تھا، صفحات کی کمی کے باعث مکمل شائع نہیں کیا جا سکا اس کے لئے معذرت خواں ہیں، نومبر کی تحریروں کے لئے پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔

بعض مرتبہ ہو جاتا ہے کہ جو اشتہار میں دیا ہوتا ہے نام، وہ کسی وجہ سے شائع ہونے سے رہ جاتا ہے تو پھر کسی اگلے ماہ شائع کر دیا جاتا ہے انشاء اللہ آپ کا بھی شائع ہو جائے گا، اتنا اچھا اور جامع تبصرہ لکھنے پر آپ کا بے حد شکریہ۔